فلسفۂ توحید پر لاثانی پیشکش

خزینۂ ایمانیہ

شرح حدیقۂ سلطانیہ

ازقلم

استاذ العلماء علامہ سید گلاب علی نقوی بخاری مدظلہ العالی

ناشر: مکتبہ کاظمیہ شیعہ میانی ملتان پاکستان

فہرست مضامین خزینہ ایمانیہ ترجمہ حدیقہ سلطانیہ

مضمون	صفحہ
اہم گذارشش	۸
خزینہ ایمانیہ ترجمہ حدیقہ سلطانیہ	۱۷
باب التوحید	
توضیحات نورانیہ	
درباۂ حکم عقل مذہب اشاعرہ کی تردید	۲۱
عقل کی حجیت پر حدیث کے ذریعہ استدلال	۲۲
اصول دین میں تقلید	۲۲
باب اوّل	۲۸
فصل اوّل وجود واجب کے اثبات میں	۲۸
دلیل اوّل :-	
وجہ اوّل۔ آیہ مبارکہ "ان فی خلق السموات" الخ سے استدلال	۲۹
وجہ دوم :- کشتی سوار کی حالت سے استدلال پر مشتمل حدیث	۳۵
وجہ سوم :- جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے خطبہ کے فقرات سے استدلال	۳۷
وجہ چہارم :- حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کا مرغ کے انڈے سے استدلال	۴۶

مضمون	صفحہ
وجہ پنجم :- آیت مبارکہ "وفی انفسکم ..... سے استدلال	۴۹
توضیح در بارۂ روح	۵۳
دلیل دوم	۶۳
وجود واجب الوجود پر واجب و ممکن کی تقسیم سے استدلال	
دلیل سوم	
حدوث عالم کے ذریعہ استدلال	۶۶
فصل دوم	
اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کے بیان میں	۶۷
پہلی صفت وہ قدیم ہے۔	
دوسری صفت وہ قادر مختار ہے	
تیسری صفت اور تعالیٰ عالم ہے۔	۷۱
ازالہ توہم اور کاظمیہ پر تعریض	۷۴
دفع دہم	
چوتھی صفت اللہ جل شانہٗ حی اور زندہ ہے	۸۰
پانچویں صفت اللہ تعالیٰ مدرک ہے	۸۰
وجہ اوّل	۸۲
وجہ دوم	۸۳
مسئلہ بدا اور اہل سنت کی طرف سے شیعہ پر بہتان	۸۳
لوح کی دو قسمیں	۸۵
لوح محو و اثبات کی غرض و غایت	۸۷

مضمون	صفحہ
چھٹی صفت اللہ جل شانہٗ مرید اور کارہ ہے۔	۹۱
ارادہ خداوندِ عالم کے اطلاقات۔	۹۲
اطلاق اوّل	
ارادہ کا دوسرا اطلاق	۹۳
ارادہ خداوندِ عالم کا تیسرا اطلاق	۹۴
بندوں کے افعال سے متعلق ارادہ خدا کے معانی	
اول و دوم	۹۷
سوم مشیئت الجائی	۱۰۰
کراہت اور ارادہ کا فرق	۱۰۱
ساتویں صفت متکلم ہے۔	۱۰۱
حدیث قدسی کی تعریف	۱۱۴
کلام خدا حادث اور مخلوق ہے۔	۱۱۵
حنابلہ اہل سنت کی تردید	۱۱۶
آٹھویں صفت ثبوتیہ ——— صادق ہے	۱۱۸
فصل سوم	
صفات سلبیہ کے بیان میں	۱۲۰
توحید کے دلائل عقلیہ، پہلی دلیل عقلی	۱۲۵
توحید کی دوسری دلیل عقلی	۱۲۶
توحید کے دلائل نقلیہ	۱۳۲
باطل فرقوں کی تردید	۱۳۵

مضمون	صفحہ
فرقۂ ثنویہ کی تردید	۱۳۷
فرقۂ وثنیہ کی تردید	۱۳۹
فرقۂ نصاریٰ کی تردید	۱۴۶
معجزہ کے اسناد کے متعلق ازالۂ وہم	۱۵۳
ردّ اقوال صوفیہ بوجوہ عقلیہ و نقلیہ	۱۶۸
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۷۰
جناب امیرؑ کا حسن بصری سے مکالمہ	۱۷۹
فلاسفہ کا رد	۱۹۱
استحالۂ انقطاع فیض کے توہم کا ازالہ	۱۹۸
قول غلاۃ و مفوضہ کی تردید	۲۰۳
تردید استدلال بروایت نزلونا عن الربوبیۃ	۲۶۲
فرقۂ مفوضہ کی تردید میں ابوالحسن دلال کی روایت	۲۶۵
معجزہ فعل خدا ہوتا ہے۔	۲۷۱
ازالہ غلط فہمی	۲۷۱
پُراز فائدہ نصیحت	۲۷۶
حدیث ابوطاہر بن بلال سے مذہب مفوضہ ثابت نہیں ہو سکتا	۲۸۰
بعض بے جا تاویلات کا ازالہ	۲۹۰
آیۃ "وما نقموا الا" الخ کا شان نزول	۳۰۱
صفات سلبیہ میں سے دوسری صفت ۔ نفی صفات	۳۱۱
اعتراض اہل سنت کی تردید	۳۱۵

مضمون	صفحہ
ارشاد جناب امیرؑ کا صحیح معنی	۳۲۲
بیان اختلاف علماء در تشخیص صفات ثبوتیہ	۳۲۴
صفات زائدہ بر ذات کی نفی پر دلائل عقلیہ	۳۲۶
نفی صفات زائدہ بر ذات کے دلائل نقلیہ	۳۳۰
ابتداء کلام برائے ازالہ اوہام	۳۳۶
دوسری وجہ سے توضیح	۳۳۷
صفات سلبیہ میں سے تیسری صفت نفی ترکیب	۳۳۹
نفی ترکیب کے دلائل عقلیہ	۳۴۱
نفی ترکیب کے دلائل نقلیہ	۳۴۱
اللہ تعالیٰ کے متعلق اجزاء عقلیہ اصطلاحیہ کی بحث۔	۳۴۳
صفات سلبیہ میں چوتھی صفت، جسمیت اور صورت کی نفی	۳۴۵
صفات سلبیہ میں سے پانچویں صفت، نفی مکان و جہت	۳۵۴
صفات سلبیہ میں سے چھٹی صفت حلول و اتحاد کی نفی	۳۶۸
ساتویں صفت سلبیہ وہ مرئی نہیں	۳۷۵
آٹھویں صفت سلبیہ محل حوادث ہونے کی نفی	۴۰۹
بعض اتباع شیخ احمد احسائی کے قول کا بطلان	۴۱۷
صحت نامہ	
شجرۂ مترجم	۴۱۹
تذکرہ مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ	۴۲۱
نسب شریف و تاریخ ولادت۔	۴۲۳

مضمون	صفحہ
بچپن اور زمانہ تعلیم کے حالات	۴۲۵
شرم و حیاء کا معیار بلند	۴۲۶
پدر بزرگوار کی ہدایات پر عمل	۴۲۸
اجازہ روایت احادیث	۴۲۹
مقلدین و عقیدت مندان	۴۳۰
حضرت علامہؒ علماء عراق و ایران کی نگاہ میں	۴۳۲
تقسیم اوقات	۴۳۴
موعظہ شریفہ	۴۳۵
تصانیف و تالیفات	۴۳۵
کتابت قرآن مجید	۴۳۹
تائیدات الٰہیہ و کرامات ربانیہ	۴۴۰
وفات حسرت آیات	۴۴۱
تقریظ بزبان فارسی مفتی محمد عباس رحمہ اللہ	۴۴۲
ترجمہ قطعہ تاریخ بذریعہ تخریج یک سال	۴۴۴
دوسرا قطعہ بغیر ابہام	۴۴۵
تقریظ بزبان عربی از مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ	۴۴۹
قطعہ تاریخ	۴۵۲
تقریظ علامہ السید محمد مجتہدؒ۔	۴۵۴
تقریظ آقائے سید ناصر حسین اعلی اللہ مقامہ کا تذکرہ۔	۴۵۷

اہم گذارش

أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان اللعین الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

الحمد للہ رب العلمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاھرین المعصومین ولعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین من یوم عداوتھم ای یوم الدین بل الی ابد الآبدین ۔

ارباب فہم و دانش و صاحبان عقل و خرد پر مخفی اور مستور نہیں کہ اس جہان فانی اور عالم بوقلمونی میں ہر آنے والا نہ اپنے ارادہ و اختیار سے آتا ہے اور نہ ہی اپنے اپنے اختیار و ارادہ اور اپنی خوشی اور رضا سے اگلے جہان کی طرف رختِ سفر باندھ کر کوچ کر جاتا ہے ۔ یہی اپنے اختیار و ارادہ سے نہ آنا اور اپنی رضا و رغبت سے نہ جانا واضح اور بین دلیل ہے کہ کوئی ایسی قادر اور جابر ہستی ہے جو ہر شخص کو بغیر اس کی خواہش اور تمنا کے اور بغیر کوئی درخواست و عرضداشت پیش کرنے کے اس دنیا میں لاتی بھی ہے اور پھر اسے اس کی منشا اور مرضی کے خلاف جب چاہتی ہے ایک ان دیکھے دیس کی طرف لے جاتی بھی ہے ۔

اس کا یہ وتیرہ ہر شخص سے مساوی اور یکساں ہے خواہ کوئی امیر ہو خواہ غریب بادشاہ ہو یا رعایا ۔ طاقت ور ہو یا ضعیف اور کمزور کیسے باشد اس قادر مطلق کی

مشیت کے سامنے ہر شخص کا سر تسلیم خم ہے ۔ نہ کسی شخص کو اس کے اعوان و انصار اور فوجوں و لشکر کی کثرت اس سے بچا سکتی ہے ۔ اور نہ ہی اسلحہ یا بری بحری اور فضائی طاقت کی بہتات اسے محفوظ رکھ سکتی ہے اور نہ ہی مال و دولت اور سیم و زر وغیرہ کی فراوانی سے اس کی مشیت کو ٹالا جا سکتا ہے ۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے ۔ ماشاءاللہ کان وما لم یشالم یکن ۔

پھر ایسے موزوں اور مناسب طریقہ اور ہیئت پر پیدا کیا کہ جن جن چیزوں کی اس منصۂ شہود پر آنے والے کو ضرورت تھی ۔ وہ سب اسے مفت اور بلا قیمت عطا کر دیں ۔ اسے دیکھنے کی ضرورت تھی تو اس کے لئے چشم بینا سے سرفراز کر دیا ۔ سننے کی ضرورت تھی تو قوت سامعہ مرحمت فرما دی ۔ بولنے کے لئے قوتِ گویائی اور نطق سے نوازا ۔ اشیاء خوردنی و آشامیدنی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ذائقہ عطا کر دی ۔ خوشبو سے فرحت و راحت حاصل کرنے اور بدبو اور خوشبو میں امتیاز کرنے کے لئے قوت شامہ ارزانی فرمائی ۔ سرد گرم اور درشت و نرم کا احساس اور علم حاصل کرنے کیلئے قوت لامسہ پورے بدن میں رکھ دی ۔ اسی طرح عقل و فہم دل و دماغ ۔ ہاتھ پاؤں ہر قسم کے آلات اور اعضاء جوارح سے اسے مرصع اور مزین کر کے بھیجا ۔ اور ہر عضو کو ایسے موزوں مقام پر جاگزین کیا کہ بجا طور پر جہاں اسے ہونا چاہیئے تھا ۔

یہ سب امور مثل خورشید ضوء پاشس رہبری کرتے ہیں کہ جہاں وہ قادرِ مطلق ہے وہاں علیم و حکیم بھی ہے ۔ اس کا ہر فعل حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتا ہے جو کرتا ہے صحیح اور بجا کرتا ہے ۔ اس کا کوئی فعل غلط اور بے جا

نہیں ہو سکتا۔ انہیں حقائق کی طرف قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ کہ خود تمہارے نفوس میں اس کے وجود فیض الجود۔ قدرت کاملہ اور علم و حکمت وغیرہ کے دلائل موجود ہیں کیا تم دیکھ نہیں سکتے کیا تم ان کے ادراک سے قاصر ہو۔

انسان فاعل مختار ہے۔

یہ سب طاقتیں اور قوتیں عطا کرنے کے بعد ان کو انسان کے کنٹرول اور اس کی قدرت میں دیا۔ ان کے استعمال کرنے اور نہ کرنے کو اس کے اختیار میں دے کر اسے فاعل مختار بنایا۔ وہ چاہے جس طاقت سے کام لے چاہے نہ لے چاہے اسے درست اور صحیح طریقہ پر استعمال کرے۔ چاہے ان سے غلط اور ناجائز کام لے۔ جہاں وہ آنکھوں سے دیکھ کر قرآن پاک کی تلاوت کر سکتا ادعیہ و اوراد پڑھ سکتا۔ اپنے روزمرہ کی حاجات میں جائز طریقہ پر ہر چیز کو دیکھ سکتا ہے وہاں وہ انہیں آنکھوں سے نامحرم کی طرف بھی نگاہ کر سکتا۔ کھیل تماشا اور لہو و لعب کا نظارہ بھی کر سکتا اور تمام ان چیزوں کو دیکھ سکتا ہے جن کا دیکھنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ اسی طرح دیگر تمام قوی سے جائز اور ناجائز ہر دو قسم کے کام لے سکتا ہے۔

ان مناظرِ قدرت اور پُر از حکمت مخلوق کو دیکھ کر عقل سلیم حتمی فیصلہ کرتی ہے کہ اس عجیب و غریب کارخانۂ دنیا کو اس حکیم و علیم نے بے مقصد فضول۔ عبث اور بغیر کسی مصلحت و حکمت کے پیدا نہیں کیا۔ یقیناً اس بہت بڑے کارنامے کا کوئی بہت بڑا مقصد اور اس کی کوئی عظیم الشان غرض و غایت ہے۔ جیسا کہ یہ ارشاد پروردگار رہنمائی کرتا ہے

ویتفکرون فی السموٰت والارض۔ ربنا ماخلقت ھذا باطلا۔ پ۴ ع سورۂ آل عمران ۱۹۱ کہ وہ صاحبانِ عقل زمین و آسمان میں غور و خوض کرتے ہیں تو بے ساختہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! یہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانۂ دنیا تو نے لغو اور بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ کوئی نہ کوئی بلند مرتبہ غرض و غایت اس کی ضرور ہے۔

غرضِ خلقتِ انسان

نیز فرمانِ ربی ہے افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لاترجعون۔ پ۱۸ ع المؤمنون ۱۱۵۔ کیا تم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے؟ اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

عقل انسانی اس قدر فیصلہ ضرور کرتی ہے کہ اس عالم دنیا کو پیدا کرنے اور خلقتِ اشرف المخلوقات انسان کی کوئی نہ کوئی علت غائیہ ہے لیکن عقل بعینہٖ اس کی نشان دہی کرنے اور اس کا تعین کرنے سے قاصر تھی اس لئے اللہ جل شانہٗ نے اپنے منتخب بندوں انبیاء علیہم السلام کو اسی غرض سے روشناس کرنے کے لئے مبعوث کیا جن کے آخری اور سب کے خاتم آنحضرت نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تھے آپ نے حدیثِ قدسی کے ذریعہ اسی مقصد عالی کا انکشاف کیا کہ خلقت انسان کی غرض و غایت انسان کا اپنے خالق رازق اور پروردگار کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد حدیث قدسی ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف۔ کہ

میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ مجھے محبت لاحق ہوئی کہ میری معرفت حاصل کی جائے۔ لہذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میری معرفت حاصل کی جائے۔

نیز ارشادِ قدرت ہوا۔ و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پ۲۷ ع۲ الذاریات ۵۶ کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ یہ میری عبادت کریں اور ظاہر ہے کہ عبادت وہی شرفِ قبولیت سے مشرف ہو سکتی ہے جو معرفت کے ساتھ ہو۔ لہذا حصولِ معرفت، پروردگار ہر شخص کیلئے فرضِ عینی قرار پایا۔ جس کے باعث اصولِ خمسہ میں سے توحید اور عدل کی معرفت کا حاصل کرنا ہر فرد و بشر کے لئے ضروری اور لازم ہے اور جہاں توحید و عدل کی معرفت ضروری ہے وہاں معارف حقہ اور عبادت و احکام کی تفصیلات کو منجانب خالق حقیقی اخذ کر کے پہنچانے والے مبلغ اسلام نبی پاک کی معرفت بھی ضروری اور دین اسلام کے محافظ امام زمان کی معرفت بھی لازم اور ضروری ہے۔ پیغمبرِ اسلام نے فرمایا۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ۔ کہ جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل نہ کی وہ کفر اور زمانہ جاہلیت کی موت مر گیا۔ لہذا توحید اور عدل کے ساتھ ساتھ نبوت اور امامت کی معرفت بھی لازم ہوئی۔

پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام معارف کے حاصل کرنے اور احکامِ شرع شریف کے بجا لانے سے ہر انسان کو مکلف کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا کہ اس ذات پاک پروردگار نے موت و حیات کو اس لئے پیدا فرمایا کہ تمہاری آزمائش کرے اور

تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے سب سے اچھے اعمال بجا لانے والا کون ہے تو پھر ضروری ہے کہ ان تکالیف اور اعمال کی جزاً یا سزا بھی منجانب اللہ ملے اور اس کا کوئی وقت مقرر ہو کیونکہ عدل و حکمت ربی کا تقاضہ ہی یہی ہے۔

چنانچہ اس جزا و سزا کیلئے جو دن مقرر کیا گیا اس کا نام قیامت بھی ہے۔ یوم آخرت بھی ہے۔ یوم الدین بھی اسے کہا گیا۔ ارشادِ قدرت ہے و بالآخرۃ ھم یوقنون۔ کہ وہ متقی لوگ یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ لہذا قیامت کی معرفت کا حاصل کرنا بھی ہر مکلف پر واجب اور لازم ہوا۔

غرض اصول ایمان نزد علماً پانچ شمار کئے جاتے ہیں۔ توحید۔ عدل نبوت۔ امامت اور قیامت۔ ان پانچوں کی معرفت حاصل کرنا اور ان پر ایمان رکھنا ہر فرد بشر پر فرض اور واجب ہے اور یہ معرفت اس وقت میسر آ سکتی ہے جب انسان کو ان کے تفصیلی مباحث پر بقدرِ ضرورت اطلاع ہو اور ہر شخص ان کو مدلل طور پر سمجھا ہوا ہو۔ کیونکہ اصولِ دین میں تقلید کافی نہیں اور دلائل پر مطلع ہونے کیلئے ایسی کتب کا مطالعہ ضروری ہے جن میں علماء نے ان معارف کے مباحث پر سیر حاصل بحث کی ہو۔ مگر ایسی کتابیں بہت کمیاب ہیں۔

اس سلسلہ میں بعض احباب سے کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی تعریف سنی تھی جس کے باعث اس کی محبت دامن گیر ہو چکی تھی۔ لیکن چونکہ شیعان پاکستان کو اپنی نااہلیت کے باعث کتب کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ نہیں اس لئے

کسی کتاب شیعہ کا حاصل ہونا کافی دشوار ہے۔ مگر حسنِ اتفاق کہ ایک مرتبہ سید العلماء و زین الاتقیاء جناب سید محمد ناصر صاحب نقوی محلہ شاہ گردیز ملتان سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں انہوں نے اس بلند پایہ کتاب اور اس کے مصنف علیہ الرحمۃ کے علم و فضل اور عظمت و جلالت کی بڑی تعریف کی تو ناچیز نے ان سے التماس کیا کہ کتاب مذکور اگر چند ایام کے لئے مرحمت فرمائی جائے تو مہربانی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے کتاب مذکور کے مطالعہ کا موقع دیا۔ غرض یہ کتاب دیکھنے میں آئی تو وہ اس معیار تعریف سے بدرجہا بلند پایہ ثابت ہوئی جو اس کی قبل ازیں سننے میں آئی تھی۔ کتاب مذکور کے مصنف علام انتہائی بلند پایہ عالم ہیں جن کی عظمت و جلالت کا اندازہ علماء کرام کی ان تقریظات سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے کتاب ہذا کے باب امامت کے متعلق سپردِ قلم کی ہیں۔

حقائق و دقائق کے جو جواہر ریزے اس کتاب میں ودیعت کئے گئے ہیں اور عقلی و نقلی دلائل براہین کے ذریعہ جس شان سے کتاب ہذا کے مطالب و مقاصد کو مبرہن کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر خیال پیدا ہوا کہ اس بے مثال کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ ہونا چاہیئے تاکہ عامۃ المومنین اس میں ذخیرہ کردہ بیش بہا موتیوں سے استفادہ کر سکیں اور دورِ حاضر کے اربابِ ایمان کو پتہ چل سکے کہ قدیم اور بلند پایہ شیعہ علماء کی نگاہ میں مذہب شیعہ کے خدوخال کیا ہیں اور عقلِ سلیم۔ قرآن کریم اور احادیث معصومین علیہم السلام کی رُو سے وہ کس قدر پختہ۔ مستحکم اور حقانیت پر مبنی مذہب ہے۔ بعض

احباب اور ہمدردانِ مذہب و ملت نے بھی اس خیال کی پُر زور تائید کی اور اس کارِ خیر کو بہت جلد عملی جامہ پہنانے پر آمادہ کیا۔

چنانچہ باوجود نامساعد حالات اور گوناگوں دماغی و جسمانی پریشانیوں اور کثرتِ مشاغل کے توکل بر خدا کر کے اس پُر خار وادی میں قدم رکھ دیا اور کئی ماہ کی مسلسل جدوجہد سے تاحال کتاب ہذا کے باب اوّل یعنی بابِ توحید کا ترجمہ سپردِ قلم کر دیا گیا ہے جو "خزینۂ ایمانیہ" ترجمہ صدیقیہ سلطانیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے نیز ترجمہ کے علاوہ بعض بعض مقامات پر توضیحی حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جن میں حسبِ ضرورت بعض مصطلحات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اصل کتاب میں پیش کردہ آیات کی پارہ۔ سورۃ نمبر۔ رکوع اور نمبر آیت کے اعتبار سے پوری نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ کتب کے پیش کردہ حوالجات جنکے ساتھ کتاب کا صفحہ درج نہیں تھا۔ جو کتابیں ہمیں میسر آسکی ہیں ان کے مفصل صفحات درج کر دیئے ہیں بعض احادیث کے تراجم بزبان فارسی مصنف علام علیہ الرحمۃ نے تحریر فرما دیئے تھے اور اصل متن کو درج نہیں کیا تھا تو ان کے عربی اصل متون کو جہاں تک میسر آسکے درج کر دیا گیا اور کئی ایسے مطالب جن کے دلائل مصنف علیہ الرحمۃ نے ایک مخصوص حد تک تحریر فرمائے تھے۔ حسبِ تقاضائے ضرورت ان کے مزید دلائل سپردِ قلم کر دیئے گئے ہیں اور اسی طرح کتاب مذکور کو نسبتہً پہلے کے بھی زیادہ مفید بنا دینے کے مساعی عمل میں لائے گئے ہیں ان تعلیقات کا نام "توضیحات نورانیہ" رکھا گیا ہے۔ ترجمہ اور مطلب سلیس اور عام فہم اردو میں ادا کئے گئے ہیں تاکہ عامۃ الناس کو سمجھنے میں دقت درپیش نہ ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے

استفادہ کر سکیں۔ یہ محنت محض خدمت دین مبین و حمایت حق کے لئے برداشت کی گئی ہے۔ لہذا کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ کسی کے مقابلہ یا کسی پر طعن و تشنیع کے پیش نظر یہ اقدام کیا گیا ہے۔ لہذا کسی مقام پر کسی صاحب یا کسی فرقہ کے نظریہ کی مخالفت ہو گئی ہو تو اس کی وجہ اتباعِ حق ہے۔ اور بس۔ آخر میں ناظرین کرام سے التجا ہے کہ بندہ ناچیز کو اپنی دعا خیر سے فراموش نہ فرماویں اور اگر دورانِ بیان انہیں کوئی لغزش یا نزلہ محسوس ہو تو اسے انسانی کمزوری پر مبنی کر کے اس کی صحت کی کوشش کی جائے اور ناچیز کو اس سے مطلع کر کے شکریہ کا موقع دیا جائے اور دربارِ رب العزت و درگاہِ قاضی الحاجات میں انتہائی عجز و نیاز کے ساتھ التجا ہے کہ بہ تصدق جاہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام ان ادنیٰ مساعی کو اس غریق بحرِ عصیاں کی مغفرت و بخشش کا ذریعہ قرار دے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ محمد و علی و فاطمہ والحسن والحسین و اولادھم الطاہرین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین و برحمتک یا ارحم الراحمین۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔ جررہ اقل العباد عملا و اکثرھم زللا۔

السید گلاب علی شاہ المعروف گلاب شاہ عفی عنہ

خزینۂ ایمانیہ ترجمہ حدیقۂ سلطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد

وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین

مصنف علامؒ کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی ابتدا میں خطبہ اور چند تمہیدی سطور کے بعد فرماتے ہیں یہ کتاب دو مقصدوں پر مشتمل ہے مقصد اول اصول عقائد حقہ کے بیان میں ہے اور یہ ایک مقدمہ پانچ بابوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ وجوب معرفت کے بیان میں ہے پہلا باب اصول دین میں سے اصل اول یعنی توحید پروردگار اللہ جل شانہ اور اس کے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کے بیان میں ہے۔

دوسرا باب۔ اصول ایمان میں سے اصل ثانی یعنی خالق عالم کے عدل اور مسئلہ جبر و اختیار کے بیان میں ہے کہ جو عدل باریتعالیٰ سے تعلق پذیر ہے۔ تیسرا باب۔ آنحضرت سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بقیہ انبیاؑ و مرسلین کی نبوت اور اس کے متعلقات کے بیان میں ہے۔ چوتھا باب۔ آئمہ اثنا عشر علیہم الوف التحیۃ والسلام کی امامت اور اس کے متعلقات کے بیان میں ہے۔ یعنی اس میں آئمہ میں سے ہر ایک کی ولادت۔ وفات قدرے ان کے معجزات کا تذکرہ بارہویں لعل ولایت حضرت صاحب الامر علیہ کی غیبت اور کسی قدر زمان رجعت

کے حالات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پانچواں باب۔ قیامت کے اجمالی بیان میں ہے خاتمہ احکام اسلام اور ایمان کے بیان میں ہے۔

مقصد ثانی فروع دین یعنی عبادت وطاعت کے بیان میں ہے، یہ ایک مقدمہ چھ بابوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں طریقۂ اصول واخبار کے اختلاف کے متعلق اشارہ ہے۔ پہلا باب احکام طہارت کے بیان میں ہے دوسرا باب نماز یومیہ وغیرہ یومیہ کے احکام اور ان کے متعلقات کے بیان میں ہے۔ تیسرا باب زکوٰۃ وخمس کے احکام کے بیان میں ہے۔ چوتھا باب احکام روزہ واعتکاف کے بیان میں ہے۔ پانچواں باب احکام حج وعمرہ کے بیان میں ہے۔ چھٹا باب معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے بیان میں ہے؛

مقصد اوّل اصول اعتقادیہ کے بیان میں ہے۔ مقدمہ معرفت خدا وند عالم عزّ شانہ کے وجوب وجود کے بیان میں ہے۔ معرفت خدا

معارف دینیہ یقینیہ میں سے پہلی معرفت ہے۔ حضرت جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا[1]: اول الدین معرفتہ۔ کہ دین کی بنیاد معرفت خدا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمّد سیّد الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین۔

[1] توضیحات نورانیہ۔ صد[illegible] نہج البلاغۃ الخطبۃ الاولی ج، صد[illegible] طبع بیروت، مترجم،

واضح باد کے خالق کائنات کی معرفت ہر صاحب عقل وتمیز پر واجب ہے۔ اور اس سے مراد کنہہ ذات کی معرفت نہیں۔ کیونکہ انسانی عقل اللہ تعالےٰ کی کنہہ ذات کے ادراک سے عاجز ہے۔ اس کی ذات اس سے بلند وبرتر ہے۔ کہ عقول واوہام انسانی اس کا احاطہ کرسکیں۔ بے شک ہر وہم وفہم اور ہر عقل ودانش اس کی ذات والاصفات کی حقیقت اور اس کی صفات کی کیفیت کو سمجھنے اور اس کا ادراک کرنے کے متعلق حیران اور سرگرداں ہے۔ لہٰذا اس کی معرفت سے مراد اس کی صفات کے مفاہیم کو جاننے اور اس کی طرف اشیاء وافعال کی جو اضافتیں ہیں۔ ان کے ذریعہ اور جن امور کا اس سے سلب ہوتا ہے۔ ان کے ذریعہ اس کی ذات کو پہچاننا ہے۔ اس کے بعد اس کے وجود فیض الجود کے متعلق یقین رکھنا مراد ہے اور ازاں بعد اس کے ان صفات ثبوتیہ کی پہچان حاصل کرنا مراد ہے۔ جن سے اس کی ذات پاک کو متصف کیا جاسکتا۔ اور اس کے لئے وہ صفات ثابت کی جاسکتی ہیں۔ نیز ان صفات سلبیہ کی شناسائی حاصل کرنا مراد ہے۔ جن سے اس کی ذات ستودہ صفات کو مبرا اور منزہ قرار دینا ضروری اور جن کی نفی کرنا اس کی ذات پاک سے لازم اور واجب ہے۔ اس تفصیل کے مطابق معرفت حاصل کرنا ہر مکلف پر واجب اور لازم ہے۔ کیونکہ طالبین معرفت جب اپنے نفوس اور ذوات میں بھی اور ان کے علاوہ آفاق عالم میں بھی بکثرت نعمتوں اور ظاہری اور باطنی حکمتوں کو موجود پاتے ہیں۔ تو معرفت اور یقین حاصل ہونے سے پہلے کم از کم انکو یہ احتمال بلکہ ظن

ضرور دامنگیر ہوتا ہے۔ کہ آثار عالم اور موجودات دنیا کے لئے (کہ جو طرح طرح کی خوبیوں اور حکمتوں سے پُر ہیں۔ اور گوناگون مہربانیوں اور الطاف پر مشتمل اور رنگارنگ کرامتوں کو اپنے دامن آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔) کوئی ایسا پیدا کرنے والا صانع موجود ہے۔ جو دانا و عالم اور قدرت رکھنے والا اور حکیم ہے۔ وہ وصف رضا و غضب ہر دو سے متصف ہوتا ہے۔ لہذا جویان معرفت اگر غفلت سے کام لیں اور ایسے منعم و محسن حقیقی کے حالات کا علم حاصل نہ کریں جس کی طرح طرح کی بے شمار نعمتیں اور احسانات ان کو ہر وقت گھیرے ہوئے ہیں۔ اور وہ یہ جاننے کی کوشش نہ کریں۔ کہ کون سی چیز اس کی ناراضگی اور غضب کا باعث ہوتی ہے۔ اور کون سی اس کی رضامندی اور خوشنودی کا سبب ہوتی ہے۔ تو یقیناً انہیں یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ وہ علیم حکیم جو ان پر اس قدر مہربان اور شفقت سے کام لینے والا ہے۔ ان کے طریق کار کے باعث انہیں اس رستہ کے خلاف گامزن قرار دے گا۔ جو اس کی رضامندی کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور ان کے کفران نعمت اور ناشکر گذاری کے باعث انہیں اپنے عتاب و عقاب کا مورد قرار دے گا۔ اور عذاب ابدی میں معذب رکھنا ان کی سزا تجویز کریگا۔

جب از روئے عقل یہ ثابت ہوا کہ عذاب ابدی کا خوف ان لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے۔ جو معرفت پر فائز نہ ہوں اور خداشناسی کا شرف انہیں حاصل نہ ہو۔ نیز نزد عقلاء خوف کو دور کرنا

اور اس کے ازالہ کے لئے تاحد امکان کوشش اس وقت لازم اور ضروری ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے ازالہ پر قدرت ہو تو ثابت ہوا کہ ایسے منعم حقیقی کی معرفت حاصل کرنا بھی لازم ہے۔ تاکہ خوف عذاب کا ازالہ ہو سکے اور اس کے متعلق اطمینان اور سکون قلب حاصل ہو جائے۔ لہذا اس بارے میں کسی قسم کی غفلت کو راہ نہ دینا چاہیئے۔"

دربارۂ حکم عقل مذہب اشاعرہ کی تردید

اہل سنت میں سے فرقہ اشاعرہ کا اعتقاد یہ ہے۔ کہ اس حکم کو دلیل عقل سے نہیں بلکہ دلیل نقل سے طے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ عقل کو کسی امر میں دخل نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا وہ وجوب معرفت کو دلیل نقلی سے ثابت کرتے ہیں۔ بے شک یہ حکم جہاں دلیل عقلی سے ثابت ہے۔ وہاں آیات قرآن پاک اور بکثرت احادیث کے ذریعہ بھی ثابت ہے۔ لیکن اشاعرہ کا مسلک درست نہیں کیونکہ قرآن و حدیث کے ذریعہ ان لوگوں پر احتجاج قائم نہیں ہو سکتا جنہوں نے قرآن و حدیث کی حقانیت کو تسلیم نہ کیا ہو۔ اور ابھی تک وہ اللہ تعالےٰ اور اس کی صفات کمال کی معرفت پر فائز اور انبیاءؑ کی تصدیق سے مشرف ہی نہ ہوئے ہوں۔ اور ان کو ابھی تک یہ علم حاصل نہ ہو۔ کہ عالم دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا اور مدبر ہے۔ یا نہیں۔ اور اس نے

اپنی طرف سے پیغمبر بھی مبعوث کئے ہیں۔ یا نہیں۔ اشاعرہ کا ایسے لوگوں کے سامنے قرآن و حدیث سے استدلال اور احتجاج کرنا کہ جو تا حال پیغمبر خدا کی سچائی اور حقانیت کو معلوم نہیں کر سکے یہ اشاعرہ کی بے سمجھی اور نا فہمی ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے حجت "کہ جو ابھی قرآن و حدیث کی حقانیت سے نابلد اور معرفت الہیہ سے محروم ہیں" نور عقل ہے کہ جو منجانب اللہ فطرت سلیمہ کے اعتبار سے ہر شخص پر حجت ہے۔ اور ہر اس شخص کو راہ حق کی راہنمائی کرنے والا ہے۔ جو سلیم الفطرت ہو۔

عقل کی حجیت پر حدیث کے ذریعہ استدلال

نیز حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ[1] حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر دو قسم کی حجت قائم کی گئی ہے۔ ایک حجت ظاہرہ ہے۔ اور دوسرے حجت باطنہ۔ حجت ظاہرہ انبیاؑ و مرسلین اور ائمہ علیہم السلام ہیں۔ اور حجت باطنہ ہر شخص کی عقل ہے۔

اصول دین میں تقلید

نیز مخفی نہ رہے کہ اصول دین میں تقلید کرنا۔ اور بلا تحقیق اور حق کو باطل سے دلائل کے ذریعہ ممتاز کر لینے کے بغیر قول غیر کو قبول کرنا جائز نہیں

[1] اصول الکافی للکلینی رح۔ کتاب العقل والجہل حدیث ۱۲ ص ۲۵ ج ۱ طبع طہران ایران۔ مترجم۔

اور اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک مکلف مذاہب مختلفہ میں سے کسی مذہب کی حقانیت کو دلیل اور برھان کے ذریعہ نہ سمجھے بلکہ یوں ہی کسی ایک قول کو اختیار کرے تو خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اس نے باطل کو حق سمجھ لیا ہو۔ اور جب یہ احتمال باقی ہو گا تو ایسے اعتقاد کا حامل حاکم روز جزا کی بارگاہ میں اپنے آپ کو کس طرح معذور ثابت کر سکے گا اور عذاب الہٰی سے اپنے آپ کو وہ کس طرح محفوظ کر سکے گا۔

اگر ایسے اعتقاد کے ذریعہ کوئی معذور سمجھا جا سکتا ہے کہ جو اس نے یوں ہی کسی غیر سے اخذ کر لیا ہو۔ اور اس اعتقاد کی حقانیت پر کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہو۔ تو پھر مذاہب باطلہ کو اختیار کرنے والوں کا کیا قصور ہے کہ جس کے باعث وہ بروز قیامت عذاب و عقاب میں مبتلا کئے جائیں گے اور گوناگوں سزاؤں کا ان کو مستوجب قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا اے برادر ایمانی! آپ کو چاہیئے کہ آپ ان امور سے غافل نہ رہیں۔ اور اپنے انجام کار کو سمجھ کر معرفت و ایمان کے استحکام اور پختگی کے ذریعہ آخرت کے لئے زاد راہ حاصل کریں۔ تاکہ ایسا نہ ہونے پائے کہ اس روز اپنے آپ کو ابدی ہلاکت و خسران اور دائمی ناکامی میں جھونک دیں۔ جس دن کہ تابعین اپنے سرداروں اور ماموین اپنے اماموں سے تبرا اور بیزاری حاصل کریں گے۔ اور اپنے افعال و اعمال پر ندامت اور پشیمانی کے آنسو بہائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دین اور اہل حق و یقین ہمیشہ نسلاً بعد نسل اپنی پوری طاقت و ہمت سے اصول دین و معارف شرع متین کی بنیادوں کو پختہ اور

مضبوط کرنے میں مصروف چلے آرہے ہیں۔ اور خصوصیت سے اس مقصد کے متعلق اپنی پوری کوشش کو صرف کرتے رہتے ہیں؛ جب آپ یہ جان چکے تو اب آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خالق عالم کے وجود اور اس کی عدالت و قدرت کی معرفت اور دیگران چیزوں کی معرفت کو ایسے خاص عقلی دلائل سے ثابت کرنا ضروری ہے۔ جن پر نبوت انبیاء کا اثبات مبنی و موقوف ہوتا ہے۔ لیکن جن امورِ دینیہ کی یہ شان نہیں اور جن کا ثابت کرنا نبوت انبیاءؑ کے اثبات کے بعد ممکن ہے۔ ان پر دلائل عقلیہ کا قائم کرنا ضروری نہیں بلکہ ان امور کو ثابت کرنے کے لئے ارشادات معصومین علیہم السلام کا پیش کر دینا کافی ہے۔ کیونکہ ہر معصوم سراپا صدق اور واجب الاطاعت ولازم الاتباع ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امورِ دینیہ کی اس دوسری قسم کے متعلق رسالہ میں دلائل نقلیہ اور ادلۂ سمعیہ پر اکتفاء کی گئی ہے کیونکہ اس کتاب کے مصنف اور ان اوراق کے جامع کا مقصود اصلی اور مطمع نظر یہ ہے کہ رسالہ ہذا کا فائدہ عام ہو اور طالبین معرفت کیلئے اس کے مطالب کو حاصل کرنا دشوار نہ ہو؛

پھر چونکہ بمفادِ حدیث نبویؐ ستفترق امتی علی ثلثۃ وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ۔ اہل اسلام تہتر[۱] فرقوں پر متفرق ہو چکے ہیں اور ان میں سے صرف ایک ناجی ہے۔ دیگر سب ناری ہیں۔ لہٰذا معرفت خدا و رسولؐ کے بعد اسلام کے ان متفرق مذاہب میں سے ایک مذہب

۱ حدیث ستفترق الخ دیکھو تفسیر کبیر فخرالدین رازی ج ۱ ص ۲

کو ترجیح دینا واجب اور لازم ہے۔ اور اس ناجی فرقہ کی شناخت ضروری ہے اور اس ناجی فرقہ کی شناخت اور مذہب حق کی تشخیص حدیث ثقلین یعنی[۲] (انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی) کے رو سے کہ جو فریقین کے ہاں متفق علیہ ہے قرآن پاک اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی اتباع میں منحصر ہے۔ کیونکہ از روئے نص رسول و حدیث پاک "[۳]۔ مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق وھوی۔

ع۲ :- کتب عامہ مشکوۃ المصابیح مطبع اصح المطابع ص ۵۶۹ جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰ طبع مجتبائی دہلی، صحیح المسلم باب فضائل علی بن ابی طالب نیز نودی ج ۲ ص ۲۷۹ حدیث ثقلین کا تتمہ یہ ہے۔ انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض الخ کہ قرآن پاک اور اہل بیت آپس میں جدا نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پہ وارد ہوں گے۔ یہ حدیث عصمت اہلبیتؑ کا بین ثبوت ہے۔ نیز جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے قرآن اور اہل بیت کو تمام مسلمین صحابہ وغیرہم کا حاکم اور مطاع واجب الاطاعت قرار دیا ہے لہٰذا جس طرح کوئی صحابی قرآن پاک کا حاکم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جناب امیرؑ کا حاکم بھی نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ ائمہ کی کوئی حدیث قولی ہو یا فعلی خلاف قرآن نہیں ہو سکتی نیز حدیث سفینہ بھی ان تمام مطالب پر دال ہے۔

ع۳ :- اس حدیث کے لئے دیکھو مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۵۰۳ مترجم

کہ جس کی حقانیت پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام نجات کا سفینہ اور برکات کا خزینہ ہیں۔ لہٰذا دلیل نقلی صرف دو چیزوں میں منحصر ہے۔ ایک کتاب خدا قرآن پاک کے آیات اور دوسرے معصومین علیہم السلام کے روایات چونکہ اصول دین اور عقائد یقینیہ کے لئے دلیل قطعی درکار ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اصول اعتقاد کی بنیاد اخبار آحاد پر نہیں رکھی جا سکتی۔ فرقہ حقہ اثنا عشریہ کے متفقہ مسلمات میں سے ہے۔ یہ امر کہ خبر واحد اصول میں حجت نہیں ہو سکتی اور آیات و روایات میں سے جو متشابہات ہوں۔ ان کی آیات محکمات اور روایات متواترہ[1] اور ضروریات دینیہ کے مطابق تاویل کرنا چاہیئے ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

[2] ھوالذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و اُخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغآء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم

کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلعم پر قرآن کریم کو نازل فرمایا۔ جس کا ایک حصہ آیات محکمات ہیں۔ جو کہ اس کتاب کی اصل اور اس کا مرجع ہیں۔ اور اس کا دوسرا حصہ آیات متشابہات ہیں جن کا معنی اور مراد ظاہر نہیں۔ یا ان کا ظاہر مقصود الٰہی نہیں جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور راہ حق سے انحراف موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق تاویل کرنے اور فتنہ پھیلانے کی غرض سے آیات متشابہات کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی تاویل کو سوائے خدا کے اور ان برگزیدہ ہستیوں کے کوئی نہیں جانتا۔ جو راسخین فی العلم ہیں۔ کہ جنہیں علم میں پختگی اور رسوخ کا شرف حاصل ہے۔

اور بعض روایات میں حضرت صادق آل محمدؐ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے [3] نحن الراسخون فی العلم و نحن نعلم تاویلہ۔ کہ ہم ہی ہیں راسخین فی العلم اور ہم ہی متشابہات قرآن کی تاویل کو جانتے ہیں۔

---

[1] ۱۔ خبر متواتر اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کو نقل کرنے والے راوی ہر قرن میں اس کثرت کے ساتھ ہوں کہ عقل ان کے متعلق یہ حتمی فیصلہ کرے کہ اس حدیث کے بارے میں یہ سب کے سب جھوٹ پر متفق نہیں ہو سکتے۔ اور جس حدیث کے راوی ہر قرن میں اس کثرت کے ساتھ نہ پائے جائیں۔ بلکہ ہر قرن میں یا کسی قرن میں اس قدر کم ہو جائیں۔ کہ عقل ان کا اس حدیث کے بارے میں جھوٹا ہونا ممکن قرار دے سکتی ہو۔ اس حدیث کو خبر واحد کہتے ہیں۔ اور آحاد واحد کی جمع ہے۔ مترجم

[2] ۱۔ پ۳ سورۃ آل عمران پ۱ آیت نمبر، مترجم

[3] ۱۔ اصول الکافی ج ۱ ص۲۱۴ کتاب الحجۃ باب الراسخین فی العلم ہم الائمہ علیہم السلام تفسیر البرھان ج ۱ ص۲۶۷ تفسیر آلاء الرحمٰن ص۲۵۷۔ مترجم

باب اوّل

باب اول خالق عالم کے وجود، علم، قدرت اور دیگر صفات ثبوتیہ وصفات سلبیہ کے اثبات میں ہے۔ اور اس میں تین فصلیں ہیں۔

فصل اوّل

فصل اول وجود واجب کے اثبات میں ہے کہ جو سارے جہان اور تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اس مطلب کو ثابت کرنے کی عقلی دلیل کو علمائے کرام رضوان اللہ علیہم نے چند صورتوں پر بیان کیا ہے اور قرآن مجید واحادیث معصومین علیہم السلام میں بھی ان میں سے بعض دلائل کی طرف اشارہ واقع ہوا ہے۔ لہذا اس قسم کے مطالب ومقاصد کے بارے میں جن آیات وروایات کا تذکرہ کیا جائے گا۔ وہ اس اعتبار سے نہیں ہے۔ کہ ان دلائل نقلیہ سے استدلال کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ان کا ذکر اس لحاظ سے ہے کہ دلائل عقلیہ ان آیات وروایات میں بہترین طریقہ سے واقع ہوئی ہیں۔

دلیل اول یہ ہے کہ جب ایک صاحب عقل اس عالم دنیا کے پراز حکم ومصالح عجیب وغریب مصنوعات ومخلوقات کو غور وخوض کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تو وہ یہ سمجھنے اور یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

کہ ان تمام اشیاء کا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ جو علم وقدرت رکھنے والا علیم حکیم اور قادر وتوانا ہے۔ کیونکہ بغیر ایک مدبر علیم اور صانع حکیم کے ان مصنوعات عجیبہ اور مخلوقات غریبہ کا ظہور پذیر ہونا ممکن اور مقصود نہیں ہو سکتا۔ ذیل میں مزید اطمینان وبصیرت اور کمال الیقین واذعان حاصل ہو جانے کے لئے اس مطلب کو چند وجوہ سے بیان کیا جاتا ہے۔

وجہ اوّل آیت مبارکہ

ان فی خلق السموات الخ سے استدلال

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے۔[1] ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیی بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون،

[1] پ ۲ ع ۴ آیت ۱۶۴ سورۃ البقرہ یہ آیت مبارکہ ان آیات میں سے ہے۔ جو مفوضہ وغیرہ باطل فرقوں کے مذاہب باطلہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔ اور بتاتی ہیں کہ ان فرقوں کے مذاہب خلاف قرآن مجید ہیں۔ کیونکہ یہ آیت کہتی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں

اس آیہ وافیۃ الہدایۃ کا حاصل معنی مع مختصر تفسیر کے یہ ہے۔ کہ ان آسمانوں کا پیدا کرنا۔ اور ان کے دائرہ کے اندر زمین کو اپنے طبقات ارضیہ کے ساتھ اس انوکھی وضع پر جاگزین کرنا کہ نہ کوئی ستون اس کے نیچے قائم کیا گیا ہے۔ جس کے سہارے وہ ٹھہری ہوئی ہو۔ اور اس نے اس کے بوجھ کو برداشت کر رکھا ہو۔ اور نہ ہی اوپر سے از جانب آسمانی کوئی زنجیر یا رسی وغیرہ دائرہ سماویہ کے اندر لٹکا کر زمین کو اس سے آویختہ کیا گیا ہے۔ کہ جس کے رابطہ اور علاقہ سے آویزاں ہو۔ اور وہ اسے گرنے سے مانع اور روکے ہوئے ہو۔ بلکہ محض قدرت کاملہ کے ذریعہ خالی فضا میں اسے قرار دے دیا۔ اور ٹھہرا چھوڑا گیا ہے۔ اور اس پر اپنے بندوں اور کنیزوں مردوں اور عورتوں وغیرہ کو اس طرح سکونت پذیر کر دیا ہے کہ وہ اس کے قبضہ قدرت میں اسیروں اور قیدیوں کی مانند ہیں۔ زمین ان کے پاؤں تلے ایک بچھایا ہوا فرش ہے۔ اور آسمان ان کے سروں پر ایک محیط شامیانہ ہے۔ اس کے ساکنین بندوں وغیرہ کو یہ قدرت اور طاقت حاصل نہیں کی زمین و آسمان

کا پیدا کرنا۔ سورج کو پیدا کر کے لیل و نہار اور شب و روز کا امتیاز پیدا کر دینا۔ بارش برسانا۔ اور آب باراں کے ذریعہ درخت پیدا کرنا جن سے کشتیاں اور جہاز بنائے جاتے ہیں۔ نیز سبزیاں میوہ جات۔ غلہ جات وغیرہ ہر قسم کی نباتات پیدا کر کے زمین کو زندہ

کی اس فضا سے اگر باہر جانا چاہیں تو جا سکیں پس وہ اسی فضاء کے اندر بند ہیں اگر وہ چاہے۔ تو آسمان کو ان کے اوپر گرا کر انہیں تباہ کر دے۔ اور چاہے تو زمین کو شگافتہ کر کے انہیں ہلاک کر دے۔

پھر اس نے ایک آسمان میں سراج وہاج آفتاب درخشاں سورج کو جاگزین کر دیا ہے۔ جس کی روشنی ہر ستارے وغیرہ کی روشنی پر غالب ہے۔ اور اسے ایجاد کرنے اور خلعت وجود مرحمت فرمانے کی غرض و غایت اور مصلحت اس کی ضیاء پاشی کے ذریعہ مخلوق کو فوائد اور منافع سے مشرف کرنا ہے۔ کہ وہ اس کی روشنی میں راستے دیکھ کر ادھر ادھر چل پھر سکیں۔ اور اپنی دنیا و آخرت کی حاجات کو حاصل کرنے کی سعی اور کوشش کر سکیں۔ اور ایک دیگر آسمان میں قمر منیر ماہ تاباں چاند کو جگہ دے دی ہے۔ کہ اندھیری اور تاریک راتوں میں نور افشانی کر کے اہل زمین کے مفاد کا سامان مہیا کرے۔

اور شاداب و سرسبز کر دینا۔ زمین میں ہر قسم کے حیوانات کو پیدا کرنا ہواؤں کو پیدا کر کے ان کے ذریعہ بادلوں کو چلانا یہ سب قدرت خدا کا کام اور اللہ جل شانہ کا فعل ہے۔ اور مفوضہ کہتے ہیں۔ کہ یہ سب آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کے افعال ہیں۔ کیونکہ خدا نے ان کو پیدا کر کے ان افعال پر قادر کر دیا ہے۔ اور ہر شئی کو پیدا کرنے پر ان کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ اور یہ افعال ان کے سپرد کر دیئے ہیں۔

انہوں نے ہی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور ہر شئی کو پیدا کرنا ان کا

رات کو اس نے دن کی تکان سے راحت و آرام پانے کا ذریعہ بنایا اور
شب و روز کو آپس میں اختلاف رکھنے والا قرار دیا۔ جس اختلاف کے باعث
موسم گرمی، سردی۔ ربیع۔ اور خریف پیدا ہوتے۔ اور ان
کے طفیل قدرت خدا کی عجیب و غریب کرشمے ظہور پذیر ہوتے
ہیں۔ گوناگون اشجار۔ قسم و قسم کے میوہ جات و اثمار اور رنگا رنگ
کے گل پھول ان موسموں کی تبدیلی سے پیدا ہوتے ہیں۔ قدرت خداوندِ
عالم کے عجائبات میں سے ہی کشتیاں اور جہاز ہیں۔ جو پانی کی سطح پر
رواں دواں رہتے۔ اموال تجارت وغیرہ اسباب منافع کو ادھر
اُدھر اٹھا کر لے جاتے اور لوگوں کے لئے حصول منافع کا باعث
بنتے ہیں۔ اور دن رات سفر کرنے اور چلتے رہنے کے باوجود
گھاس چارا حتیٰ کہ پانی تک کی طلب بھی نہیں رکھتے۔ اور صرف ہوا
کے واسطے سے دور دراز کی مسافتیں بہت تھوڑے وقت میں طے
کر دیتے ہیں۔ اگر ہوا رک جائے اور چلنا چھوڑ کر ٹھہر جائے۔ تو بحر
زخار میں تمہاری خوراک کا سامان اٹھا کر لانے والے وہ جہاز اور کشتیاں رک
جائیں حرکت تک نہ کر سکیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے عجائبات میں
سے ہے۔ پر از حکمت صورت پہ قطرات برسانے کے ذریعہ آب

فعل ہے۔ وہی جہاں خالق ہیں۔ وہاں رازق بھی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہی
جہاں دیگر اشیاء کو پیدا کیا۔ وہاں مرزوقات یعنی اشیاء خوردنی و
پوشیدنی وغیرہ کو بھی پیدا کیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا مذہب

باران کا نازل کرتا۔ کیونکہ اگر پانی دفعتہً یکلخت اکٹھا اوپر سے زمین پہ
گر پڑتا۔ تو اسباب معیشت کی تباہی اور بربادی کا باعث بن جاتا
مگر وہ حکیم مطلق اسے سلسلۂ تقاطر بتواتر نازل فرماتا ہے۔ تاکہ کلی
طور پر وہ فائدہ بخش اور نافع ہو سکے۔ اور اس کے باعث وہ مردہ
اور ویران زمین کو زندہ اور آباد کر دیتا۔ اور اشجار و اثمار کھیتوں
اور سبزہ زار اور ہر قسم کی نباتات کو اُگا کر اسے سرسبز اور شاداب
بنا دیتا ہے۔ اور زمین کی اس پیداوار میں ان بے شمار اقسام کے
حیوانات میں سے ہر قسم کا خاص اور جداگانہ فائدہ ملحوظ رکھا گیا
ہے۔ جن کو زمین میں خلق فرمایا ہے۔ زمین اور آسمان کے درمیان
ہر جانب سے وہ ہواؤں کو حرکت میں لا کر انہیں مختلف قسم کے
ایسے تاثیرات عطا فرماتا ہے۔ کہ وہ گوناگون غلہ جات کے پیدا ہونے
پھلوں کے پکنے اور دیگر لاتعداد۔ منافع و فوائد کا باعث ہوتی ہیں۔

آیت مذکورہ کے خلاف ہونے کے باعث اور دیگران آیات قرآنیہ کے خلاف
ہونے کے باعث باطل ہے۔ جو اس معنی پہ دلالت کرتی ہیں کہ خالق و رازق خدا کی ذات
ہے۔ نیز ان لوگوں کا مذہب بھی باطل ہے۔ جو کہتے ہیں کہ آئمہ معصومین ہر شئی کو پیدا کرتے
ہیں لیکن نہ بایں معنی کہ پیدا کرنے کے تمام اختیارات ان کے سپرد کر دیئے گئے
ہیں۔ اور وہ اپنی ہی صوابدید کے مطابق اور اپنے ہی کل اختیارات اور
ارادہ سے ہر شئی کو پیدا کرتے ہیں۔ کسی چیز کو پیدا کرنے میں انہیں
حکم خدا حاصل کرنے کی بھی احتیاج نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ہر شئی کو بایں

ان تمام پر از حکمت افعال اور فوائد و مصالح سے بھرپور موجودات عالم میں خداوند عالم کے وجود اور اس کی قدرت و علم پر ان لوگوں کیلئے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ موجود ہیں۔ جو اپنی عقلوں سے غور و خوض اور نظر و فکر کا کام لیتے ہیں۔

صورت پیدا کرتے ہیں۔ کہ ہر چیز کو پیدا کرنے میں وہ حکم خدا حاصل کرنے کی احتیاج رکھتے ہیں۔ خدا انہیں حکم دیتا رہتا ہے۔ اور وہ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ تمام اشیاء عالم اسی طریقہ سے آئمہ معصومین ؑ نے ہی پیدا کی ہیں اس کو تفویض غیر استقلالی کہا جاتا ہے۔ اور مقدم الذکر صورت تفویض کو تفویض استقلالی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں دیگر کوئی فرق نہیں، صرف حکم خدا کی احتیاج و عدم احتیاج کا فرق ہے، مگر تفویض کی یہ دونوں صورتیں جہاں دیگر آیات قرآنیہ کے خلاف ہیں۔ وہاں آیت مذکورہ بالا "ان فی خلق السموات الخ"، کے بھی خلاف ہیں۔ لہذا یہ دونوں مذہب باطل ہیں

نیز ان لوگوں کا مذہب بھی اس آیت اور دیگر ان کے ہم معنی آیات کے خلاف ہے جو نور و ظلمت کو خالق عالم قرار دیتے۔ یا عقول عشرہ کو عالم دنیا کا پیدا کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ بغرض اس قسم کے تمام مذاہب خلاف قرآن ہونے کے باعث باطل ہیں پھر مصنف علام اعلی اللہ مقامہ نے جس مقصد کے لئے یہ آیت پیش کی ہے۔ اس پر اوجہ احسن یہ دال ہے کیونکہ اس سے نہ صرف وجود باری کا پتہ دلالت ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی قدرت اور علم و حکمت پر بھی نہایت حسن و خوبی سے یہ دلالت کرتا ہے۔ کما لا یخفی۔ مترجم

وجہ دوم کشتی سوار کی حالت سے استدلال پر مشتمل حدیث

(۱)؎ تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں منقول ہے، قال رجل للصادق یا ابن رسول اللہ دلنی علی اللہ ما ھو فقد اکثر علی المجادلون وحیرونی فقال یا عبد اللہ هل رکبت سفینۃ قط قال بلی. قال هل کسرت بك حیث لا سفینۃ تنجیك ولا سباحۃ "ولا ساحۃ" تغنیك قال بلی قال هل تعلق قلبك هناك ان شیئاً من الاشیاء قادر علی ان یخلصك من ورطتك قال بلی قال الصادق علیہ السلام فذلك الشئ هو القادر علی الانجاء حین لا منجی و علی الاغاثۃ حیث لا مغیث۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ اے فرزند رسول اللہ تعالیٰ کے بارے میں میری راہنمائی فرمائیے۔ کہ وہ کیسی اور کونسی ہستی ہے۔ کیونکہ مجادلین نے مجھ سے اس بارے میں بکثرت جھگڑے کئے ہیں۔ اور مجھے حیران کر دیا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ بندہ خدا کبھی تو کشتی پر بھی سوار ہوا ہے، کہا جی ہاں فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہ کشتی کسی ایسے مقام پر جا کر شکستہ ہو گئی ہو، جہاں کوئی دوسری کشتی بھی آپ کو نجات نہ دے

(۱)؎ تفسیر الامام حسن عسکری علیہ السلام صہ ۲ برحاشیہ تفسیر علی بن ابراہیم القمی۔ طبع ایران۔ مترجم۔

سکتی ہو۔ اور تیراکی یا کوئی تختہ بھی آپ کو فائدہ نہ پہنچا سکتا اور مستغنی نہ کر سکتا ہو؟ عرض کی کہ جی ہاں ایسا بھی ہوا ہے۔ فرمایا کہ کیا ایسا بھی ہوا کہ تیرے دل میں یہ خیال آیا ہو۔ اور اس طرف رجوع کیا ہو کہ کوئی ہستی ایسی بھی ہے جو تجھے اس ہلاکت کے بھنور سے نجات دینے پر قادر ہے۔ عرض کیا جی ہاں ایسا بھی ہوا۔ تو حضرت صادق آلِ محمدؐ علیہم السلام نے فرمایا کہ وہی ہستی خدا ہے۔ کہ جو اس وقت بھی نجات دینے پر قادر ہے۔ جب کہ کوئی نجات دینے پر قادر نہ ہو اور اس وقت بھی فریاد رسی اور امداد کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ جب کوئی فریاد رسی اور امداد نہ کر سکتا ہو۔ وہ قادر مطلق ہر شئی پر قدرت رکھنے والا ہے۔ آیت کریمہ: اَمَّن[۱] یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء میں گویا اسی معنی اور مطلب کی طرف اشارہ[۲] ہے۔ کہ وہ ذات کہ جب کوئی بے سہارا اور بیچارہ شخص اس سے دعا کرے۔ اور اسے اپنی امداد کے لئے پکارے تو وہ اس کی حاجت روائی کر سکتا اور اس کی مصیبت اور تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔

۱:۔ پ ۲۰ سورۃ النمل ع ۵ آیت ۶۲۔ مترجم

۲:۔ مصنف علام قدس سرہ کا مضمون آیت کو اشارہ کہنا بظاہر اس امر کی دلیل ہے کہ حدیث مذکور صرف وجود باری تعالےٰ اور اس کی قدرت کی ہی دلیل نہیں بلکہ اس کے علم کی بھی دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت صادق آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقصد یہ ہے کہ جب انسان ظاہری اسباب

وجہ سوم جناب امیر المومنینؑ کے خطبہ کے فقرات سے استدلال

حضرت جناب امیر المومنین امام المتقین یعسوب الدین علیہ السلام اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں[۳] ولو فکروا فی عظیم القدرۃ وجسیم النعمۃ لرجعوا الی الطریق وخافوا عذاب الحریق. ولکن القلوب علیلۃ والابصار مدخولۃ الا ینظرون الی صغیر ما خلق کیف احکم خلقہ واتقن ترکیبہ وخلق لہ السمع والبصر وسوی لہ العظم والبشر انظروا الی النملۃ فی صغر جثتہا ولطافۃ ہیئتہا لاتکاد تنال بلحظ البصر ولا بمستدرک الفکر کیف دبت علی ارضہا وصبت علی رزقہا تنقل الحبۃ الی جحرہا وتعدہا فی مستقرہا تجمع فی حرہا لبردہا وفی وردہا لصدرہا مکفولۃ برزقہا مرزوقۃ بوفقہا لایغفلہا المنان ولا یحرمہا الدیان ولو فی الصفا الیابس والحجر الجامس ولو فکرت فی مجاری اکلہا فی علوہا وسفلہا وما فی الجوف من شراسیف بطنہا وما فی الراس من عینہا واذنہا لقضیت من خلقہا عجبا ولقیت من وصفہا تعبا فتعالی الذی اقامہا علی قوائمہا وبناہا علی دعائمہا لم یشرکہ فی فطرہا فاطر ولم یعنہ علی خلقہا قادر

سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے۔ اور فقدان اسباب کے باعث بیچارہ ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت بھی خداوند عالم اس کی حاجت روائی پر قادر ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالےٰ سے دعا کرے تو وہ اسے سنتا۔ قبول کر سکتا۔ اور اس کی حاجت کو پورا کر سکتا ہے جیسے کہ آیت

حاصل معنی حضرت کے ان ارشادات کا یہ ہے کہ وجود صانع با تدبیر وخالق با تقدیر کا انکار کرنے والے کافر اگر اس کی قدرت کاملہ ونعمت عظمیٰ کے متعلق غور وخوض کرتے تو یقیناً وہ راہ راست پر آجاتے اور آتش جہنم کے عذاب سے خوفزدہ ہوجاتے۔ لیکن ان کے دل جہالت اور نادانی کے مریض ہیں۔ اور چشم بصیرت عیب نافہمی وناکامی کے باعث معیوب اور نقصان زدہ ہے۔ کیا وہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی مخلوق کی طرف ہی نہیں دیکھتے کہ اس کی خلقت کو کس طرح اس پاک پروردگار نے محکم اور پختہ بنایا ہے۔ اور اس کی ترکیب کو کیسے متقن کیا ہے؟ اور کس طرح اس کے کان اور اس کی آنکھ کو پیدا کیا۔ اور اس کی ہڈیوں اور چمڑے کو درست کیا۔ ذرا چیونٹی کی طرف اس کے جسم کے چھوٹا سا ہونے اور اس کی جسمیت کے لطیف ہونے کے اعتبار سے تو دیکھو۔ اس قدر چھوٹی سی تو ہے۔ کہ نظر ہی مشکل سے آتی ہے۔ اور قریب ہے کہ دکھائی نہ دے۔ اور لطیف اس قدر کہ بڑے غور وخوض کے باوجود اس کی لطافت کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جاسکتا تعجب ہوتا ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی سی ہونے کے باوجود زمین پر کس طرح چل پڑی ہے۔ اور کس طرح وہ اس قدر حریص ہوگئی ہے۔

أمن یجیب المضطر اذا دعاہ الخ کا بھی یہی مطلب ہے۔ مترجم

ص۳ ا۔ نہج البلاغہ ج ۲ ص۱۴۲ خطبہ ۱۸۰ طبع مصر۔ وبحار الانوار ج ۳ ص۲۶ طبع جدید طہران۔ احتجاج طبرسی ص۱۰۰ طبع قدیم۔ مترجم۔

کر اپنے رزق پر ٹوٹی پڑتی ہے۔ دانے اٹھا اٹھا کر اپنے سوراخ میں داخل کئے جاتی ہے۔ گرمیوں میں سردیوں کے لئے ذخیرہ کرتی رہتی ہے اور اپنے باہر وارد ہونے کے ایام میں اندر واپس چلا جانے کے ایام کے لئے جمع کرتی رہتی ہے۔ حالانکہ اللہ جل شانہ اس کے رزق کا بھی کفیل ہے ضرورت کے مطابق اسے بھی عطا فرما دیتا ہے۔ وہ سخی اس سے بھی غافل نہیں۔ وہ جواد کریم اسے بھی محروم نہیں رکھتا۔ اگرچہ کہ وہ خشک چٹان اور ٹھوس پتھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ وہیں اسے اس کا رزق مل جاتا ہے۔ اگر آپ اس کے ان اعضا کے متعلق غور وفکر کریں جن سے اس کی غذا گزرتی ہے۔ اور اس کے اوپر اور نیچے کے تمام اجزا کا بغور مطالعہ کریں اور اس کے بطن میں اس کی پسلیوں اور اضلاع کو اور اس کے سر میں پیدا کردہ اس کی آنکھوں اور کانوں کو بھی بغور دیکھیں تو اس کی انوکھی خلقت اور اچھوتی وضع کے متعلق آپ کے تعجب کی انتہا نہ رہے گی اور اس کی عجیب وغریب خلقت کی وضاحت کرنے اور اس کے تفصیلات کو بیان کرنے سے آپ عاجز آجائیں گے۔ بے شک بلند مرتبہ ہے۔ وہ ہستی جس نے اس کے پاؤں پر اسے قائم کردیا۔ اور مناسب ستونوں پر اس کے جسم وجثہ کی عمارت کو استوار کردیا۔ اور اس قدر عجائبات کے ودیعت ہونے کے باوجود اس کی آفرینش میں اس ذات احدیت کے علاوہ دوسرا کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں اور اس کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی مددگار نہیں۔

ولو ضربت فی فکرك لتبلغ غایاته ما دلتك الدلالة الا علی ان فاطر النملة هو فاطر النخلة لدقیق تفصیل کل شیٔ وغامض اختلاف کل حی وما الجلیل واللطیف والثقیل والخفیف والقوی والضعیف فی الخلقة الا سوآء وکذلك السماء والهواء والریاح والماء فانظر الی الشمس والقمر والنبات والشجر والماء والحجر واختلاف هذا اللیل والنهار وتفجر هذه البحار وکثرة هذه الجبال وطول هذه القلال وتفرق هذه اللغات والالسن المختلفات فالویل لمن انکر المقدر وجحد المدبر زعموا انهم کالنبات ما لهم زارع ولا لاختلاف صورهم صانع لم یلجاؤا الی حجة فیما ادعوا ولا تحقیق لما دعوا وهل یکون بناء من غیر بان او جنایة من غیر جان۔

حاصل معنی یہ ہے کہ اگر تو اپنے فکر کے رہوار تیز رفتار کو ہر جانب اور ہر جہت میں اس لئے دوڑائے کہ عجائبات قدرت کو معلوم کرنے کیلئے تو اپنے فکر کی انتہائی حدود تک پہنچ جائے اور ان کا جائزہ لے تو بالآخر تمام چیزوں میں کامل غور و خوض کے بعد دلیل فکر تمہاری یہی راہنمائی کرے گی۔ کہ چھوٹا سا جسم رکھنے والی چیونٹی اور دراز قامت

شجر خرما ہر دو کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے بے شک ہر شئی کی تفصیل دقت کی حامل ہے۔ اور جاندار اشیاء کا باہمی اختلاف بھی بڑی گہرائیوں پر مشتمل ہے۔ تاہم بقدر طاقت انسانی غور و خوض آپ کی یہی راہنمائی کریگا۔ کہ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہی وحدہ لاشریک ہے۔ اور اس کی قدرت کے لحاظ سے سب چیزیں برابر ہیں کیا چھوٹی کیا بڑی کیا ثقیل۔ کیا خفیف۔ کیا قوی کیا ضعیف۔ سب کی سب چیزوں کا پیدا کرنا اس کے لئے یکساں طور پر آسان ہے۔ اور باوجود الوان و اشکال کے اختلاف اور اعراض و احوال کے تفاوت کے سب کا موجد ایک ہی ہے۔ زمین و آسمان اس کی قدرت و مشیت کے قبضہ میں ہے۔ اور عناصر اربعہ آگ ہوا مٹی پانی اور موالید ثلاثہ جمادات نباتات اور حیوانات سب اسی کے ارادہ اور تقدیر کے محکوم ہیں۔ لہذا اپنی چشم بصیرت سے میل کچیل کو دور کیجئے اور شمس و قمر۔ گھاس پات اشجار و ثمار۔ لیل و نہار۔ دریا و انہار۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور کثرت کوہسار۔ لغات کا اختلاف اور السنۂ مختلفہ کی تعداد و شمار کا بغور ملاحظہ کیجئے۔ تو آفتاب و مہتاب اپنی اس صفائی اور روشنی کے ساتھ

ص۲۵ :۔ جناب امیرؑ کا یہ فرمان شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق تمام ممکنات سے یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا اس کے لئے کوئی امر مشکل نہیں سب بلکہ اس کے لئے آسان ہے کما قال عز شانہ۔ انما أمرہ اذا أراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ کہ اس کی شان عالی یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔

ص :۔ تو اسے حکم دیتا ہے کہ اس طرح ہو جا۔ تو وہ اس طرح ہو جاتی ہے جس طرح کہ مشیت ایزدی کا تقاضا ہوتا ہے۔ بس اس کا ارادہ ہی عین فعل ہے۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے۔ وہ ہو جاتا ہے۔ لہذا مشکل اور آسان کی تقسیم و تنویع ہماری قدرت کے لحاظ اور خارجی اسباب کے اعتبار سے

اس قادر قدیم کی کمال قدرت پر شہادت دیں گے۔ اور اشجار و نباتات اپنی رونق و خوبصورتی اور ترو تازگی کے ساتھ اس صانع حکیم اور خالق علیم کے وجود ذی جود اور وحدت و یکتائی پر دلالت کریں گے۔ اور اسی طرح پتھر کا سکون۔ پانی کا اضطراب۔ زمین کا آرام چلنے پھرتے جانوروں کی حرکت۔ شب و روز کا اختلاف۔ دریاؤں سمندروں کی ظاہری حالت۔ پہاڑوں کی کثرت وان کی چوٹیوں کی بلندی لغتوں کا اختلاف اور طبائع وعادات کا تفاوت و افتراق یہ سب کے سب امور صانع عالم کے وجود۔ اس کی قدرت کاملہ و حکمت شاملہ اور اس کی وحدت و یکتائی اور یگانگت کیلئے براہین ساطعہ اور دلائل باہرہ و قاطعہ ہیں۔ لہذا لائق نفرین ہے۔ وہ شخص جو ایسے با تقدیر قادر کے وجود سے انکار کرتا ہے اور اس حکیم علیم مدبر کے وجود اور کمالات کا اعتراف نہیں کرتا۔

بے دین زندیق گمان کرتے ہیں۔ کہ یہ سارے موجودات خودرو بوٹیوں کا سا حکم رکھتے ہیں۔ کہ جو بغیر کاشت کے زمین سے نکل کر سر بلند کر دیتی ہیں۔ ان کی صورتوں اور اشکال کے اختلاف کے لیئے کسی صانع اور فاعل مؤثر کا ہونا ضروری نہیں۔ اور ان کے حالات اور اعراض کی تبدیلی اور تغیر کے لئے کسی فاعل کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ وہ اپنے

صہ ۱۔ ہوتی ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے سب کچھ آسان ہے۔ مترجم۔

اس دعویٰ کی کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں رکھتے اور بلا سوچے سمجھے اس سراپا قباحت کلام کو اپنی زبان پر جاری کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ کوئی بنا بغیر بانی کے اور کوئی عمارت بغیر معمار کے وجود میں آجائے۔ اور کوئی کام بغیر کرنے والے کے وجود پذیر ہو جائے۔

وان شئت فکرت فی الجرادة اذ خلق لها عینین حمراوین واسرج لها حدقتین قمراوین وجعل لها السمع الخفی وفتح لها الفم السوی وجعل لها الحس القوی ونابین بهما تقرض ومنجلین بهما تقبض یرهبها[۱] الزراع فی زرعهم لا یستطیعون ذبها ولو اجمعوا بجمعهم حتی ترد الحرث فی نزواتها وتقضی منه شهواتها وخلقها کله لا یکون اصبعا مستدقة فتبارک الله الذی یسجد له من فی السموات والارض طوعا وکرها ویعفر له خدا ووجها ویلقی بالطاعة الیه سلما وضعفا ویعطی القیاد رهبة وخوفا فالطیر مسخرة لامره احصی اعداد الریش منها والنفس وارسی قوائمها علی الندی والیبس قدر اقواتها واحصی اجناسها فهذا غراب وهذا عقاب

ع ۱۔ یرهبها الخ یعنی اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی کمزور اور ناتواں چیز کو بڑے بڑے طاقتور سرکشوں پر غالب کر دیتا ہے۔ چنانچہ مچھر نے نتھنوں کے راستے دماغ نمرود پر غلبہ پا کر اس کے غرور کا چکنا چور کیا۔ کما جاء فی راویۃ الاحتجاج ۱

وھذا حمام و ھذا انعام وعی کل طائر باسمہ وکفل لہ برزقہ انشاء السحاب الثقال فاھطل دیمھا وعد دمستمھا فبل الارض بعد جفوفھا واخرج نتبھا بعد جدوبھا۔

حاصل معنی یہ ہے کہ حضرت جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ٹڈی کے حالات میں غور و فکر کیجئے۔ اور اس کے جسم و جبثہ میں ودیعت شدہ صانع عالم کے دقائق صنعت کو ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سرخ سرخ دو آنکھیں عطا فرمائی ہیں۔ اور چاند کی شکل دو نورانی ڈھیلے ان میں روشن کئے ہیں۔ نہایت چھوٹے چھوٹے مخفی سے اسے کان بھی مرحمت فرمائے۔ نہایت درست اور مناسب اس کو منہ عطا کیا۔ بڑی تیز اور قوی حس اسے بخشی۔ منہ میں اس کے دو دانت بڑے تیز پیدا کئے، جن سے ہر شئی کو کتر کر رکھ دیتی ہے۔ اور درانتی کی شکل والے اس کے دو پاؤں پیدا کئے جن کے ذریعہ وہ ہر چیز کو پکڑ لیتی ہے۔ کسان اپنی کھیتوں میں ہمیشہ اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ کسی بھی حیلہ و تدبیر سے اس کو ہٹا نہیں سکتے۔ اگرچہ کہ وہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں۔ تاہم اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہتے ہیں۔ تا آنکہ وہ اچھلتی کودتی کھیتی میں داخل ہو جاتی ہے

ط ۱: ادخلت البعوضۃ فی منخو نمرود حتی وصلت الی دماغہ فقتلتہ کہ نمرود کے نتھنے میں مچھر داخل ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ اور اس مردود کو داصل جہنم کر دیا۔ سفینۃ البحار ج ۱ ص ۸۹ ابابیل پرندہ کے

اور اپنی خواہش کو پورا کر لیتی ہے۔ حالانکہ وہ ساری کی ساری چھوٹی انگلی کے برابر نہیں ہوتی۔ لہذا بزرگ اور برکت والی ہے۔ یہ ذات خدا جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی رہنے والی ساری مخلوق بخوشی یا بجبر و اکراہ سجدہ ریز ہوتی ہے اور ہر شئی عجز و انکسار کا مظاہرہ کرنے کیلئے اس کی بارگاہ میں اپنے چہرے اور رخسارے کو خاک آلود کرتی ہے۔ اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں اتباع و اطاعت کا اظہار کرتی ہے۔ انتہائی خوف اور ڈر کے باعث اس کے حکم کی اتباع و فرمانبرداری کا بوجھ سہارے رہتی ہے۔ پرندے ہوا میں اس کے حکم کیلئے مسخر اور تابع فرمان ہیں۔ چرندے زمین میں اس کے حکم کے تابع اور مطیع ہیں ہر پرندے کے پروں کی تعداد کا اس نے احصاء اور شمار کر رکھا ہے ہر حیوان کے سانس لینے کی تعداد کی بھی اس نے گنتی کر رکھی ہے۔ ہر خشک و تر زمین پر قوائم طیور کو قائم کیا۔ اور جس بھی جگہ پر کوئی ہے۔ حسب ضرورت اس کی خوراک وہیں پہنچانے کا اہتمام کر دیا ہے۔ تمام پرندوں کی اقسام و انواع کا اسے علم ہے کہ یہ کوا ہے۔ اور یہ عقاب یہ کبوتر ہے اور وہ شتر مرغ۔ ہر ایک کو دوسرے سے امتیازی نام عطا کیا ہے۔ اور ہر ایک کا جداگانہ نام قرار دیا ہے۔ اور اپنے لطف و کرم سے ہر

ذریعہ ابرہہ بادشاہ کے لشکر کو تباہ کیا۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے الم تو کیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل وارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول

ایک کے رزق اور غذا کا خود ضامن اور کفیل ہوگیا ہے پانی سے بھرپور بھاری بھرکم بادل ہوا میں پیدا کرتا۔ اور ان سے بکثرت بارش زمین پر نازل کرتا ہے۔ بارش کے تمام قطرات کو اس کا علم حاوی و محیط ہے اور زمین کو اپنی حکمت کاملہ کے طفیل پانی کے نقصانات سے محفوظ رکھتا ہے مردہ زمین کو از سرے نو زندگی عطا فرماتا اور اپنے فیض عمیم کے طفیل خاک خشک کو سرسبز اور شاداب کر دیتا ہے۔

وجہ چہارم حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کی خدمت میں مرغ کے انڈے سے استدلال

احتجاج طبرسی میں مروی ہے۔ دخل ابو شاکر الدیصانی وھو زندیق علی ابی عبد اللہؑ فقال لہ یا جعفر بن محمد دلنی علی معبودی فقال ابو عبد اللہ اجلس فاذا لہ غلام صغیر فی کفہ بیضۃ یلعب بھا فقال ابو عبد اللہؑ ناولنی یا غلام ھذا البیضۃ فناولہ ایاھا فقال ابو عبد اللہ یا دیصانی ھذا حصن مکنون لہ جلد غلیظ و تحت الجلد الغلیظ جلد رقیق و تحت الجلد الرقیق ذھبۃ مائعۃ و فضۃ ذائبۃ فلا الذھبۃ المائعۃ تختلط

لہ: پ ۳۰ سورۃ الفیل کہ تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا کیا کہ ان کی طرف ابابیل پرندوں کو بھیجا جو ان کو مٹی کی کنکریوں کا نشانہ بناتے رہے۔ بالآخر ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا دیا۔ مترجم۔ لہ احتجاج طبرسی طبع قدیم ص ۱۰۹ احتجاجات حضرت جناب امام جعفر صادقؑ

بالفضۃ ولا الفضۃ الذائبۃ تختلط بالذھبۃ المائعۃ فھی علی حالھا لم یخرج منھا خارج مصلح فیخبر عن اصلاحھا ولا یدخل فیھا داخل مفسد فیخبر عن افسادھا لا یدری للذکر خلقت ام للانثی تنفلق عن مثل الوان الطواویس اتری لہ مدبرا قال فاطرق ملیا ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ و انک امام و حجۃ من اللہ علی خلقہ و انا تائب مما کنت فیہ

حاصل مضمون یہ ہے کہ ابو شاکر دیصانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جبکہ وہ ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا عرض کیا کہ حضور مجھے میرے معبود کے متعلق راہنمائی فرمایئے۔ بحق ناطق حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بیٹھ جایئے۔ اچانک حضرت کی نگاہ اقدس ایک اپنے چھوٹے شہزادے پر پڑی۔ جس کے ہاتھ میں مرغ کا انڈا تھا جس سے وہ کھیل رہا تھا۔ فرمایا بچے! یہ انڈا مجھے دیجئے۔ انڈا مل گیا۔ حضرت نے انڈے کی طرف اشارہ کر کے دیصانی سے فرمایا۔ اور بطور استعارہ کہا کہ یہ ایک قلعہ ہے۔ جس کے گرد ہر طرف سے حصار قائم کر دیا گیا ہے اندرونی حالت اس کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اوپر کا چھلکا اس کا سخت ہے۔ جس کے نیچے ملائم سی باریک جھلی ہے۔ جو اپنے ماتحت کا

اصول الکافی ج ۱ ص ۱۳۰ کتاب الحجہ مترجم۔

احاطہ کئے ہوئے ہے اس کے نیچے سیال سونا یعنی زردی ہے اور پگھلی ہوئی
چاندی یعنی سفیدی ہے، نہ وہ سیال سونا پگھلی ہوئی چاندی کے ساتھ مخلوط ہو سکتا
ہے اور نہ چاندی سونے سے امتزاج پذیر ہو سکتی ہے۔ بس ان دونوں میں سے
ہر ایک کو خداوند عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے اسی حالت پر برقرار کر رکھا ہے
اور اپنی حکمت عامہ کے تحت باوجود سیلان اور رطوبت کے وصف پر مشتمل
ہونے کے ان دونوں کو باہم ممتزج ہونے سے اسطرح روک دیا ہے کہ انڈے
کے ادھر ادھر حرکت پذیر ہونے کے باوجود وہ آپس میں مخلوط نہیں ہو سکتے اور
کوئی اصلاح کنندہ اس کے اندر سے باہر نہیں آیا۔ اور کوئی خراب کنندہ باہر
سے اس کے اندر نہیں گیا کہ جو اس کے درست یا خراب ہونے
کی خبر دے۔ لہذا اس کی اصلاح اور درستی اس مدبر خبیر کی تقدیر
و تدبیر سے وابستہ ہے کہ جو ہر ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔ اور
سوائے اسے پیدا کرنے والے کے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس انڈے
کو نر کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ یا مادہ کے لئے اور وہ بچہ پیدا ہونے
کے وقت ایک ہی طور و طریقہ اور ایک ہی اسلوب و طرز پر خلعت
وجود کو زیب تن کر کے انڈے کے چھلکے کو توڑ کر باہر آجاتا ہے
خاص کر مور کا بچہ کہ وہ مختلف قسم کے رنگوں سے مزین
ہوتا ہے۔ اب بتائیے کہ اس بلند پایہ صنعت اور کاریگری
کے لئے آپ کے خیال میں کسی صانع حکیم و علیم اور خالق با تدبیر کا ہونا
ضروری ہے یا نہیں؟ امام عالی مقام کا یہ پر از حکمت کلام سن کر

دیصانی دیر تک سر نگوں کچھ سوچتا رہا۔ چونکہ علمبردار ہدایت خلق کے اس
بیان شافی نے اس کے آئینہ دل سے زنگ کو کافور کر دیا تھا۔ اور امام
عالی مقام کے کلام معجز نظام نے نور ایمان سے اس کے قلب کو روشن
کر دیا تھا۔ لہذا بے ساختہ اس کی زبان سے کلمہ طیبہ کی یوں صدا آئی۔
اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً
عبده ورسوله۔ اس کا دل عقائد حقہ کا گرویدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ
بے شک آپ خلق خدا پر حجت اور برحق امام و رہنما ہیں۔ اور میں اس حیرت
اور گمراہی سے توبہ کرتا ہوں۔ جس میں میں پہلے مبتلا تھا۔

وجہ پنجم۔ آیت مبارکہ وفی انفسکم سے استدلال

اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں سورۃ ذاریات میں فرمایا۔
وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ حاصل مضمون
حق مقرون وصدق مشحون یہ ہے کہ زمین میں بھی اور خود تمہارے
نفوس میں بھی وجود صانع علیم و خبیر اور خالق حکیم و قدیر پر انتہائی
واضح طور پر دلالت کرنے والے بکثرت دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ
موجود ہیں۔ تو کیا تم بصیرت نہیں رکھتے؟ کیونکہ مقتضائے بصیرت کے
مطابق تمہاری رفتار نہیں بلکہ تمہارا طرز رفتار ان لوگوں کا سا ہے۔
جو بے بصیرت اور کور باطن ہوں۔

صہ ۱۔ پ ۲۶ آیت ۲۰، ۲۱، مترجم۔

جاننا چاہیئے کہ روئے زمین پر جمادات و نباتات اشجار و اثمار حیوانات و احجار
وغیرہ میں صنعت الہیّہ کے جو عجائبات ودیعت کئے ہیں ان کا بیان طوالت
کلام کا مقتضی ہے صرف خلقت انسان کے متعلق غور و خوض کرنا مطلب
براری کے لئے کافی اور وافی ہے کیونکہ روئے زمین پر جو کچھ ہے اس سب سے
بلکہ ساری مخلوقات سے انسان زیادہ شرف اور عظمت رکھنے والا
ہے۔ لہذا اسی کے کچھ حصّہ کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور جو
تقریریں معرض بیان میں لائی جائیں گی وہ ائمہ معصومین علیہم السلام
ہی کے انوار کا اقتباس اور انہیں کے ارشادات عالیہ سے ماخوذ ہیں
لہذا واضح باد کہ انسانی خلقت کی ابتداء خاک اور گوندھی ہوئی مٹی
سے ہوئی بعد ازاں زن و مرد کے نطفہ سے اسے پیدا کیا گیا۔ کیونکہ مدبر
علیم صانع حکیم نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو مٹی اور پانی سے
پیدا کرنے کے بعد نوع انسانی کو باقی رکھنے کیلئے توالد و تناسل کی بنیاد
زن و مرد کے مخلوط نطفہ پر رکھی۔ لہذا ابتدائے خلقت میں انسان ایک
مٹھی بھر خاک کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد اس کی پیدائش نطفے
سے ہوئی کہ جو گوناگون ذلتوں اور کثافتوں سے متصف اور لوگوں کی نگاہوں
میں ایک بے قدر اور ذلیل و خوار چیز ہے پھر جب اللہ جل شانہ نے کہ
جو حکیم مطلق اور مدبر کل ہے۔ اسے رحم مادر میں جاگزین کیا۔ اور
ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال پذیر کیا، تو کبھی وہ
خون محض تھا۔ اور کبھی گوشت کا لوتھڑا اور کسی وقت وہ ایسا جسم

کامل بن گیا۔ کہ جو ہڈی، گوشت۔ پوست وغیرہ اجزا سے انتہائی موزونیت
سے اور مناسبت اور طرح طرح کی حکمت و متانت کے ساتھ
ترکیب دیا گیا تھا۔ رحم مادر کی تاریکیوں میں وہ بہترین صفت کے
مواد اور انتہائی خوبصورت شکل و ھیئت پر تالیف پذیر ہوا۔
جب وہ گوشت کے لوتھڑے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا اس وقت
وہ عقل و دانش سے بالکل خالی تھا۔ اور غذا حاصل کرنے یا اپنی
تکلیف سے خود کو دور کرنے کا کوئی حیلہ وسیلہ اختیار نہیں کر سکتا
تھا۔ اگر اسے اسی حال پر چھوڑ دیا جاتا تو نہ خود اس میں یہ طاقت تھی نہ
کسی دوسرے بشر میں یہ قدرت تھی کہ ظلمت کدہ رحم میں اس کی اصلاح
کر کے اسے اس کی آخری منازل تک پہنچا دے۔ اس حالت میں جبکہ
اسے کوئی آنکھ دیکھ نہ سکتی تھی۔ اور کسی ہاتھ کو اس تک رسائی نہ ہو سکتی
تھی۔ اس حالت میں حکیم مطلق نے اپنی حکمت کاملہ سے ہڈیاں
گوشت پوست۔ آنتڑیاں وغیرہ تمام وہ اعضاء اسے عطا کر دیئے
جو اس کے لئے ضروری اور ناگزیر تھے۔ اور بقدر ضرورت غذا
کے لئے اسے اس طرح خون حیض پہنچایا۔ جس طرح پانی کے ذریعہ
ایک کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے۔ پھر اپنی قدرت کاملہ سے اس کے جسم
پر روح کا فیضان کیا۔ اور اس کے واسطے سے اس میں حس و حرکت
پیدا کر دی۔ اسی مطلب کی طرف اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے اس ارشاد
میں اشارہ فرمایا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا آخر فتبارک الله احسن الخالقین عن الباقر علیه السلام هو نفخ الروح فیه۔

"ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے ایک خالص جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ" یعنی رحم مادر" میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو خون منجمد بنا دیا۔ پھر اس خون منجمد کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر گوشت کے لوتھڑے سے ہڈیاں پیدا کر دیں۔ پھر ہڈیوں کو گوشت کی پوشاک پہنائی۔ پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اسے ایک اور صورت میں پیدا کر دیا۔ بے شک با برکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو سب سے بہتر خالق ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ" خلقا آخر" سے مراد اس میں روح کا داخل کرنا ہے۔

سے پ ۱۸ ع ۱ المومنون آیت ۱۲۔۱۳۔۱۴۔ انسان سے مراد یہاں حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے ایک خالص کردہ جوہر سے پیدا کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ واذ قال ربک للملائکة انی خالق بشرا من طین فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین پ ۲۳ ع ۵ ص۔ کہ اس وقت کا تذکرہ کیجئے۔ جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں گوندھی ہوئی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے درست کر چکوں اور

توضیح دربارۂ روح

روح وہ جوہر لطیف ہے کہ عقلاً اور علماء اس کی حقیقت کو معلوم کرنے سے عاجز اور اس کی کنہ کی تحقیق کے متعلق حیران ہو کر رہ گئے ہیں۔ باوجود بکثرت غور و غوض کرنے کے اس کی حقیقت کا نشان تک نہیں پا سکے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یعنی جسے یہ پتہ چل گیا کہ وہ اپنی حقیقت کو پہچاننے سے عاجز ہے۔ تو وہ یقیناً وہ سمجھ لے گا کہ

سے اس میں اپنا روح پھونک دوں تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم اس کے سامنے سجدہ میں گر جاؤ۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مع ان کی بیوی حضرت حوا کے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ان کی تمام اولاد کو ماں باپ کے نطفہ سے پیدا کیا۔ صرف ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ چونکہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام اور ام البشر حضرت حوا مٹی سے پیدا ہوئے۔ اس لئے انسان خاکی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ہر انسان بالآخر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی اولاد میں سے ہی شمار ہوتا ہے۔ انسان اس اعتبار سے تو خاکی ہے۔ لیکن دوسرے اعتبار سے وہ نوری بھی ہے۔ اور وہ انسان کے

وہ اپنے رب کی کنہ حقیقت کے معلوم کرنے سے بطریق اولیٰ عاجز ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب انسان اپنی ذات کے متعلق پہچان لے گا کہ وہ ایک خالق حکیم اور مدبر علیم کا پیدا کیا ہوا ہے۔ تو اپنے پروردگار کی معرفت بھی حاصل کرلے گا۔ کیونکہ آثار موثر پر اور مخلوقات خالق مدبر پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر، ہم نوع انسان کی عجائبات خلقت کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ شکم مادر میں انسان کی خلقت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی بدن اس کا مستحکم ہو گیا۔ اور گوشت و پوست اور اس قدر قوت حاصل کر چکا کہ وہ ہوا کو برداشت کر سکے۔ اور اس کی گرمی و سردی اسے ضرر اور نقصان نہ پہنچائے۔ آنکھیں روشنیوں کو دیکھنے کی طاقت حاصل کر چکیں۔ تو الہام الٰہی کے باعث وہ شکم مادر میں حرکت پذیر ہو گیا۔ اور بڑی طاقت اور سختی کے ساتھ باہر آنے کی طرف متوجہ اور مائل ہو گیا۔ جب رحم مادر کے تنگ و تاریک مقام سے جہاں دنیا کی وسعتوں اور پہنائیوں میں اس

؎ ایمان و ایقان، علم و عرفان، زہد و تقویٰ اور عمل صالح کا اعتبار ہے۔ لہٰذا جو انسان مومن و موقن۔ عالم و عارف و زاہد و متقی ہو۔ اور اعمال صالحہ اور خصال حمیدہ و اوصاف و کمالات پسندیدہ سے متصف ہو وہ جہاں خاکی ہے، وہاں نوری بھی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔

نے قدم رکھا۔ تو نئی غذا کی طرف اسے احتیاج لاحق ہوئی۔ حکیم مطلق اور مدبر کامل اکمل نے اسی کثیف خون کو شیر مادر کی ایسی لطیف غذا کی صورت میں منقلب کر دیا اور اس کے رنگ اور ذائقہ ہر دو کو بہترین صورت میں تبدیل کر دیا۔ اور اس لطیف اور شیریں غذا کو دو چھوٹے چھوٹے مشکیزوں میں بھر کر سینۂ مادر کے ساتھ آویختہ کر دیا۔ تاکہ جس وقت بھی اسے خواہش ہو اپنی خوراک کو ہر وقت مہیا اور حاضر پائے اور صرف اپنے لبوں کو جنبش دے کر پیٹ بھر لے۔ اور سیر ہو جائے۔ پھر جب تک اس کا بدن نازک،

؎ پ ۳ ع ۲ البقرہ آیت ۲۵۷ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے۔ جو ایمان اختیار کر چکے۔ وہ ان کو کفر و شرک اور فسق کی تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔ نیز فرمایا یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و آمنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ و یجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم واللہ غفور رحیم پ ۲۷ ع ۲۰ الحدید آیت ۲۸ کہ اے اظہار ایمان کرنے والو اللہ سے ڈرو اور رسولؐ خدا پر کما حقہ ایمان لاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں عطا کریگا اور تمہارے لئے ایسا نور پیدا کر دے گا۔ جس کے ذریعہ تم چلتے رہو گے۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا۔ پ ۸ ع ۲ الانعام آیت ۱۲۳ کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا۔ اور اسے ایسا نور عطا کر دیا جس کے ذریعہ

انتڑیاں کمزور و باریک اور اعضاء نرم اور لطیف تھے۔ طاقتور غذا
کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ اس وقت تک شیر مادر ہی اس کی غذا
رہی اور جب طاقت زیادہ آگئی اور دوسری غذا کی احتیاج لاحق ہوئی
تو تیز دانت اور ڈاڑھیں باری تعالیٰ عزّ اسمہ کی قدرت و حکمت
سے پیدا ہونا شروع ہوگئیں۔ تاکہ ان کے ذریعہ سخت غذا کو چبا کر

سے وہ چلتا پھرتا ہے۔ اس شخص کی مثل ہوسکتا ہے۔ جس کی حالت یہ ہے
کہ وہ تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہے۔ ان سے نکل ہی نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ
مومن خاکی ہونے کے باوجود نوری ہے۔ لیکن ایمان و تقویٰ کے چونکہ مختلف
مدارج ہیں لہذا مومنین کے نور کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ جس قدر
کسی کا ایمان و ایقان اور زہد و تقویٰ کا درجہ بلند ہے۔ اسی قدر
اس کی نورانیت زیادہ ہے۔ ہر نبی اپنی اُمت سے زیادہ نورانی ہوتا ہے۔
اور محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام سب انبیاء سے زیادہ نورانیت کے حامل ہیں
اسی لئے قرآن پاک میں ان کو نفس نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ
خاکی ہونا نوری ہونے کے خلاف نہیں۔ سب انبیاء حضرت آدم علیہ السلام
کی اولاد ہیں۔ اس لئے ان کو خاکی کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح کہ دیگر مومنین
کو خاکی کہا جا سکتا ہے۔ مگر وہ ایمان و عرفان اور تقویٰ و زہد کے
اعلےٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ اس لئے وہ نوری بھی ہیں۔ ہاں حضرت آدم
علیہ السلام کی اولاد میں سے جو کافر ہوئے وہ نوری نہیں کہے جا سکتے وہ
صرف خاکی ہیں۔ (مترجم)

نرم کرلے۔ اور اس کا حلق سے نیچے اتار دینا آسان ہوجائے۔ اور
اس طرح وہ بالتدریج جوانی اور کمالِ عقل کی منزل تک پہنچ سکے۔
پھر اگر مرد ہے تو ریش مقدس کے بال چہرے کی سطح پر اُگنے شروع
ہوگئے۔ کہ جو مردوں کی علامت اور ان کے عزت و وقار کا باعث و موجب
ہے۔ اور اس کے ذریعہ وہ بچوں اور عورتوں کی شباہت سے امتیاز حاصل
کرلیتا ہے۔ اور اگر عورت ہے تو اس کا حسین چہرہ بالوں سے خالی
اور پاک رہتا ہے۔ تاکہ اس کا حسن اور خوبصورتی باقی رہے۔ اور اس
کے طفیل مردوں کو اس کی جانب رغبت اور میلان حاصل ہو۔ اور یہ
اُمر بقائے نسل انسانی کا باعث ہو۔
لہذا ایک صاحب عقل و دانش کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ ان اُمور میں
کس قدر بلند پایہ حکمتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اور کس طرح ہر چیز کو اس
کے مناسب محل پر جگہ عطا کی گئی ہے۔ اور اس کے باوجود کیا ممکن
ہے کہ ان بے شمار حکمتوں اور لاتعداد تدابیر پر مشتمل مخلوقات بغیر
کسی خالق علیم و صانع حکیم کے پیدا ہو گئی۔ اور وجود پذیر ہو گئی ہو؟
ذرا غور تو کیجئے کہ اگر شکم مادر میں بچے کو غذا نہ پہنچتی جو کہ بحکمت الٰہیہ
خون حیض ہوتا ہے۔ تو بچہ کیا اس طرح خشک نہ ہوجاتا۔ جس طرح بغیر
پانی کے گھاس خشک ہوجاتا ہے۔ اور اگر کامل ہونے کی منزلیں طے
کرنے کے بعد ولادت کے ذریعہ بچے کو رحم مادر کی تنگ کوٹھڑی
سے باہر نہ لایا جاتا تو وہ ہمیشہ کیلئے زندہ درگور کی طرح وہیں رہ جاتا۔

اور کوئی فائدہ اور ثمرہ اس سے حاصل نہ ہو سکتا۔ اسی طرح بعد از ولادت
اگر شیر مادر کی ایسی مناسب غذا بچے کے لئے مہیا نہ ہوتی تو بھوک
کے باعث مر جاتا۔ علی ھذا القیاس اگر ایسی غذا اسے کھلانیکا اہتمام
ہوتا۔ جو اس کے بدن کے موافق اور مناسب نہ ہوتی۔ اور اس کا
جسم نازک اس کے ذریعہ صلاح پذیر نہ ہو سکتا تو بھی بچہ موت ہی کا شکار
ہو کر رہ جاتا۔ اور اگر بچے کی غذا ہمیشہ کیلئے ماں کا دودھ ہی مقرر کی جاتی
تو اس کا بدن طاقت و قوت حاصل نہ کر سکتا۔ اور اس کا انجام بھی
ہلاکت ہی ہوتی۔ اور تقاضائے حکمت پورا نہ ہو سکتا۔ علاوہ ازیں
بچہ ماں کو دوسرے بچوں کی تربیت اور پرورش کے فرائض
انجام دینے میں حائل اور مانع ہوتا۔

نیز اگر بچے کو دانت عطا نہ کئے جاتے۔ تو سخت غذا کا کھانا اس
کے لئے دشوار اور مشکل ہو جاتا۔ اور اگر ابتداء خلقت میں ہی بچے
کو عقل و فہم عطا کر دیا جاتا اور دفعتہً وہ دنیا کے اس نامعلوم و نادیدہ
عجائب گھر میں قدم رکھتا کہ خود اسے بھی اس نے پہلے نہ دیکھا تھا۔ اور اس
جیسے کسی اور عالم کو بھی نہ دیکھا تھا کہ جس میں انسانوں۔ چوپایوں
پرندوں اور آسمان اور زمین وغیرہ کی مختلف صورتیں موجود ہوں
تو وہ پریشان ہو جاتا۔ اور جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہر ہر لمحہ اور ہر ہر
گھڑی اور ہر روز اس کی حیرت اور پریشانی بڑھتی جاتی اور انتہا
تک پہنچ جاتی۔

آپ خیال فرمائیے کہ اگر کسی شخص کو قید کر کے ایک شہر سے دوسرے
شہر میں لے جائیں کہ جسے اس نے کبھی دیکھا نہ ہو اس کے رہنے
والوں کے حالات و عادات وغیرہ پر وہ کوئی اطلاع نہ رکھتا ہو ان
کی زبان کو بھی سمجھ نہ سکتا ہو تو یقیناً وہ بڑے اضطراب اور پریشانی میں مبتلا
ہو جائے گا۔ حالانکہ ایسے واقعات کثرت سے دیکھے اور سنے گئے ہیں۔

نیز اگر بچے کو عقلمند اور فہم و دانش رکھنے کی حالت میں پیدا کیا جاتا
تو اپنے مقام پر وہ اس قدر ذلت اور شرمندگی کا ادراک کرتا کہ جس
سے زیادہ ذلت و خواری کا تصور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا
چیتھڑوں میں لپٹا پڑا ہے۔ جہاں چاہتے ہیں اسے رکھ دیتے ہیں۔ اور
جدھر چاہتے ہیں اسے اٹھا لے جاتے ہیں۔ جھولے میں اسے حرکت دیتے
رہتے ہیں۔ وہ نہ کلام کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ نہ چلنے پھرنے کی قوت
رکھتا ہے۔ کلام ان کا سمجھ نہیں سکتا۔ عجیب عجیب قسم کی آوازیں اسے
سنائی دیتی ہیں لیکن ان کا کوئی معنی اور مطلب وہ نہیں سمجھ سکتا۔

اس قسم کے بکثرت فوائد اور ثمرات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوقات
میں سے ہر امر میں پنہاں اور ملحوظ و مقصود ہیں۔ کہ انسانی عقول
قاصرہ ان کے عشر عشیر کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بعض دیگر شقوں
کے فوائد کو اگر ذکر کیا جائے تو کلام طول پکڑ جائے گا۔ اس مختصر رسالہ میں
اتنی مقدار پر ہی اکتفا کرنا بہتر ہے۔ جو شخص امور کی تفصیل پر اطلاع حاصل
کرنا چاہے۔ اسے احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام کی طرف خصوصاً

حدیث مفضل اور نہج البلاغہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کیونکہ وہ سرچشمہ معارف ہے۔

جب آپ کو ان حکم و مصالح کے کچھ حصہ پر اطلاع ہو گئی کہ جو خلاق عالم نے خلقت انسان وغیر انسان زمین و آسمان وغیرہ میں ودیعت کئے ہیں۔ تو ان سے اس صانع حکیم و خالق علیم کے وجود ذیجود پر آپ کے لئے براھین ساطعہ اور دلائل قاطعہ قائم ہو گئے کہ جو مخلوقات عالم کی آلائش سے مبرا و منزہ اور احتیاج و افتقار کے شائبوں سے پاک و پاکیزہ ہے۔ ان دلائل کے طفیل آپ کو یقین حاصل ہو جائے گا کہ خالق عالم کو تمام مخلوقات سے مباینت کلیہ حاصل ہے۔ اور ہر قسم کے نقص وعیب سے وہ پاک اور مبرا ہے۔ اور آپ کی عقل سلیم یہ فیصلہ کرے گی کہ اس کے علاوہ ہو نہیں سکتا۔ کہ ان اشیاء کے خالق نے ان کے تمام فوائد و اغراض کے جاننے اور ان کے حسن و قبح کی پوری معرفت رکھنے کے ساتھ اپنی قدرت و اختیار سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ حکم لگائے گی کہ جو چیز فہم و ادراک نہ رکھتی ہو یا اختیار و قدرت رکھنے والی نہ ہو ایسا ممکن نہیں ہو سکتا کہ اس سے اس قسم کے عجیب و غریب مصنوعات صادر ہوں۔ جو اس قدر مصالح اور حکمتوں پر مشتمل ہیں حالانکہ اگر کسی انسان کو ہم اس حالت میں پائیں کہ وہ کار کتابت یا خیاطت کو انجام دے رہا ہے۔ یا کوئی تحریر ایسی دیکھیں کہ جو مختلف قسم کی خوبیوں اور محاسن پر مشتمل ہے تو اس تحریر کے لکھنے والے اور

کپڑے کے سینے والے کی زندگی اس کی معرفت و قدرت اور اس کا علم و اختیار بلاشک وشبہ قطعیات اور یقینیات میں شمار ہوگا۔ اور یہ اُمور اس کے ظاہر ترین اوصاف میں سے قرار دیئے جائیں گے۔ حالانکہ اس کے ان صفات کو صرف کتابت اور خیاطت کے ذریعہ معلوم کیا ہے۔ دیگر اس کے کسی وصف کو نہیں دیکھا تو پھر جب ہم عالم دنیا کی تمام چیزیں زمین و آسمان۔ انسان و حیوان شمس و قمر۔ شجر و ثمر وغیرہ کو دیکھ رہے ہیں جن چیزوں میں سے سب سے بڑی دلیل اور سب سے بڑا شاہد خود ہمارے نفوس ہیں۔ اور ہماری حالت کا تغیر و تبدل ہے۔ بعد ازاں ان تمام امور کا بھی ادراک کر رہے ہیں۔ جو ہم حواس خمسہ ظاہرہ۔ باصرہ سامعہ لامسہ۔ شامہ اور ذائقہ کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں۔ پھر ان اُمور کا بھی ہم علم حاصل کر رہے ہیں جن کا ادراک ہم عقل کے ذریعہ اور باطنی بینائی کے ذریعہ کرتے رہتے ہیں۔ کہ جن پہ تمام علوم کا مدار ہے۔ تو پھر ان تمام دلائل و براہین کے ذریعہ خالق عالم کا وجود اور اس کا علم و قدرت ہم پر کیوں کر ظہور پذیر نہ ہو۔

ایک کاتب کی زندگی اور اس کے علم و قدرت کا پتہ جبکہ ہم کو صرف اس کے ہاتھ کی حرکت سے چل جاتا ہے تو یہ مصنوعات و مخلوقات غیر متناھیہ ان کے پیدا کرنے والے کے وجود۔ قدرت اور علم پر کیوں نہیں دلالت کر سکتے؟ کیا ہی خوب کہا ہے۔ کہنے والے نے اثر الاقدام یدل علی المسیر۔ والبعرۃ تدل علی البعیر فسماء ذات ابراج وارض

ذات فجاج لا یدلان علی الصانع الخبیر۔؟

کہ پاؤں کا نشان چلنے " والے کے چلنے " پر دلالت کرتا ہے۔ اور اونٹ کی مینگنی اونٹ کا پتہ بتاتی ہے۔ تو پھر یہ اتنا بڑا برجوں والا آسمان اور اتنی وسیع راستے رکھنے والی زمین ان کے پیدا کرنے والے صانع علیم خبیر کے وجود پر کیوں نہیں دلالت کر سکتے۔

لیکن چونکہ انسان اپنے بچپنے کی ابتداء سے ان چیزوں کے ساتھ انس اور الفت پیدا کر چکا ہے۔ اس لئے وہ ان عجائبات کی اس دلالت اور گواہی پر آگاہ اور اس کی طرف ملتفت نہیں ہو سکتا۔ جو دلالت ان مخلوقات کی ان کے پیدا کرنے والے حکیم اور مدبر کے وجود اور اس کی قدرت وعلم پر ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ انسان جب اس وقت سے ان چیزوں کو دیکھنے لگا ہے۔ جبکہ اس کے بچپن کا زمانہ تھا۔ عقل اس کی پختہ نہ تھی شب و روز لہو و لعب اور دیگر خواہشات نفسانیہ میں وہ مستغرق رہتا تھا۔ چنانچہ اسے ان چیزوں سے انس اور الفت پیدا ہو گئی۔ اس لئے ان چیزوں کے دیکھنے سے جو راہنمائی اور رہبری انسان کو حاصل ہو سکتی تھی اس کی طرف انسان کی توجہ نہ رہ گئی۔

یہی وجہ ہے کہ اگر انسان اچانک کسی عجیب حیوان یا کسی عجیب وغریب فعل کو کہ جو خلاف عادت ہوتا ہے۔ دیکھ لیتا ہے۔ تو بڑا متعجب ہوتا ہے۔ اور بلا اختیار اس کی زبان خالق کی مدح وثنا میں

مصروف ہو جاتی۔ اور دل کمال خالق کے اعتقاد کے متعلق بڑی سرعت اور تیزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لیکن چونکہ شب و روز اپنے اعضاء اور دیگر بکثرت حیوانات کے اعضاء و اجزاء کا ملاحظہ کرتا رہتا ہے۔ اس لئے وہ ان کی اس دلالت اور رہبری سے غافل رہتا ہے۔ جو ان کے ذریعہ خالق عالم کے وجود اور دیگر کمالات پر قائم ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر بالفرض کوئی شخص کور مادر زاد یعنی نابینا پیدا ہوا اور تا حد بلوغ اور سن شعور تک وہ اسی حالت پر رہے۔ پھر دفعۃً اچانک اندھے پن کا پردا اس کی آنکھوں سے دور ہو جائے۔ اور نظر اس کی زمین۔ آسمان۔ انسان۔ چوپائے گھاس۔ پانی۔ انہار۔ اشجار۔ اثمار اور دیگر عجائبات عالم پر پڑے تو اسے خالق عالم کے کمال اور مصنوعات کے عجائبات سے خلاق عالم کے وجود اور علم اور قدرت وغیرہ پر جو دلالت قائم ہو گی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اس قدر حیران اور پریشان ہوگا کہ فرط حیرانی کے باعث اس کے دیوانہ ہو جانے اور عقل کے زائل ہو جانے کا اسے خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

دلیل دوم

موجود کے واجب وممکن کی طرف تقسیم کرنے کے ذریعہ وجود واجب الوجود پر استدلال۔"

دوسری دلیل حکماء کی دلیل ہے کہ جسے اکثر متکلمین نے بھی ذکر کیا ہے۔

یہ دلیل متعدد ایسے درست اور صحیح مقدمات پر مبنی ہے۔ جن کا سمجھنا دقت سے خالی نہیں ہے۔ اس مقام پہ۔ ہم اسی مختصر تقریر پہ اکتفا کرتے ہیں۔ جیسے حضرت مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے حق الیقین میں بیان فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر مفہوم جسے انسان تصور کرتا ہے۔ وہ تین صورتوں سے باہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ یا بذات خود بغیر کسی دوسرے امر کی طرف نگاہ کرنے اور بدون کسی علت اور سبب کا ملاحظہ کرنے کے خارج میں موجود ہونے کو چاہے گا۔ یا عدم کو چاہے گا۔ یا عدم اور وجود میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چاہے گا۔ اگر بذات خود خارج میں موجود ہونے کو چاہے تو اسے واجب الوجود کہتے ہیں۔ اور اگر بذات خود عدم کو چاہے تو اسے ممتنع الوجود کہتے ہیں۔ اور اگر بذات خود وہ نہ وجود کو چاہے نہ عدم کو بلکہ اس کی ذات کی طرف نگاہ کرنے کے اعتبار سے اس کا موجود ہونا بھی صحیح ہو سکتا۔ اور موجود نہ ہونا بھی درست ہو سکتا ہو۔ اگر اس کی علت متحقق ہو جائے تو موجود ہو جاتا ہو۔ ورنہ وہ معدوم ہوتا ہو۔ تو اسے ممکن الوجود کہتے ہیں۔

لہذا ہم کہتے ہیں کہ عالم دنیا میں بلاشک موجودات پائے جاتے ہیں اگر کہا جائے کہ یہ موجودات سارے کے سارے ممکنات میں ہی منحصر ہیں۔ واجب الوجود ان میں کوئی ہے ہی نہیں تو یہ محال ہے۔ کیونکہ فرض کیجئے وہ سب ایک مجموعی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ بمنزل شخص واحد ہیں۔ تو جس طرح کہ اس مجموعہ کے افراد بغیر علت کے موجود نہیں ہو سکتے

مثلاً زید کی جب تک علت نہ ہو اس کا موجود ہونا محال ہے۔ اسی طرح ان تمام افراد کا مجموعہ بھی بغیر علت کے موجود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس طرح افراد ممکن الوجود ہیں۔ اسی طرح ان افراد کا مجموعہ بھی ممکن الوجود ہے۔ لہذا اگر افراد تو بغیر علت کے نہ پائے جا سکیں۔ مگر مجموعہ ان افراد کا بغیر علت کے موجود ہو جائے۔ تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ جو کہ بداهتہً باطل ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا۔ مجموعہ ممکنات کے وجود کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے۔

پھر وہ علت موجود ہو گی کیونکہ جو چیز خود موجود نہ ہو۔ اس کا دوسری چیز کی علت ہونا بداہتہً محال ہے۔ نیز یہ کہ وہ علت ممکنات کے اس مجموعے سے خارج ہو گی۔ کیونکہ ممکنات جس قدر ہیں ان کا اس مجموعے میں داخل ہونا فرض کیا گیا ہے۔ اور جب علت اس مجموعہ ممکنات سے خارج ہو گئی تو لازم ہے کہ وہ واجب الوجود ہو کیونکہ ممکنات کے مجموعے سے جو موجود خارج ہو وہ واجب الوجود ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ موجودات عالم سارے کے سارے ممکن الوجود نہیں۔ بلکہ ان میں واجب الوجود بھی موجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو تمام ممکنات کی علت اور ان سب کو پیدا کرنے والی ہے۔ اور اگر کہا جائے۔ مجموعۂ ممکنات کے جو اجزاء فرض کئے گئے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے وجود کی علت ہے۔ اور مجموعۂ ممکنات کی علت ان اجزاء کی علتوں کا مجموعہ ہے۔ تو یہ بھی محال ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ان اجزاء میں سے ہر ایک کا وجود اس کی علت کے وجود کی

شرط کے اعتبار سے واجب ہے۔ بذات خود کوئی چیز واجب نہیں اس لئے تمام علتوں کے مجموعے کا عدم ممکن ہے۔ اور اس امکان عدم کے باعث مجموعہ اجزا کا عدم بھی ممکن ہے۔ ورنہ مجموعہ کا بلا علت موجود ہونا لازم آئے گا۔ جو کہ ترجیح بلا مرجح ہونے کے باعث باطل ہے۔ انتہی کلامہ اعلی اللہ مقامہ۔ بعض علماء نے اس دلیل کی تقریر کو اس طرح جاری کیا ہے۔ کہ ممکنات کی علت اگر واجب موجود ہے تو مطلب حاصل اور اگر فرض کیا جائے۔ کہ ایک ممکن کو دوسرے ممکن نے پیدا کیا ہے۔ اور واجب الوجود کوئی ہے۔ ہی نہیں تو دور یا تسلسل لازم آئے گا۔ حالانکہ دور اور تسلسل دونوں باطل ہیں۔ اور مستلزم باطل بھی باطل ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ کوئی واجب الوجود ہے۔ جس نے تمام ممکنات کو پیدا کیا ہے۔ اور ابطال دور و تسلسل کے دلائل اور براہین بڑی کتابوں میں تحریر ہیں جسے خواہش ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

دلیل سوم حدوث عالم کے ذریعہ استدلال

یہ متکلمین کی پیش کردہ دلیل ہے۔ جس کی مختصر تقریر یہ ہے کہ عالم یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی موجود ہے وہ اپنی ذات اور صفات حقیقیہ میں تغیر پذیر ہے۔ آئے دن اس میں کوئی نہ کوئی تبدیلی اور تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔ اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ عالم قدیم نہیں

حادث ہے۔ یعنی وہ نہ ہونے کے بعد وجود پذیر ہوا ہے۔ اور ہر حادث کسی ایسی ہستی کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ جو اس کا محدث، موجد اور پیدا کرنے والا ہو۔ لہذا ضروری ہے کہ عالم کائنات میں کوئی حوادث کو پیدا کرنے والی ایسی قدیم اور ازلی ہستی ہو۔ جو کسی محدث اور موجد کی طرف محتاج نہ ہو۔ بلکہ وہ بذات خود موجود ہو۔ اور ایسی ہستی واجب الوجود ہی ہو سکتی ہے۔ اور بس یہ دلیل بہت سے طولانی مباحث رکھتی ہے۔ جن کے درپے ہونا اختصار کے پیش نظر اس مقام کے مناسب نہیں۔

فصل دوم۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ آٹھ شمار کی جاتی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ قدیم ہے۔ یعنی ازلی و ابدی اور باقی ہے۔ ہمیشہ سے ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا کیونکہ اگر حادث ہو تو عدم سابق اس کے لئے ماننا پڑے گا۔ حالانکہ سابقاً ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ لہذا کسی طریقہ سے بھی عدم اور نیستی اس کے لئے ممکن نہیں۔ اور قدیم ہونے کا یہی مطلب ہے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ تبارک و تعالیٰ قادر مختار ہے کوئی ممکن اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر شئے کے موجود کرنے اور نہ کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے۔ ایسا نہیں

کہ وہ ایجاد اشیاء کے لئے مجبور اور ان کا موجب ہو یعنی تمام اشیاء اس سے اس طرح اضطرار اً صادر نہیں ہوتیں جس طرح آگ جلانے اور آفتاب روشن کر دینے میں مجبور اور مضطر ہے۔ لہذا اللہ جل شانہ فاعل بالایجاب نہیں جس طرح کہ فلاسفہ کہتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ ممکنات کو واقع کرنے سے عاجز ہے۔ کہ وہ ان کو موجود نہ کر سکتا ہو کیونکہ اضطرار اور عجز دونوں نقص ہیں۔ اور ذات پاک پروردگار ہر نقص و عیب سے پاک اور مبرا و منزہ ہے۔ لہذا اس کی قدرت ہر مقدور کو شامل ہے۔ اور اس کی طاقت و توانائی ہر جہت کے اعتبار سے کامل۔ تمام اشیاء کو اسی نے اپنی قدرت کاملہ سے خلعت وجود بخشی اور وہی ہر شئی کو خلعت وجود سے ملبوس کرتا رہتا ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے تمام اشیاء برابر ہیں۔ خواہ کوئی چیز بڑی ہو یا چھوٹی جلیل ہو یا حقیر سب مساوی حیثیت سے اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جیسے کہ حضرت جناب امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا۔ ما الجلیل[1] واللطیف والثقیل والخفیف والقوی والضعیف فی خلقہ الا سواء۔ کہ ہر شئی خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ بھاری بھرکم ہو یا ہلکی پھلکی۔ قوت و طاقت رکھنے والی ہو یا کمزور و ناتواں اس کی قدرت کے اعتبار سے تمام چیزیں اپنی خلقت میں یکساں اور برابر ہیں۔ اس کے مقدورات میں سے کم سے کمتر بھی

[1] :۔ یہ پورا خطبہ سابقاً گذر چکا ہے۔ احتجاج طبرسی طبع قدیم ص ۱۰۴ پہ صاحب بحار الانوار نے بحار کی ج ۳ ص ۲۶ طبع جدید پہ اسے نقل کیا ہے۔ ۔مترجم۔

اس کا غیر قادر نہیں۔ چنانچہ ارشاد پروردگار ہے۔[1] ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیاء لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب۔

یعنی وہ لوگ کہ جن کو تم خداوند عالم کے علاوہ اپنا معبود قرار دیتے اور ان سے دعا کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ کہ وہ سب کے سب اس مقصد کیلئے اکٹھے اور مجتمع ہو جائیں۔ اور مکھی باوجود اتنی کمزور ہونے کے اگر ان بتوں سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس نہیں کر سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں عاجز اور کمزور ہیں۔ طالب تو اس لئے کہ وہ اپنے مانگنے اور بتوں سے دعا کرنے کے ذریعہ اپنے عاجز ہونے پہ خود دلیل قائم کر رہا ہے۔ اور بت جن سے وہ دعا کر رہا ہے۔ وہ کسی بھی چیز پر قادر نہیں۔

اللہ جل شانہ کی قدرت کا تعلق ممتنعات و محالات سے وابستہ نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ محالات میں اس کی قابلیت اور استعداد نہیں لہذا یہ عدم وابستگی اس وجہ سے نہیں ہے۔ کہ قادر علی الاطلاق "العیاذ باللہ" عاجز ہے۔ درج ذیل دو حدیثوں سے اس مطلب پر دلالت ہوتی ہے۔ محمد ابن بابویہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے بسند صحیح کتاب توحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ ایک مرتبہ ابلیس لعین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا تیرا پروردگار اس پر

[1] ۔ پ ۱۷۔ الحج۔ آیت ۷۳۔ ۔مترجم۔

قادر ہے۔ کہ زمین کو مرغ کے انڈے میں داخل کر دے۔ اس طرح
کہ زمین چھوٹی نہ ہو۔ اور انڈہ بڑھنے نہ پائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نے فرمایا کہ برا ہو تیرا اے شیطان۔ بے شک خداوندِ عالم کو
عاجز نہیں کہا جا سکتا۔ اس ہستی سے زیادہ قادر ہی کون ہو سکتا
ہے۔ جو زمین کو اتنا چھوٹا کر دے کہ انڈے میں داخل ہو جائے
اور انڈے کو اس قدر بڑا کر دے کہ زمین اس کے اندر
سما جائے"۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے حضرت امیر المومنین
علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا تیرا خدا اس
پر قادر ہے۔ کہ دنیا کو مرغ کے انڈے میں داخل کر دے۔ اور
اور دنیا چھوٹی نہ ہونے پائے۔ اور انڈہ موجودہ حجم سے بڑا نہ ہونے
پائے۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عجز کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔
اور تو نے جو سوال کیا ہے۔ اس کا وجود ناممکن اور محال ہے۔ اس میں
وجود کی قابلیت اور استعداد نہیں ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ محالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق
پذیر نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عام ہونے کے خلاف نہیں۔
اور اس کے عموم میں کوئی خلل انداز نہیں ہے۔

رہے امورِ قبیحہ و افعالِ شنیعہ تو وہ اگرچہ اس کی قدرت کے تحت
داخل ہیں۔ لیکن ان کا اس کی ذات سے صادر ہونا اس کی حکمت کے

پیشِ نظر محال ہے۔

"تیسری صفت او تعالیٰ عز اسمہ عالم ہے"

اللہ تعالیٰ کو ہر شئی کا علم حاصل ہے۔ اور وہ ہر معلوم کا عالم ہے۔ خواہ وہ
شئی کلی ہو یا جزئی۔ موجود ہو یا معدوم۔ لہٰذا تمام اشیاء کے موجود ہونے
سے پہلے بھی وہ ازل سے ان کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کا یہ علم اس کے
اس علم سے اختلاف نہیں رکھتا۔ جو ان کے وجود کے بعد ہوتا ہے۔ ازل سے
وہ ہر اس شئی کو جانتا ہے۔ جس کو وہ ابد تک پیدا کرے گا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے اسناد کے ساتھ کتاب توحید میں
حسین بن بشار سے روایت کی ہے۔ کہا کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ
السلام سے سوال کیا کہ جو چیز ابھی موجود نہ ہوئی تھی کیا خداوند عالم اسے
ازل سے جانتا تھا۔ کہ وہ جب موجود ہو گی تو کیسے ہو گی۔ یا پہلے وہ اس کو
نہیں جانتا تھا۔ اس وقت اسے اس کا علم حاصل ہوا جب وہ حیطۂ
وجود میں داخل ہوئی۔ اور منصۂ شہود پر تحقق پذیر ہوئی؟ تو فرمایا کہ

سے: کلی اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو عقلاً متعدد چیزوں پر صادق آ سکے۔ اور اس
کے برعکس جزئی اس لفظ کو کہا جاتا ہے۔ جو عقلاً متعدد چیزوں پر صادق نہ آ سکے۔
بلکہ وہ صرف ایک معین شخص یا چیز پر صادق آئے۔ مثال کلی جیسے انسان۔ گھوڑا
وغیرہ۔ مثال جزئی جیسے، زید۔ ملتان۔ لاہور وغیرہ۔ (مترجم)

اللہ تعالیٰ ہر شئی کو اس کے موجود ہونے سے پہلے ازل سے جانتا ہے، پھر فرمایا تمام اشیاء کے متعلق اس کا علم ان اشیاء کو پیدا کرنے سے قبل ہمیشہ سے محقق اور قدیم سے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ جہل وغیرہ تمام نقائص سے بلند و بالا اور مبرا و منزہ ہے۔ روایت ہذا کی عربی عبارت حسب ذیل ہے۔ روی الصدوق رح فی التوحید باسنادہ عن الحسین بن یسار عن الرضا علیہ التحیۃ والثنا قال سألتہ أیعلم اللہ الشئی الذی لم یکن ان لو کان کیف کان یکون اولا یعلم الا ما یکون قال ان اللہ تعالیٰ ھو العالم بالاشیاء قبل کون الاشیاء ألی ان قال فلم یزل علمہ سابقا للاشیاء قدیما قبل ان یخلقھا فتبارک و تعالی ربنا علوا کبیرا۔

وفی الکافی[1] باسنادہ عن محمد بن مسلم عن أبی جعفر علیہ السلام قال سمعتہ یقول کان اللہ ولا شئی غیرہ ولم یزل عالما بما یکون فعلمہ بہ قبل کونہ کعلمہ بہ بعد کونہ۔

کافی شریف میں حضرت محمد بن یعقوب کلینی رحمہ اللہ نے اپنے اسناد کے ساتھ محمد بن مسلم سے روایت کی ہے، کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود

[1] ا۔ اصول الکافی، کتاب التوحید، باب صفات الذات، حدیث ۲، ج ۱ صفحہ ۱۹۵ طبع طہران ایران (مترجم)

تھا۔ جبکہ اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ سے تمام ان چیزوں کو جاننے والا تھا۔ جو آئندہ پیدا ہونے والی تھیں۔ اور ہر چیز کے پیدا ہونے سے پہلے خداوند عالم کو اس کا جو علم تھا وہ اور اس کے پیدا ہو جانے کے بعد جو اس کا علم ہے۔ وہ دونوں یکساں ہیں یعنی اس کا علم قدیم ہے، خواہ وہ اس کی ذات سے متعلق ہو یا دیگر کائنات سے وابستہ اور اس پاک پروردگار کا علم عین ذات پاک ہے۔ اس کا علم ایسی صفت نہیں جو اس کی ذات بابرکات سے زائد ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ علم ایک ایسی شئی ہے۔ جو ازل سے اس کی ذات کے ساتھ موجود تھی۔ حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ اس سے تعدد قدما لازم آتا ہے جس کا بطلان حتمی ہے۔ لہذا اس کا علم کہ جو ایک صفت کمال ہے۔ علم حصولی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ علم حصولی صورت اور ذات کے ساتھ قائم ہونے کی احتیاج رکھتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں ہو سکتی۔ اور علم اد تعالیٰ کے ذات کے ساتھ قائم ہونے سے اس کے علم کا زائد بر ذات ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ اس کا علم عین ذات ہے۔ نہ زائد بر ذات نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کا اشیاء کے متعلق علم حضوری بھی نہیں۔ کیونکہ علم حضوری عین حضور معلومات کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ازل میں جبکہ اشیاء کا وجود ہی نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ کو ان کا اس وقت بھی علم تھا۔ لیکن ان کے حاضر ہونے کا اس وقت سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ اشیاء اس وقت موجود ہی نہ

تھیں۔ حاضر کیسے ہوتیں۔؟ نیز علم باری تعالیٰ صفات فعل میں سے بھی
نہیں۔ ورنہ وہ افعال اور دیگر حوادث کی مانند حادث ہوگا۔ تو پھر لازم
آئیگا کہ معاذ اللہ ذات پاک پروردگار ازل میں عالم نہیں۔ جاہل ہو۔
حالانکہ اس ذات پاک کیلئے جہالت کسی بھی وقت ممکن نہیں۔

"ازالہ توہم اور کاظمیہ پر تعریض"

یہ وہم فاسد اور باطل ہے۔ کہ کسی شئی کے معدوم ہونے کی حالت
میں اس کا علم یہ واقع کی مخالفت ہے۔ اس لئے یہ علم نہیں کہلائے گا
اور وجہ بطلان یہ ہے کہ مخالفت واقع اس کا نام ہے۔ کہ کسی معدوم
چیز کو موجود سمجھ لیا جائے۔ برعکس اس کے کسی معدوم چیز کو معدوم ہی
سمجھنا اس کا نام مخالفت واقع نہیں۔

اور جو لوگ اشیاء سے علم خداوند عالم کے وابستہ اور متعلق ہونے
کو علم حادث قرار دیتے ہیں۔ اور اسے حضور اشیاء میں منحصر سمجھتے
ہیں۔ وہ درحقیقت مرتبہ ذات میں اللہ تعالیٰ کے لئے العیاذ باللہ
جہالت کو ثابت کرتے ہیں۔ لہذا ان کو ایمان اور اسلام سے کوئی
حصہ حاصل نہیں۔ چنانچہ شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ
جو شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی شئی کا علم اس چیز کے موجود ہونے
کے بعد ہوتا ہے۔ پہلے اس کو ان چیزوں کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا تو

وہ شخص کافر اور دائرہ توحید سے خارج ہے۔ اور حضرت مولانا محمد باقر مجلسی
علیہ الرحمہ بحار الانوار میں فرماتے ہیں کہ مذہب حق کے ضروریات میں سے ہے
یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ازلاً و ابداً کلیات وجزئیات تمام اشیاء کا عالم ہے
اور اس کے علم حقیقی میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہو سکتا۔ علامہ مجلسی
علیہ الرحمہ نے آگے چل کر کچھ کلام کے بعد فرمایا ہے۔ کہ بعض لوگوں کا مذہب
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے نہیں بلکہ اشیاء کے موجود اور واقع ہو جانے
کے بعد ان کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس اعتقاد کو ابوالحسین بصری
اور ہشام بن حکم کی طرف نسبت دی ہے۔ اور بعض روایات بھی اس
پر دلالت کرتی ہیں مگر ہمارا گمان یہ ہے کہ مذہب حق اختیار کرنے سے
پہلے ہشام کا یہ مذہب ہوگا یا نقل کرنے والے کو اشتباہ ہوا ہے۔ اور
قدمائے فلاسفہ نے باری تعالیٰ کے علم کے متعلق بڑا اختلاف کیا ہے۔ یہ
سارے مذاہب کفر صریح اور ضروریات عقل ودین کے خلاف ہیں۔ اور
براہین قاطعہ ان مذاہب کی نفی اور بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔ مجلسی
علیہ الرحمہ کا کلام ختم ہوا۔

لہذا اللہ جل شانہ کا علم اشیاء سے جو متعلق ہے۔ وہ ان اشیاء کے
حاضر ہونے میں منحصر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص اس عقیدہ
کا معتقد ہے۔ وہ دو صورتوں سے باہر اور دو حالتوں سے خالی نہیں
ہو سکتا۔ کیونکہ یا وہ تمام اشیاء کو قدیم جانتا ہوگا۔ یا حادث۔ اگر تمام چیزوں
کو وہ قدیم جانتا ہو تو تعدد قدماء کا قائل ہو جائے گا۔ حالانکہ سوائے خدا

وندِ عالم کے اور کوئی قدیم ہو نہیں سکتا۔ اور اگر وہ انہیں حادث سمجھے تو لازم آئے گا کہ تمام اشیاء کے متعلق اللہ تعالےٰ کا علم معاذ اللہ حادث ہو اور کسی چیز کو وہ اس کے پیدا ہونے اور موجود ہو جانے سے پہلے نہ جانے، اور اس سے جاہل ہو۔ تعالی اللہ عن ذلک۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ کی ذات پاک ہر قسم کی جہالت سے مبرا و منزہ اور بلند و بالا ہے۔ وہ ازل سے اپنی ذات کا علم رکھتا ہے۔ اور اپنی ساری مخلوقات کو بھی جانتا پہچانتا ہے۔ اس کا علم ان کے موجود ہونے پر موقوف نہیں کوئی شئے کسی حالت میں بھی اس پر مخفی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ وہ اپنی قدرت اور اپنے اختیار کے ساتھ ان کو پیدا ہی کس طرح کر سکتا تھا۔؟ حالانکہ اس نے ہر شئے کو اپنی قدرت و اختیار سے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اس کی ذات پاک بذات خود تمام اشیاء کے انکشاف کا منشا ہے۔ خود اس کی ذات ہی کے باعث ہر شئے اس کے لئے منکشف اور واضح ہے۔

دفع وہم

یہ وہم بھی نہ کرنا چاہیئے کہ ذات خداوندِ عالم تمام اشیاء کے مبائن ہے۔ لہٰذا ان کے لئے منشاء انکشاف کس طرح بن سکتی ہے؟ اور اس عمافقت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات جہاں دیگر تمام اشیاء کے مبائن ہے وہاں کامل بالذات بھی ہے۔ اور موجودات عالم میں سے دیگر کوئی شئے

کامل بالذات نہیں۔ لہٰذا دیگر اشیاء اگر ناقص ہونے کے باعث اپنے غیر کے لئے منشاء انکشاف نہیں بن سکتیں اور وہ حصول صورت اور اس کے واسطہ بننے کی طرف محتاج ہیں۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ذات خداوندِ عالم کہ جو ہر جہت سے کامل ہے۔ وہ بھی اپنے غیر کے لئے منشاء انکشاف نہ ہو سکے۔ حالانکہ وہ غنی مطلق ہے۔ اپنے صفات اور ذات وغیرہ کسی اعتبار سے بھی وہ محتاج غیر نہیں۔

مزید برآں یہ کہ ادلۂ عقلیہ و نقلیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حق تعالیٰ عزاسمہ بذات خود ہر چیز کا عالم ہے۔ لہٰذا اگر عقول ناقصہ کو اس کے علم کی کنہہ اور کیفیت ہر دو تک رسائی نہیں ہو سکتی تو وہ اس کے علم سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔ جس طرح کہ ذات پاک پروردگار کی کنہہ تک رسائی نہ ہونے کے باعث اس کی ذات کا انکار نہیں کر سکتے۔ اور لوح محفوظ کی تحریر وغیرہ حادث چیزوں پر جو علم باری عزاسمہ کا اطلاق ہوا ہے۔ جیسا قرآن پاک میں ہے۔ علمها عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسی[1] تو یہ اطلاق از قسم مجاز ہے۔ از قبیل حقیقت نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ کلام کا اطلاق

---

[1] پ ۱۶ ع ۱۲ طٰہٰ آیت ۵۲ کہ ان کے حالات کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، جس کی دلیل لوح محفوظ میں بھی موجود ہے۔ میرا پروردگار نہ بھولتا ہے۔ نہ بھٹکتا ہے اس آیت مبارکہ میں علم خدا کے متعلق فرمایا کہ وہ کتاب یعنی لوح محفوظ میں ہے اور ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں وہی ہے جو قلم نے لکھا۔ لہٰذا علم کا اطلاق تحریر پر ہوا کہ جو مجاز ہے، نہ حقیقت۔ اور ظاہر اً یہ مجاز حذف ہے یعنی تحریر علمها الدال علیہ فی کتاب

جو نقوش پر ہوا ہے۔ وہ بھی حقیقت نہیں مجاز ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا علم ہر شئی کو حاوی اور محیط ہے۔ یعنی اعم اور اشمل ہے۔ کوئی شئی اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ وھو بکل شئی علیم پ ۱ ع ۳ البقرہ آیت نمبر ۲۹ کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ خاک کے ذرات دریا و سمندر کے قطرات پہاڑوں کے اوزان کی ریتوں، ماشوں، درختوں کے پتوں، بیابانوں کی ریت کے ذرات کی تعداد جانوروں کے نفوس، لطائف صنائع اور دقائق بدائع سب

یعنی ان کے حالات اور اعمال کے متعلق تحریر بھی ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔ جو خداوند عالم کے علم پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ خداوند عالم کے علم ازلی وابدی کے مطابق ہے۔ غرض یہ کہ آیت مذکورہ میں بظاہر مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائمقام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان میں دال و مدلول والا علاقہ تھا تحریر دال ہے۔ اور علم باری تعالیٰ مدلول۔ لہذا لفظ تحریر حذف کر کے لفظ علم کو اس کے مقام پر قائم کر دیا گیا ہے۔ اس آیت میں اسی طرح مجاز حذف ہو گا جس طرح آیت مبارکہ واسئل القریۃ میں ہے۔ یعنی واسئل اہل القریۃ، گاؤں سے پوچھو یعنی گاؤں میں رہنے والے لوگوں سے پوچھو اس میں لفظ اہل جو کہ مضاف ہے۔ اسے حذف کیا گیا اور لفظ قریۃ جو کہ مضاف الیہ ہے۔ اسے مضاف کے مقام پر قائم کر دیا گیا۔ کیونکہ ان میں ظرفیۃ و مظروفیت والا علاقہ موجود تھا۔ نیز جیسے کہ آیت پاک وجاء ربک یعنی جاء حکم ربک میں مجاز حذف ہے کہ جس وقت تیرا رب یعنی تیرے رب کا حکم آئیگا۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ یہ تسمیۃ الدال باسم المدلول کے طریقہ پر مجاز مرسل ہے۔ (مترجم)

چیزیں اس کی ذات پہ واضح اور روشن دلائل ہیں۔ کیونکہ اسی نے ہر شئی کو اپنے ارادہ و اختیار سے اور حکمت کاملہ کے مطابق پیدا فرمایا ہے۔ اور یقینی ہے کہ جو ذات کسی چیز کو اپنے ارادہ و اختیار سے پیدا کرے اسے اس چیز کا بھی اور اس کے تمام صفات اور آثار کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ کلیہ انتہائی طور پہ واضح ہے۔ تھوڑی سی غور و فکر کرنے کو ہر عقلمند کو اس کا یقین کلی حاصل ہو جاتا ہے۔ اثبات صانع عالم کی دلیل میں اس امر کی طرف سابقاً اشارہ کیا جا چکا ہے۔

نیز اللہ جل شانہ کی ذات والاصفات مجرد ہے۔ مادی نہیں۔ اور مجرد کی نسبت اور اس کا تعلق تمام چیزوں سے مساوی طور پہ قائم ہوتا ہے اور اس کی قدرت کو بھی ہر شئی سے تعلق حاصل ہے۔ لہذا وہ ذات پاک پروردگار ہر شئی کو جاننے والی ہے۔ نیز تمام ممکنات اسی کے وجود ذی جود کا اثر ہیں۔ لہذا تمام چیزوں اور ان کے سارے کمالات کا علم اسی ذات پاک تک انتہاء پذیر ہوتا ہے۔ لہذا وہ ہستی کہ تمام علوم کا جو منبع ہے اور سارے علوم اسی سے حاصل کئے گئے ہیں۔ وہ کسی شئی سے جاہل نہیں ہو سکتی۔ نیز انیکہ جہالت نقص ہے۔ اور نقص اس کی ذات کے لئے ممکن نہیں۔ لہذا وہ ہر شئی کا علم رکھنے والا ہے۔ کوئی شئی اس سے مخفی اور مستور نہیں۔

ان مذکورہ بالا تمام دلائل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اشارہ کیا ہے۔ الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر پ ۲۹ ع ۱ الملک آیت

دہ بھلا جس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے. وہ ان کو جانتا نہیں؛ حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور واقف کار ہے. یعنی مجرد ہے. اور تمام موجودات کو اپنے لطف کامل اور رحمت شاملہ سے سرفراز کرنے والا ہے. اور سب کا حافظ وخالق اور مربی ہے. تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان کو نہ جانتا ہو حالانکہ ایک ذرہ بھر چیز بھی اس سے مخفی نہیں خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں ہو.

"چوتھی صفت اللہ جل شانہ

حیّ اور زندہ ہے"

حیات باری تعالیٰ سے مراد وہ صفت ہے جس کے باعث قدرت اور علم کے ساتھ متصف ہونا متحقق ہوتا ہے. اور اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت چونکہ ثابت ہو چکا ہے. اس لئے اس کا حیّ اور زندہ ہونا بھی یقیناً ثابت ہے.

"پانچویں صفت اللہ تعالیٰ مدرک ہے"

اللہ جل شانہ مدرک یعنی سمیع وبصیر ہے. صفات انسان میں سے

ادراک اس علم کا نام ہے. جو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے. جیسے مثلاً چکھنا. مس کرنا، سونگھنا، دیکھنا اور سننا سمع یعنی سننا اسی علم کا نام ہے. جو قوت سامعہ کے ذریعہ کسی چیز کو جاننے سے حاصل ہوتا ہے. اور بصر یعنی دیکھنا اس علم کا نام ہے. جو قوت باصرہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے. لیکن صفات الٰہیہ میں ادراک سے اور او تعالیٰ کے مدرک ہونے سے مراد یہ ہے. کہ اللہ جل شانہ ہر اس چیز کا عالم ہے. جس کا ہم حواس کے ذریعہ علم حاصل کرتے ہیں. مگر وہ ان محسوسات کے عالم ہونے میں حواس کے واسطہ اور وسیلہ کی طرف محتاج نہیں. لہذا وہ بغیر کانوں کی احتیاج کے تمام آوازوں کا جاننے والا ہے. جو بھی سنی جاسکتی ہیں. خواہ وہ بلند آوازیں ہوں. یا پست - اچھی ہوں یا بری. نیز بغیر آنکھوں کی طرف محتاج ہونے کے وہ تمام ان چیزوں کا علم رکھنے والا ہے. جو دیکھی جاسکتی ہیں. یعنی تمام اجسام کے ہر قسم کے رنگ اور شکلوں وغیرہ کو اس کا علم حاوی ہے. چونکہ سابقہ سطور میں جو دلائل بیان کئے جاچکے ہیں. ان سے اس ذات علام الغیوب کے علم کا عموم اور اس کے دائرہ کا علی الاطلاق حاوی ہونا واضح ہو چکا ہے. اس لئے اس کے مدرک ہونے یعنی سمیع وبصیر وغیرہ ہونے کی صفات پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی. نیز علم عام اور مطلق کے ثابت اور معتبر ہونے کے بعد ان مذکورہ صفات کے اثبات کی کوئی اہمیت بھی باقی نہ رہ گئی تھی. لیکن چونکہ قرآن پاک اور ارشادات معصومین ؑ ان کے اثبات سے پر ہیں. اور بڑی شدت اور کثرت سے

ان میں ان کا ذکر ہے۔ اس لئے ہمارے علماء نے بحث ادراک و سمیع و
بصیر کو مستقل اور جداگانہ طور پر تحریر کرنے کے لئے دو وجہیں ذکر
کی ہیں۔

وجہ اول

یہ ہے کہ اس بحث کو مستقل طور پر ذکر کرنے
سے حکماء کا رد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں
اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم حاصل نہیں۔ اور
اس کی دلیل وہ اپنے خیال فاسد میں یہ پیش کرتے ہیں کہ جزئیات
تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اور تغیر چیز کا علم عالم کی ذات اور صفات میں
تغیر پیدا کر دینے کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے خداوندِ عالم جزئیات
کا عالم نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس کی ذات اور صفات میں تغیر کا واقع ہو
جانا لازم آئے گا۔ جو کہ قرین صواب نہیں۔
مگر فلاسفہ کا یہ گمان باطل ہے۔ کیونکہ تغیر معلوم کی وجہ سے عالم کی ذات
وصفات کا متغیر ہونا ضروری نہیں۔ جیسا کہ محقق طوسی علیہ الرحمہ نے فصول
میں تصریح فرمائی ہے کہ تغیر معلوم کے باعث ذات عالم کسی بھی اعتبار
سے متغیر نہیں ہو سکتی۔ رہی صفت علم کہ جو اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقی ہے۔
یعنی ما بہ الانکشاف۔ یعنی جو انکشاف کا باعث ہوتی ہے۔ تو یہ صفت
عین ذات باری ہے۔ اس میں تغیر کا امکان ہی نہیں۔ اور علم کا جو معنی اضافی
اور نسبی ہے۔ اس میں تغیر کا واقع ہونا اسی طرح کسی ضرر اور نقص کا
باعث نہیں ہے۔ جس طرح کہ صفات فعل میں تغیر کا واقع ہونا کسی نقص

کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اور بعض اوقات علماء اسے تغیر تعلق سے تعبیر کرتے
ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں علم خداوندِ عالم متغیر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ علم کا تعلق
متغیر ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار میں فرمایا
ہے کہ مذہب شیعہ کے ضروریات میں سے یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل
سے ابد تک ہر شئی کا عالم ہے۔ خواہ وہ کلیات ہوں یا جزئیات۔ اور اس
کے علم میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہو سکتا۔

وجہ دوم

ان صفات کو جداگانہ اور مستقل طور پر تحریر
کرنے کی یہ ہے کہ جو اعمال انسان کے لئے مورد
تکلیف ہیں۔ ان میں اکثریت ان اعمال کی ہے
جو از قبیل مسموعات اور مبصورات ہیں۔ اس وجہ سے صفت سمیع و
بصیر کو مستقل طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس بحث کو گناہوں
سے بندوں کو باز رکھنے، سرزنش کرتے اور اطاعت پروردگار کی رغبت
دلانے میں زیادہ دخل ہے۔ اور اسے زیادہ قرب حاصل ہے۔

مسئلہ بدا اہل سنت کی طرف سے شیعہ پر بہتان

جب یہ ثابت اور ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام کلیات و جزئیات کا بھی
عالم ہے۔ اور ان کے نتائج و انجامات کا بھی ان کے وقوع پذیر ہونے سے

قبل ہی عالم تھا تو پھر جاننا چاہیئے کہ لفظ بدأ کا لغوی معنی کسی رائے میں خطاء کے ظاہر ہونے اور اسکے باعث اس میں ندامت اور پشیمانی کے لاحق ہونے کی وجہ سے اس رائے میں تغیر اور تبدیلی واقع ہو جانا اور دوسری رائے کی طرف عدول کر لینا ہوتا ہے۔ اور اس معنی میں بدا خداوند عالم کے لئے محال ہے۔ مگر اہل سنت اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کو متہم کرتے ہیں کہ شیعہ اثنا عشریہ خداوند عالم کے متعلق مذکورہ معنی میں بدا کے قائل ہیں۔ حالانکہ شیعہ کا دامن اس داغ سے پاک اور صاف ہے۔

ہاں شیعہ جس معنی میں بدا کے قائل ہیں وہ ہے۔ نسخ تشریعی اور نسخ تکوینی نسخ تشریعی یعنی اختلاف مصالح اور اختلاف ازمان و اوقات کے باعث احکام شریعت کو تبدیل کرنا اور نسخ تکوینی یعنی عالم کون و ایجاد میں مارنے زندہ کرنے معدوم کرنے اور پیدا کرنے کے ذریعہ تبدیلی واقع کرنا جیسے اللہ تعالے کا ارشاد ہے کل یوم ہو فی شان ۲۷ پ الرحمٰن آیت ۲۹ کہ وہ ہر روز "ہر وقت" ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔ جس چیز میں وہ مصلحت نہیں دیکھتا اسے ترک کر دیتا ہے۔ کبھی موت واقع کرتا ہے۔ کبھی مریض کر دیتا ہے۔ کبھی صحت و تندرستی مرحمت فرماتا ہے ہر وقت اپنی مصلحت کے مطابق بندوں کے مصالح کو انجام دینے میں مصروف اور کارفرما ہوتا ہے۔ لاریب کہ بدا کا یہ معنی صحیح اور درست ہے۔ کسی قسم کا کوئی نقص اور کوئی خرابی اس میں نہیں ہے۔

لوح کی دو قسمیں

نیز آیات اور بہت سے اخبار معصومین علیہم السلام دلالت کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے دو لوحیں پیدا فرمائی ہیں۔ جن میں اس نے تمام کائنات اور حوادث " کے حالات " کو ثبت فرمایا۔ اور تحریر کرا دیا ہے ان میں سے ایک کا نام لوح محفوظ ہے۔ جس میں بحکم خدا جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہو سکتا۔ اور وہ علم الٰہی کے عین مطابق ہے۔

دوسری لوح سے مراد لوح محو و اثبات ہے۔ اس میں بحکم الٰہی مصالح و حکم کے مطابق کچھ چیزیں ثبت کی جاتی ہیں جن میں سے بعض کو بعض اوقات محو کر دیا جاتا ہے اور دوسری بعض کو ان کے مقام پر ثبت کر دیا جاتا ہے

چنانچہ ارشاد قدرت ہے یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہٗ اُم الکتاب پ ۱۳ الرعد آیت نمبر ۳۹ کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے محو کر دیتا اور جسے چاہے ثبت کر دیتا ہے۔ اور اس کے پاس ہے۔ اصل کتاب مثلاً پہلے کارکنان قضا و قدر اس میں لکھتے ہیں کہ زید کی عمر پچاس سال ہو گی یعنی جب تک کہ اس سے کوئی ایسا عمل رونما نہ ہو جو عمر کی زیادتی یا کمی کا سبب ہو۔ اس وقت تک مقتضائے مصلحت یہ ہے۔ کہ اس کی عمر پچاس برس ہو گی۔ پھر جب کوئی ایسا کار خیر اس سے صادر ہو جاتا ہے۔ جو عمر کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً صلہ رحمی یا رسول مختار کی ذریت پاک

دآل اطہار کا احترام واکرام اور ان کی حاجت روائی کے ذریعہ جناب رسالت مآبؐ کی رشتہ داری کے لحاظ اور پاسداری کا مظاہرہ کرتا یا مومنین ابرار میں سے مساکین پر تصدق کرتا اس سے رونما ہو جاتا ہے، تو پچاس سال کی عمر محو کر دی جاتی۔ اور اس مقام پر مثلاً ساٹھ سال کی عمر ثبت کر دی جاتی ہے۔ اور برعکس اس کے اگر کوئی شخص قطع رحمی کرتا ہے۔ یا مومنین و سادات کے حقوق اعزاز واکرام وغیرہ کی پاس داری نہیں کرتا۔ تو بجائے پچاس کے اس کی عمر چالیس سال لکھ دی جاتی ہے۔ دس سال اس کی عمر میں کمی واقع کر دی جاتی ہے۔ یہ تو ہے لوح محو و اثبات کی کیفیت لیکن لوح محفوظ میں ابتداء سے ہی یہ لکھ دیا گیا ہے۔ کہ زید صلہ رحمی بجا لائے گا۔ اور اس وجہ سے اس کی عمر از جانب خداوند عالم ساٹھ سال لکھی جاتی ہے۔ یا عمرو کی عمر اس وجہ سے چالیس سال مقرر کر دی جاتی ہے کہ وہ قطع رحمی یا اس کی مثل کوئی دوسرا بدعمل بجا لائے گا۔ جس طرح کہ ایک حاذق طبیب جب کسی شخص کے مزاج کی حالت پر اطلاع حاصل کر لیتا ہے تو وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس شخص کا مزاج یہ تقاضا کر رہا ہے کہ اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی پھر جب زہر پی لینے یا قتل ہو جانے کے باعث اس کی عمر ساٹھ سال سے کم ہو جاتی ہے یا برعکس اسکے ایسی دوا کھانے کے باعث اسکی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہو جاتی ہے جو اس کے مزاج کو قوت اور طاقت دینے کا باعث ہوتی ہے۔ تو ان ہر دو صورتوں میں ارباب عقل یہ نہیں کہتے کہ طبیب نے غلط کہا تھا۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ بدا سے مراد لوح محو و اثبات میں درج کردہ تقدیر کی تبدیلی اور تغیر ہے

اور یہ تغیر چونکہ لفظ بدا کے لغوی معنی سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اس پر لفظ بدا کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ لیکن بدا کا اس معنی پر اطلاق کسی خرابی اور اعتراض کا باعث نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک اور مبرا و منزہ ہے۔ کیونکہ اس اطلاق کے ذریعہ لفظ بدا سے جو معنی مراد لیا جاتا ہے۔ اور مقصود ہوتا ہے۔ وہ شیعہ و سنی ہر دو فریقین کے اس طرح کے مسلمات سے ہے۔ کہ اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔

لوح محو و اثبات کی غرض و غایت

لوح محو و اثبات کی غرض و غایت اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ انبیاء و اوصیاء جب اس لوح کے مندرجات اور اس کی تبدیلیوں کے متعلق بندگان خدا کو خبر دیں گے، اور ان کو مطلع کریں گے۔ تو ان کو اس کا علم حاصل ہوگا کہ ان کے اعمال حسنہ ان کے امور اور معاملات کی اصلاح میں اس قدر تاثیر رکھتے ہیں اور ان کے بد اعمال ان کے معاملات کو بگاڑنے اور فاسد و خراب کر دینے میں کس قدر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تو اس کے باعث وہ عمل خیر اور نیکو کاری کی طرف راغب ہوں گے۔ اور بدکاری اور بداعمالی سے باز رہیں گے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

فلولا[1] کانت قریۃ آمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس
فلما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا و
متعناھم الی حین۔ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو شہر نینوی کی طرف مبعوث فرمایا
اہل نینوی نے ان کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلانے پر اصرار کیا تو
حضرت یونسؑ نے ان سے کہا کہ تین دنوں میں عذاب نازل ہو جائے گا
اور بعض کا بیان ہے کہ فرمایا کہ چالیس روز میں نازل ہو جائے گا جب
عذاب کا وقت قریب آیا تو آسمان سیاہ بادل اور دھوئیں سے پر
ہو گیا اور وہ زمین پر اتر آیا تا آنکہ رستے تاریک ہو گئے۔ تو اہل نینوی

---

[1] پ ۱۱ ع ۱۶ یونس۔ آیت ۹۸ (ترجمہ) جن بستیوں کو ہلاک کیا گیا ان میں
سے کوئی بستی نزول عذاب سے پہلے ایمان کیوں نہ لے آئی کہ اسے اس
کا ایمان لانا نفع پہنچاتا سوائے قوم یونسؑ کے کہ وہ قبل از نزول عذاب ایمان
لے آئے تھے۔ چنانچہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اس دنیا کی زندگی
میں ان سے رسوائی کے عذاب کو برطرف کر دیا۔ اور ان کو ایک مدت تک چین
سے زندگی بسر کرنیکا فائدہ پہنچایا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یونسؑ نے لوح محو
و اثبات میں مندرجہ عذاب سے ان کو مطلع کیا تو بالآخر وہ توبہ گار ہوئے۔ ایمان لائے۔ عاجزی و
زاری کی تو آیا ہوا عذاب ان سے ٹل گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اعمال انسانیہ کے طفیل احکام الٰہیہ میں تبدیلی
اور تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔ حضرت یونسؑ نے عذاب کے متعلق جو خبر دی تھی وہ لوح محو و اثبات کے
مندرجات سے تھی اور اس خبر کا فائدہ یہ ہوا کہ آیا ہوا عذاب ٹل گیا۔ (مترجم)

نے توبہ کی اور حضرت یونسؑ کو تلاش کرنے لگے۔ مگر وہ انہیں نہ پا سکے۔ تو ان
کو یقین ہو گیا کہ حضرت یونسؑ نے سچ کہا تھا۔ اور یہ وہی عذاب ہے۔ جس کا
حضرت یونسؑ نے وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے موٹے کپڑے پہن لیے۔ اور اپنی
عورتوں اور حیوانات کو صحرا کی طرف لے گئے۔ اور بچوں کو ان کی ماؤں
سے الگ کر دیا۔ اور گریہ و زاری کی آوازیں بلند کر کے توبہ کا اظہار کیا۔ اور
ایمان کا مظاہرہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کو ان کی اس حالت پر رحم آیا۔ اور عذاب
کو ان سے برطرف کر دیا۔ کلام بیضاوی کا ماحصل ختم۔

ایک حدیث میں وارد ہے۔ کہ ایک روز حضرت عیسیٰؑ کا ایک قوم
سے گذر ہوا جو ایک دلہن کو آراستہ کر کے اس کے شوہر کے گھر کی طرف
لئے جا رہے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے
عرض کیا کہ یہ فلاں عورت ہے۔ جو فلاں شخص کی لڑکی ہے۔ اس کی اس
کے خاوند سے شادی کر دی گئی ہے۔ اور اسے شوہر کے گھر لئے جا رہے
ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ آج تو اسے خوشی و حشمت سے لئے جا رہے
ہیں مگر کل اس پر گریہ و بکا کریں گے۔ اور اسے روئیں گے۔ اس قوم میں
سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ کس امر کی وجہ سے اسے روئیں گے
تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دلہن شب کو مر جائے گی۔ مومنین
نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ لیکن منافقین نے کہا کہ شب
کا بیشتر حصہ تو گذر گیا، ابھی قریب ہی صبح ہونے والی ہے۔ لہٰذا یہ
پیشگوئی قرین صواب معلوم نہیں ہوتی۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے

دلہن کو اپنی حالت پر صحیح سالم پایا۔ لوگ دوڑتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئے کہ حضور! وہ تو زندہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یفعل ما یشاء۔ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آئیے دلہن کے پاس جائیں اور حقیقت حال کو اس سے دریافت کریں کہ کون سا عمل اس سے سرزد ہوا ہے۔ جو دفع بلاء کا باعث ہو گیا۔

جب اس کے دروازہ پر پہنچے اور دق الباب کیا تو دولہا باہر آیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس سے کہا کہ اپنی زوجہ سے اجازت طلب کیجئے کہ ہم اس کے پاس آکر اس سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ شوہر نے اپنی زوجہ مذکورہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ دلہن نے اپنا سر چہرہ نقاب سے پردہ پوش کر لیا۔ حضرت عیسیٰؑ اس کے گھر تشریف لے آئے۔ دلہن سے دریافت کیا کہ آج رات کون سا عمل تجھ سے صادر ہوا۔ دلہن نے کہا کہ اور تو میں نے کوئی عمل نہیں کیا۔ ہاں وہی عمل کیا ہے، جو سابقاً کیا کرتی تھی شب جمعہ ہمیشہ ایک فقیر میرے دروازے پر آتا تھا۔ میں اسے کوئی نہ کوئی چیز دے دیا کرتی تھی امشب کہ جو شب جمعہ ہی تھی اور میری عروسی شادی کی بھی یہی رات تھی میں اپنے معاملات میں مشغول تھی۔ اس طرح میرے اہل خانہ میں سے بھی ہر شخص اپنی اپنی کارگزاری میں مصروف تھا۔ وہ سائل جب دروازہ پر آیا۔ اور سوال کیا تو کسی شخص نے اسے جواب نہ دیا۔ تا آنکہ اس نے کئی مرتبہ اپنی صدا اور آواز کو بلند کر کے سوال کیا تو اس کی آواز میرے کان میں پڑ گئی۔ تو میں ہر شخص سے اپنے آپ کو چھپائے اور پوشیدہ رکھتے

ہوئے اٹھی اور اس سائل کو میں نے حسب معمول کوئی چیز دے دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر اس سے فرمایا کہ اپنی جگہ سے اٹھو جب وہ اٹھی تو اس کے کپڑوں کے نیچے ایک سیاہ رنگ کا سانپ پڑا تھا جس نے اپنی دم کو دانتوں میں پکڑ رکھا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس صدقہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس بلاء کو تجھ سے برطرف کر دیا۔ جو تو نے آج شب کو دیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل پورے بسط کے ساتھ صوارم الالٰہیات میں مرقوم ہے جسے خواہش ہو اس کی طرف رجوع کرے۔

چھٹی صفتِ اللہ جل شانہٗ مرید اور کارہ ہے

واضح باد کہ افعال اختیاریہ فاعل مختار کے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے۔ تو لازم ہے کہ اس کے افعال بھی اس کے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوں۔ اور مرید کا یہی معنی ہے کہ وہ اپنے افعال اپنے ارادہ و اختیار سے واقع کرتا ہے۔ لیکن بندوں کا جو فعل ان کے اختیار سے صادر ہوتا ہے۔ اس کی صورت اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ پہلے وہ اس کا تصور کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگر اسکا فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ تو اسے وہ اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔ اور اس کی خواہش کرتے ہیں۔

یعنی ان کے دل میں اس کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ سب

چیزیں فعل کو واقع کرنے کے لئے محرک اور داعی بنتی ہیں۔ تا آنکہ معاملہ عزم بالجزم تک پہنچتا ہے۔ اور اس کو ارادہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ارادۂ خداوند عالم کے اطلاقات

ارادۂ خدا کا اطلاق چند معانی پر واقع ہوا ہے۔ اوّل علم مصلحت کہ جو فعل کو ترک پر ترجیح دینے کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ متکلمین امامیہ نے بیان فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بعض اوقات اس قادر مختار سے افعال کا صادر ہونا۔ اور بعض دیگر اوقات و ازمنہ میں ان افعال کو ترک کر دینا۔ اور ایک وقت میں ایک چیز کو خلعت وجود سے آراستہ کرنا اور دوسرے وقت میں موت اور فنا کے ذریعہ اس خلعت کو اتار لینا یقیناً یہ مصالح کے علم پر مبنی ہے۔ وہ حکیم مطلق ہر چیز کو مصلحت کے مطابق عمل میں لاتا ہے۔ اور جب مصلحت کسی چیز کے اعدام کی مقتضی ہوتی ہے۔ تو اسے معدوم کر دیتا ہے۔ کیونکہ فعل حکیم کبھی حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم عین ذات پاک پروردگار ہے۔ بایں معنی کہ تمام اشیاء کو ان کے پیدا کرنے سے بھی پہلے پہچانتے اور ان کا علم حاصل کرنے کے لئے خود اسی کی ذات پاک کافی ہے۔ اور ان کے پیدا کرنے کے بعد بھی ان کے علم کے متعلق خود اس کی ذات ہی کافی ہے۔

نیکی بدی وغیرہ کوئی چیز اس کی ذات والاصفات سے مخفی اور مستور نہیں ہے۔ لہٰذا ہر چیز کی مصلحت کو وہ بذات خود جانتا ہے۔ اور اس کا یہی علم ہی اس کے لئے فعل اور ترک کا داعی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پاک پروردگار کا ارادہ ایسی صفت نہیں ہو سکتی کہ جو ظرف اتصاف میں موجود ہو۔ اور جس طرح کہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کے متعلق اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسی طرح ارادہ بھی ایک ایسی صفت پاک پروردگار ہو۔ جو کہ زائد بر ذات باری ہو۔ کیونکہ اہل سنت کا یہ اعتقاد قرین صواب نہیں۔ لہٰذا ارادۂ خدا سے مراد مصلحت کا علم ہے۔

ارادہ کا دوسرا اطلاق نفس فعل پر

ارادہ کا اطلاق دوم نفس فعل پر ہوتا ہے جیسا کہ اکثر روایات سے سمجھا جاتا ہے۔ صفوان بن یحییٰ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمیں مطلع فرمائیے۔ کہ ارادۂ خدا کس چیز کا نام ہے۔ اور بندوں کا ارادہ کیا چیز ہے۔ فرمایا کہ مخلوق کا ارادہ وہ امر ہے۔ جو اس کے دل میں خطور کرتا ہے۔ اور جس کے فعل کے بعد ازاں اس کی رائے اس کے ذہن میں قرار پکڑتی ہے۔ اور خدا کا

ے اصول الکافی۔ کتاب التوحید۔ باب الارادۃ من صفات الفعل وسائر صفات الفعل حدیث ۳ ج ۱ ص ۱۰۹ طبع طہران۔ (مترجم)

ارادہ پیدا کرنا اور کسی چیز کو وجود میں لانا ہے۔ اور بس ارادہ کا یہ دوسرے اطلاق والا معنی پہلے معنی کے منافی نہیں کیونکہ پہلا معنی یعنی مصالح و مفاسد کے متعلق علم الٰہی دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ ثابت ہے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام نے علم خداوند عالم کے عموم کو شافی بیانات کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ لہذا حضرت امام عالی مقام کی غرض یہ ہے کہ بندوں کا ارادہ ایک ایسا حقیقی وصف ہے، جو حادث ہوتا ہے۔ اور ان کی ذاتوں اور ان کے افعال کے درمیان واسطہ اور متوسط ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بندوں کے ارادہ کی مثل ایسا وصف حقیقی نہیں جو حادث ہوتا ہو اور نہ ہی وہ ذات خدا اور اس کے فعل کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ بلکہ نفس فعل خداوند عالم بمنزل اس کے ارادہ کے ہے۔ اور علماء نے جہاں ارادہ خدا کے قدیم ہونے کی نفی کی ہے۔ وہاں ارادہ سے مراد انہوں نے ایسی صفت لے کر اس کی نفی کی ہے۔ جو صفت زائد بر ذات ہوتی۔ اور یہ وجود زائد موجود ہوتی ہے۔ جس کے کہ اہل سنت قائل ہیں۔ اس علم و ارادہ کی انہوں نے نفی نہیں کی۔ جو ذات باری تعالیٰ کا عین ہے۔ جو کہ شیعہ اثناء عشریہ کا مسلک ہے۔ اور قرین صواب ہے۔

ارادۂ خداوند عالم کا تیسرا اطلاق

کسی چیز کے فعل یا ترک میں جو بالفعل مصلحت ہوتی ہے۔ اس کے علم پر

ارادہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر شئی کے حالات کو جانتا ہے۔ اس لئے وہ ہر وقت ان کے تغیرات پر مطلع ہے۔ وجود کے وقت میں وہ ہر چیز کو موجود جانتا ہے۔ اور عدم کے وقت میں وہ اس کے معدوم ہونے سے آگاہ ہے۔ صحت کی حالت میں وہ صحت کو جانتا ہے۔ اور مرض کی حالت میں وہ بیماری کا علم رکھتا ہے۔ کوئی چیز کسی حال میں بھی اس سے مخفی نہیں۔ اور یہ تعلقات اور اضافات صفات فعل کی طرح فعل کے ساتھ ساتھ حادث اور پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا یہ علم اللہ تعالےٰ کے علم قدیم کے مغائر اور اس سے جداگانہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ابن حمید[1] نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مرید ہے۔ یا ایسا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ سے عالم تو ہے لیکن مرید وہ اس وقت ہوتا ہے، جب کہ مراد بھی اس کے ساتھ متحقق اور موجود ہو۔ درج ذیل آیت مبارکہ کا یہی معنی اور مفاد ہے۔

[2] ان یشا یذھبکم ویأت بخلق جدید۔ نیز اس ارشاد پروردگار

---

[1] - اصول الکافی ج ۱ ص ۱۹۹ - حدیث ۲۰ (مترجم)

[2] - پ ۱۳ ع ۱۶ ابراہیم آیت ۱۹ پ ۲۲ ع ۱۵ - فاطر آیت ۱۶۔ اگر وہ چاہے تو تم کو "پردہ عدم میں" لے جائے۔ اور نئی مخلوق "بکتم عدم سے وجود میں" لے آئے اس آیت میں موجودہ مخلوق کو فنا کرنے اور نئی مخلوق کے پیدا کرنے کو شرط مشیت پر مبنی کیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایسا کرے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس مشیت اور ارادہ سے مراد علم قدیم نہیں۔ اور نہ ہی اس سے مراد نفس فعل ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ اگر

کا بھی یہی مقصد ہے۔ انما امرہ اذا اراد شیأ ان یقول لہ کن فیکون۔
نیز ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا بھی یہی مطلب ہے۔ جس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے متعلق بہتری چاہتا ہے۔ تو اس کے دل کے اندر ایک نورانی نکتہ پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے کانوں کی کھڑکیاں کھول دیتا ہے۔ کیونکہ جزاء کا شرط پر معلق ہونا ان کی باہم مغایرت اور ان کے حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا اس قسم کے نصوص میں ارادہ سے مراد نہ علم قدیم ہے۔ اور نہ نفس فعل و ایجاد بلکہ مصلحت ایجاد کے ساتھ علم کا متعلق ہونا مراد ہے۔ اور چونکہ ایک لفظ کے معانی متعدد ہو سکتے ہیں۔ لہذا ارادہ کے ان معانی میں باہم کوئی منافات نہیں ہے اور ارادۂ خدا کے یہ تمام معانی اس وقت کے اعتبار سے ہو سکتے ہیں۔ جب اس کے

اس مخلوق کے فنا کرنے اور نئی کے پیدا کرنے میں اسے مصلحت معلوم ہو تو وہ ایسا کر دے گا۔
لہذا یہاں ارادہ سے مراد مصلحت ایجاد و اعدام سے علم کا متعلق ہونا ہے۔ (مترجم)

[۱] :- پ ۲۳ ع ۵ یسین آیت ۸۲ اس کی شان تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو "پیدا کرنا" چاہتا ہے۔ تو وہ اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔
اس آیت میں بھی اذا شرطیہ ظرفیہ کے بعد لفظ "ارادہ" کو ذکر فرمایا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس ارادہ سے بھی مراد علم قدیم نہیں۔ اور نہ ہی نفس فعل مراد ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ جب اسے کسی شئی کے پیدا کرنے میں بالفعل مصلحت موجود ہونے کا علم ہوتا ہے۔ البتہ "کن" کہنے سے مراد عین فعل اور نفس ایجاد ہے۔ جیسا کہ تفسیر صافی صہ ۳۸۶ میں بحوالہ کتاب العیون مرقوم ہے۔

ارادہ کا تعلق خود خداوند عالم کے افعال سے ہو۔ اور جب اس کے ارادہ کا تعلق بندوں کے افعال سے ہو تو اس کا اطلاق بھی چند وجوہ پر ہوتا ہے۔

بندوں کے افعال سے متعلق ارادۂ خدا کے معانی

اوّل :- یہ کہ اللہ تعالےٰ بندوں سے اطاعت کا ارادہ کرتا ہے۔ ان کی معصیت اور نافرمانی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ اس سے کراہت کرتا ہے۔ اور اس مقام میں ارادہ سے مراد اس کا امر اور حکم ہے۔ اور کراہت سے مراد گناہوں سے نہی کرنا اور روکنا و منع کرنا ہے۔

دوم :- احادیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ عالم میں جو کچھ واقع ہوتا ہے۔ وہ اس کے ارادہ اور مشیئت سے واقع ہوتا ہے۔ اور اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ اس کے علم کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔ کہ علم اللہ تعالیٰ نے جس کا احاطہ نہ کیا ہو۔ قال[۱] الصادق ؑ شاء اللہ ان لا یکون شئی الا بعلمہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، کہ اللہ تعالےٰ کی مشیئت یہ ہے کہ کوئی شئی اس کے علم کے بغیر نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ ارادہ اس قسم کے مقام میں عدم منع کے معنوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر خداوند عالم بندوں کو ان کے افعال کے صادر کرنے

[۱] :- اصول الکافی ج ۱ صہ ۲۶۸، ۲۸۰۔

سے مانع ہو تو پھر کس کی یہ طاقت ہو سکتی ہے، کہ وہ خلاف منشاء خدا کر دے؟ حالانکہ اس کے حکم کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔ اور بعض اوقات اس ارادہ سے مقصود تسہیل[1] و تمکین[2] اور تخلیہ[3] ہوتا ہے۔ اور کسی چیز کو اسی حالت پر باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے، جس پر وہ پہلے تھی، اور یہ تمام معانی

---

[1] :۔ تسہیل آسان کر دینا۔

[2] :۔ تمکین " قادر کر دینا۔

[3] :۔ تخلیہ موانع کو دور کر دینا۔

عن الرضا علیہ السلام کن منہ صنع وما یکون بہ المصنوع۔ کہ اللہ تعالے سے لفظ کن لفظی صورت میں صادر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی جانب سے کن کا صدور نفس فعل ہے اور وہ امر ہے۔ جس کے ذریعہ مصنوع اور مخلوق موجود ہو جاتا ہے۔ نیز بحوالہ کتاب نہج البلاغہ تفسیر صافی تک ہی بعد کو مرقوم ہے۔ انما کلامہ سبحانہ فعل منہ انشاء۔ قال یقول ولا یلفظ ویرید ولا یضمر وقال یرید بلا ھمۃ۔ حضرت جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام " الفاظ نہیں ہوتے بلکہ وہ " فعل ہوتا ہے۔ جس سے کسی چیز کی پیدائش ہوتی ہے۔ نیز حضرت جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ مگر الفاظ نہیں بولتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا کہنا لفظوں کے ذریعہ متحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا قول نفس فعل ہوتا ہے۔ اور ارادہ کرتا ہے۔ لیکن قصد کرنے کے ذریعہ نہیں یعنی اس کا ارادہ عین فعل ہوتا ہے۔ یا مصلحت فعل کے علم کا نام ہے۔ جناب حضرت امیرؑ اور حضرت امام علی رضا علیہما السلام کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو ہو جانے کا حکم دیتا ہے۔ تو اسے لفظ " کن ،،

آپس میں تو ایک دوسرے کے متقارب ہیں لیکن علم کے متغائر ہیں۔

چنانچہ بکیر بن[1] اعین سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ علم خدا اور اس کی مشیئت کیا آپس میں مختلف ہیں یا یہ دونوں باہم متحد ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ علم عین مشیئت نہیں ہے۔ یعنی علم مشیئت حادثہ نہیں ہے، نیز یہ معنی ارادہ بمعنی عین فعل کے بھی متغائر ہے۔ کیونکہ حضرت نے اسی روایت مذکورہ کے تتمہ میں فرمایا کہ کیا تو یہ خیال نہیں کرتا کہ تو کہتا ہے۔ ساُفعل کذا انشاء اللہ۔ کہ انشاء اللہ میں ایسا کروں گا، اور تو یوں نہیں کہتا۔ ساُفعل کذا ان علم اللہ کہ میں" ان علم اللہ " ایسا کروں گا۔ پس تیرا " انشاء اللہ " کہنا اس کی دلیل ہے۔ " انہ لم یشاء " کہ اس کی مشیئت متحقق نہیں ہوئی فاذا شاء کان الذی شاء کما شاء۔ جب اللہ تعالے چاہے تو پھر اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح کہ اس کی مشیئت ہوتی ہے۔ وعلم اللہ سابق للمشیئۃ کہ اللہ تعالیٰ کا علم مشیئت سے سابق ہے۔ اس بیان سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اظہار عجز کے لئے اور اپنے تمام امور کو مشیئت ایزدی کے سپرد

کہنے کی احتیاج نہیں ہوتی بلکہ اس کا کن عین فعل اور نفس ایجاد ہے۔ لہذا وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ خداوند عالم جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو جناب امیرالمومنین ؑ اس کی طرف سے " کن ،، کہتے ہیں۔ (مترجم)

[1] اصول الکافی ج ۱ صفحہ ۲۰۰ کتاب التوحید باب الارادہ انہا من صفات الفعل۔ حدیث ۲۔

کرنے کیلئے ان مباحات کے متعلق بھی ان شاء اللہ کہنا مستحسن ہوتا ہے
جو طاعات کے شمار میں نہیں ہوتے۔

سوم مشیئت الجائی

اللہ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ [1]ولو شاء اللہ لھدیکم اجمعین۔ اس
آیت میں مشیئت سے مراد مشیئت الجائی ہے۔ یعنی اگر
اللہ تعالیٰ چاہتا کہ لوگ خواہ مخواہ ہدایت پالیں۔ اور راہ راست پر آجائیں
تو طوعاً یا کرھاً بہر حال سب کے سب ایمان لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ کو
اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان مقصود ہے تاکہ لوگوں کی نگاہ میں
نیک برے سے ممتاز ہو جائے۔ اور فرمانبردار، نافرمان سے امتیاز حاصل
کرے۔ لہذا اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت اور اطاعت پر مجبور نہیں کرتا۔
ورنہ اچھے برے کی شناخت نہ رہتی اور ان کا باہمی فرق معلوم نہ ہو
سکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی صورت اور ایسے طریقہ سے راہنمائی کرتا
ہے۔ جس پر ان کا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے اگر وہ اپنی رضا و
رغبت اور ارادہ و اختیار سے راہ راست کو اپناتے ہیں تو نجات حاصل
کرتے ہیں۔ اور اگر راہ بد اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں تو ہلاکت اور

[1] پ ۸ الانعام آیت ۱۵۰۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت
کردیتا، اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ فلو شاء لھداکم اجمعین

عذاب آخرت کا شکار ہوتے ہیں۔

کراہت اور ارادہ کا فرق

جب یہ واضح ہو چکا تو اب جاننا چاہیئے کہ کراہت ارادے کی ضد ہے
اور جب ارادہ کے معانی معلوم ہو گئے تو کراہت کے معانی بھی واضح ہو
گئے۔ کیونکہ ہر شئی اپنی ضد کے ذریعہ پہچانی جاتی۔ اور ہر شئی کی معرفت
اس کی ضد کی پہچان اور معرفت کا موجب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ساتویں صفت ثبوتیہ متکلم

اس کی صفت ہفتم یہ ہے۔ کہ وہ متکلم ہے۔ یعنی وہ اس پر قادر ہے۔
کہ جس چیز میں چاہے کلام کو یعنی ایسے حروف و کلمات پر مشتمل اصوات مسموعہ[1]
کو پیدا کر دے۔ جو معانی مقصودہ پر دلالت کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ
کے متکلم ہونے کا یہ معنی نہیں کہ کلام لفظی اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

[1] اصوات جمع صوت بمعنی آواز۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
متکلم ہونے کا جو معنی حنابلہ نے تجویز کیا ہے۔ وہ بھی قرین صواب نہیں۔ اور اشاعرہ
نے جو معنی اختراع کیا ہے۔ وہ بھی درست نہیں ہو سکتا۔ حنابلہ کا مذہب اس
لئے درست نہیں کہ اس سے اللہ جل شانہ کی جسمیت لازم آتی ہے۔ حالانکہ وہ جسم

جو کہ اہل سنت میں سے فرقۂ حنابلہ یعنی امام احمد حنبل کے مریدوں کا مذہب ہے۔ اور ان کا وہم ہے۔ اور کلام نفسی والے مذہب کو اختیار کرنا بھی درست نہیں کہ اہل سنت میں سے فرقۂ اشاعرہ کی اکثریت جس کی قائل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ متکلم وہی ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ کلام قائم ہو۔ پھر چونکہ حروف و کلمات کا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونا انہوں نے بھی درست نہیں سمجھا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی جسمیت لازم آتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے کلام نفسی کا اختراع کر لیا۔ اور کہا کہ کلامہ

لیس من جنس الاصوات والحروف بل صفة ازلية قائمة

بذات اللہ تعالیٰ۔ یعنی اس کا کلام اصوات و حروف کی جنس سے نہیں ہے بلکہ وہ ایک صفت قدیمہ ہے۔ جو اس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس صفت قدیمہ کا نام کلام نفسی ہے جو صفت علم اور صفت قدرت کے بھی متغائر ہے۔ اور الفاظ و حروف مسموعہ سے بھی الگ اور ان معانی سے بھی جداگانہ ہے۔ جو ان الفاظ و حروف سے سمجھے جاتے ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ یہ حروف اور اصوات اس کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن ان کی دلالت اس پر اس طرح نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ لفظ اپنے معنی پر

و جسمانیات سے پاک ہے۔ اور اشاعرہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے۔ وہ بے ہی مہمل۔ اس کا صحیح مصداق ہی کسی عقلمند کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا خداوند عالم کے متکلم ہونے کا معنی ہے۔ کہ وہ جس چیز میں کلام پیدا کرنا چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ اور وہ اس پر قادر ہے۔ (مترجم)

دلالت کرتا ہے۔

اشاعرہ کا یہ مہمل اور نامعقول کلام ہے۔ جس کا کوئی صحیح مصداق اور ماحصل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ کلام کا صحیح مفہوم اور معنی تو یہی الفاظ و اصوات ہی ہیں۔ جو کہ ہر شخص جانتا ہے۔ اور الفاظ کا تصور اور ان کے معنی کا ادراک صفت علم کی طرف راجع ہوتا ہے۔ علاوہ الفاظ کے کلام کا کوئی اور معنی کسی عقلمند کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا۔

اور پھر یہ کہ کسی چیز کا ذات خداوند عالم کے ساتھ قائم ہونا ممکن ہی نہیں محال [1] ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔ اور تکلم یعنی خلق کلام پہ قدرت

---

[1]۔۔ قول محال ہے۔ کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ کوئی صفت ذات خداوند عالم کے ساتھ قائم ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ صفت واجب الوجود ہے۔ یا ممکن الوجود۔ اگر واجب الوجود ہو تو تعدد وجباء لازم آتا ہے۔ جو صراحتہً شرک ہے۔ لہٰذا اس سے توحید باری کی نفی ہو جاتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حالانکہ توحید ایسے مسلمات میں سے ہے۔ جو اسلام کا رکن رکین ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ وہ صفت واجب الوجود نہیں بلکہ محتاج غیر ہو گی۔ لہٰذا اب سوال یہ پیدا ہو گا کہ وہ غیر کون کی ذات ہے۔ جس نے اس کلام نفسی والی صفت خدا کو پیدا کیا۔ آیا خود خدا نے ہی اسے پیدا کیا یا کسی دیگر شخصیت نے اگر کہا جائے کہ کسی دیگر شخصیت نے خدا کی اس صفت کلام نفسی کو پیدا کیا تو یہ بداہتہً محال ہے۔ کیونکہ اس سے خداوند عالم کا اپنی صفت میں محتاج غیر ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ وہ غنی مطلق اور کامل علی الاطلاق ہے۔ کسی اعتبار سے بھی وہ محتاج غیر نہیں۔ نیز اس صورت میں پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ غیر

اور اس کا علم صفات ذات میں سے ہے جو صفت علم و قدرت کے بیان کے ضمن میں واضح ہو چکا۔ اور تکلم باین معنی کہ خلق کلام اس پاک پروردگار سے صادر ہو چکا۔ یہ اس کی ذات کے صفات سے نہیں۔ اس کے فعل کی صفات میں سے ہے۔ اور حادث ہے۔ اور بنا برایں کے متکلم ہونے کا معنی

جس نے صفت کلام نفسی کو پیدا کیا ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ یا ممکن الوجود۔ اگر شق اول کو اختیار کیا جائے تو پھر وہی تعدد خدا لازم آتا ہے۔ اور توحید پر زد پڑتی ہے۔ اور اگر اسے ممکن الوجود مانا جائے تو اس کے متعلق سوال پیدا ہوگا۔ کہ اسے کس نے پیدا کیا۔ آیا خود خدا نے یا کسی اور شخصیت نے اگر شق ثانی کو اختیار کیا جائے تو پھر آگے یہی سوال چلے گا۔ اور تسلسل لازم آئے گا جو کہ مسلم طور پر محال ہے۔ اور شق اول کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ کہ خدا نے کسی اور شخصیت کو پیدا کیا اور اس نے خدا کی صفت کلام نفسی کو پیدا کیا تو اس سے لازم آئے گا کہ خدا کی یہ صفت قدیم نہیں۔ حادث ہے۔ حالانکہ یہ اشاعرہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ اس صفت کو قدیم مانتے ہیں۔ نیز لازم آئیگا جب تک کلام نفسی والی صفت کو اس غیر اللہ نے پیدا نہیں کیا تھا۔ اس وقت تک خدا متکلم نہ تھا اور تکلم سے عاجز تھا۔ حالانکہ اللہ جل شانہ ہر قسم کے عجز سے مبرا و منزہ ہے۔ اب رہی یہ شق کہ خود خداوند عالم نے آپ ہی اپنی اس صفت یعنی کلام نفسی کو پیدا کیا تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ خداوند عالم کا ہر فعل ارادہ اور اختیار سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا کہ اس کے صفات میں سے ایک صفت مرید بھی ہے۔ کما قال عز شانہ فعال لما یشاء۔ کہ وہ جس چیز کو چاہتا ہے اسے کرتا ہے۔ ویفعل ما یرید کہ جس چیز کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ اسے موجود کرتا

خالق کلام یعنی کلام کا پیدا کرنے والا۔ اور اس کا فاعل ہے۔ اور متکلم کا یہ مشہور و معروف معنی ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ جبکہ اس نے کہا ہے المراد من کون الانسان متکلما بھذہ الحروف مجرد کونہ فاعلا لھذا الغرض المخصوص۔ کہ انسان کے ان حروف کا متکلم ہونے سے مراد محض اس کا اس غرض مخصوص کی وجہ سے فاعل ہونا ہے۔ بنا برایں کے تکلم باری تعالیٰ اس کی فاعلیت اور ایجاد کلام کا نام ہوگا۔ جس طرح کہ علماء امامیہ نے کہا ہے۔

ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات فاعل مختار ہے تو مذکورہ شق کی تقدیر پر لازم آئے گا کہ کلام نفسی والی صفت حادث ہو قدیم نہ ہو۔ کیونکہ فاعل مختار کا ہر فعل حادث ہوتا ہے اور سابقاً بیان ہو چکا کہ کلام نفسی کا حادث ہونا مذہب اشاعرہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ اسے قدیم جانتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ عقلاً بھی محال ہے۔ کہ خدا نے اپنی اس صفت کلام نفسی کو پیدا کیا ہو۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ جب خدا نے اپنی اس صفت کو پیدا نہ کیا تھا۔ اس وقت وہ متکلم نہ تھا۔ تکلم سے عاجز تھا۔ پھر جب اپنی اس صفت کو پیدا کیا۔ تو وہ متکلم بنا۔ حالانکہ خداوند عالم کے جتنے صفات ذات ہیں۔ وہ ازل سے ان کے ساتھ متصف ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ جو کلام نفسی والا ایک لفظ اختراع کیا گیا ہے یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور حق یہ ہے کہ خداوند عالم باین معنی متکلم ہے۔ کہ وہ کلام کا خالق ہے۔ جس چیز تک چاہے کلام پیدا کرے اور تکلم خدا اس کی ذات والا صفات کے فعل خلق کی ایک جزئی ہے۔ اور یہ صفات ذات میں سے نہیں صفات افعال میں سے ہے۔ (مترجم)

الیسی صفت قدیمہ کا نام نہیں ہو سکتا۔ جو اس کی ذات کے ساتھ زعم اشاعرہ کے مطابق قائم ہے۔

ایجاد کلام کے معنی ہیں خداوندِ عالم کا متکلم ہونا منقولات متواترہ میں سے ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ وکلم اللہ موسیٰ تکلیما پ ۲۳ ع ۳۳ النساء آیت ۱۶۴ کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ سے کلام کیا۔ عن أمیر المومنین علیہ السلام کلم اللہ موسیٰ بلا جوارح وادوات وشفة و لهوات سبحانه و تعالیٰ عن الصفات۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کلم اللہ موسیٰؑ کے متعلق مروی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام کیا وہ ایسا کلام تھا جو اس کے شایان شان تھا کہ جو بغیر اعضاء و جوارح اور بغیر زبان و دہن اور بغیر ہونٹوں اور گلے اور بغیر حلق اور اس میں لٹکے ہوئے گوشت وغیرہ کے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی صفتوں اور ایسے اوصاف سے پاک اور بلند بالا ہے۔ جو جسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے صفات مخلوقات کی صفتوں کی مانند نہیں تاکہ اس کے ساتھ کلام قائم ہو سکے۔ بلکہ اس کا تکلم یہی ہے۔ کہ جس جسم میں چاہے وہ کلام اور آواز پیدا کر دے چنانچہ اس نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو زیتون کے درختوں میں سے ایک درخت میں حروف اور الفاظ کو پیدا کر دیا۔ کیونکہ اس مقرب یزدانی کے ساتھ اس کلام سبحانی کی ابتدا[۱] اس طرح ہوئی کہ جب آپ اپنی زوجہ کے ساتھ حضرت شعیب سے رخصت ہو کر شہر مدین سے

لہ ۱۔ تفسیر صافی صفحہ ۱۲۰ (مترجم)

باہر نکلے تو بادو باد ل کی ٹھنڈک اور سردی سے آپ کو تکلیف پہنچی کوہ طور کی دائیں جانب آپ کو ایک آگ نظر آئی۔ آپ اس کی طرف چل پڑے۔ تو کیا دیکھا کہ پروردگار عالم کی قدرت کاملہ سے ایک سرسبز درخت میں آگ شعلہ زن ہو رہی ہے۔ اور نور ساطع ہو رہا ہے۔ اس کے نزدیک پہنچے تو ایک آواز سنائی دی۔ اور بارگاہ کبریا سے ان الفاظ میں بڑی شفقت اور مہربانی سے بھرپور کلام بصورت خطاب ان کے سننے میں آیا۔ یا موسیٰؑ

أنی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی وانا اخترتک فاستمع لما یوحی پ ۱۶ ع ۱۰ طٰہٰ۔ آیت ۱۰ تا ۱۳۔

کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں۔ لہذا تو اپنے ہر دو پاپوش کو اتار دے۔ یا بنا بر اختلاف تفسیرین اپنی بیوی اور اولاد کی محبت کو دور کر دے تو اس پاکیزہ وادی میں پہنچ چکا ہے۔ جس کا نام طوی ہے۔ میں نے تجھے منتخب کر لیا۔ اور چن لیا ہے۔ لہذا تم اس وحی کو بغور سماعت کرو۔ جو تمہاری طرف کی جاتی ہے۔

اس کے بعد برابر آپ خطابات ربانیہ سے مشرف ہوتے رہتے تھے۔ تا آنکہ ان کی قوم نے ان سے کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کلام ربانی کو اپنے کانوں سے نہیں سنیں گے چنانچہ حضرت موسیٰؑ ان میں سے ایک جماعت کو منتخب کر کے کوہ طور پر لے گئے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب توحید میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث روایت کی ہے۔ جس میں مرقوم

ہے۔ فخرج بھم الی طور سیناء فاقامھم فی سفح الجبل وصعد موسیٰؑ الی الطور وسأل اللہ تبارک وتعالیٰ ان یکلمہ ویسمعھم کلامہ فکلمہ اللہ تعالیٰ ذکرہ وسمعوا کلامہ من فوق واسفل ویمین وشمال ووراء وامام لان اللہ عزوجل احدثہ فی الشجرۃ ثم جعلہ منبعثا منھا حتی سمعوہ من جمیع الوجوہ۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو کوہ طور سیناء کی طرف لے گئے وہاں دامن کوہ میں ان کو ٹھہرا دیا۔ اور خود پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ سے اس طرح کلام فرمائے۔ کہ ان کی قوم اسے سُن لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا۔ اور ان کی قوم نے اسے اس طرح سُنا کہ اس کی آواز اوپر نیچے دائیں بائیں سامنے اور پیچھے ہر طرف سے ان کو سنائی دے رہی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں کلام کو پیدا کر دیا تھا۔ اس درخت سے آواز بلند ہو رہی تھی۔ جو ہر جانب سے ان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ اور عظمت اور بزرگی کے آثار اس سے ظاہر ہو رہے تھے۔ اور یہ سارے خلاف عادت واقعات تھے۔ جو گواہی دے رہے تھے۔ کہ یہ کلام قادر مطلق خالق علام کی جانب سے ہو رہا ہے۔ جو محتاج مکان نہیں اور شہادت دے رہے تھے کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں۔ کیونکہ مخلوق کا وجود اور اس کا کلام ہر دو کسی ایک جہت میں ہو سکتے ہیں۔ ہر شش جہات میں نہیں ہو سکتے۔

لہ :۔ یہی مضمون حضرت امام علی رضاؑ سے منقول دیکھو تفسیر البرہان ج ا صفحہ ۳۴۱ ۔ مترجم

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاؑ میں سے صرف حضرت موسیٰؑ اور ہمارے پیغمبر آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شرف سے مخصوص فرمایا کہ ان ہر دو سے لب و دہن سے صادر ہونے والے کلام کی صورت میں خطاب فرمایا کہ جو وحی کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اور شریف ترین اور بلند تر درجہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے تو کوہ طور پر کلام ہوا اور ہمارے نبی پاکؐ کو جو تمام انبیاؑ کے سرتاج اور سب رسولوں کے سردار ہیں۔ معراج کے وقت اس شرف سے نوازا جبکہ اپنے قرب کا انتہائی درجہ ان کو عطا فرمایا۔ اور حضرت موسیٰؑ سے بھی افضل اور احسن صورت پر خطاب کر کے آنحضرتؐ کی فضیلت کا مظاہرہ فرمایا۔ چنانچہ کتاب الاحتجاج للطبرسیؒ میں یہود کا آنحضرت صلعم سے ایک مکالمہ منقول ہے۔ جس میں مرقوم ہے۔

قالوا موسیٰ خیر منک قال ولم قالوا لان اللہ عزوجل کلمہ اربعۃ آلاف کلمۃ ولم یکلمک بشئ فقال النبیؐ لقد اعطیت انا افضل من ذلک قالوا وما ذلک قال قول عزوجل سبحان الذی اسری بعبدہ الآیۃ۔

یہود نے آنحضرتؐ سے کہا کہ موسیٰؑ آپ سے افضل ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیونکر وہ افضل ہیں؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے چار ہزار کلمات کے ذریعہ کلام کیا۔ اور آپ سے کوئی کلام نہیں کیا حضرت نے فرمایا کہ مجھے اس سے افضل کلام سے اللہ تعالےٰ نے مشرف فرمایا

لہ :۔ الاحتجاج صفحہ ۲۷ ۔ مترجم

انہوں نے کہا کہ وہ کون کلام ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ وہ کلام وہ ہے، جس پر اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان دال ہے۔ سبحان الذی اسری بعبدہ آلایۃ کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو بوقت شب مسجد الحرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی۔

آنحضرتؐ نے اس آیت کے ذریعہ اس شرف کی طرف اشارہ فرمایا جو ان کو معراج میں حاصل ہوا۔ ففی بعض اخبار المعراج ثم جاوزنا متصاعدین الی اعلی علیین۔ الی ان قال ثم کلمنی ربی وکلمتہ۔ معراج کی بعض احادیث میں وارد ہے کہ حضرت نے فرمایا پھر ہم اوپر کو چڑھتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ اعلیٰ علیین تک پہنچ گئے۔ تا آنکہ حضرت نے فرمایا تو پھر مجھ سے میرے پروردگار نے کلام کیا۔ اور میں نے اس سے کلام کیا۔

مقام غور ہے کہ کجا کوہ طور اور کجا اعلیٰ علیین۔ اور منتہائے قرب رب العالمین۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ سے جو کلام ربانی وقوع پذیر ہوا اس میں اور جو حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بلکہ جو کرامت اور جو معجزہ اللہ تعالےٰ نے کسی پیغمبر کو عطا فرمایا۔ اس کی مثل بلکہ اس سے بھی بہتر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔

فی الکافی عن النبیؐ اعطیت السور الطوال مکان التوراۃ و اعطیت المئین مکان الانجیل و اعطیت المثانی مکان الزبور

وفضلت بالمفصل ثمان وستون سورۃ۔

بناپر تحقیق ملا محسنؒ کاشانی کہ جو انہوں نے تفسیر صافی میں تحریر کی ہے۔ حاصل معنی یہ ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی توریت کے بدلے مجھے طولانی سورتیں عطا کی گئی ہیں جو علی الاقرب سات ہیں۔ اور وہ سورہ فاتحہ کے بعد والی سورتیں ہیں۔ پہلی ان میں سے سورہ البقرہ ہے۔ اور یہ سات اس صورت میں پوری کی جاتی ہیں۔ جبکہ سورہ انفال اور براءۃ کو ایک صورت شمار کیا جائے۔ کیونکہ یہ دونوں جنگوں کے بیان کے لئے نازل کی گئی ہیں۔ نیز اس وجہ سے کہ ان دونوں کو قرینتین کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کی انجیل کے بدلے مجھے مئین عطا کی گئی ہیں۔ اور ان سے وہ سورتیں مراد ہیں۔ جو قریب قریب یکصد آیتوں پر مشتمل ہیں۔ اور وہ بھی سات سورتیں ہیں۔ اور وہ ہیں سورہ بنی اسرائیل سے لے کر سورہ المومنون تک اور فرمایا کہ حضرت داؤدؑ پیغمبر کی زبور کے بدلے مجھے مثانی عطا کی گئی ہیں۔ اور ان سے مراد وہ سورتیں ہیں جو طوال اور مئین کے علاوہ ہیں۔ اور سورہ ہائے مفصل کے ذریعہ مجھے دیگر انبیاءؑ پر فضلیت دی گئی ہے۔ اور وہ اڑسٹھ سورتیں ہیں۔ اور ان سے مراد وہ سورتیں ہیں۔ جو سورہ محمدؐ سے لے کر آخر قرآن تک واقع ہیں اور اس نام سے ان کو اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ بکثرت قافیوں اور چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل ہیں۔ اس وجہ سے ان میں فواصل زیادہ ہیں۔

[۱]:۔ دیکھو تفسیر صافی صٓ۔ مترجم

لہذا ان کا نام مفصل رکھا گیا ہے۔ اور جن سورتوں کا نام مثانی ہے۔ ان کے منجملہ وہ سورتیں بھی ہیں۔ جو طوال اور مئین کے درمیان ہیں۔ وہ مثانی طوال کہلاتی ہیں۔ اور جو مئین کے بعد ہیں۔ وہ مثانی مئین کہلاتی ہیں۔

جب یہ وضاحت ہوچکی تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ کلام الٰہی چند صورتوں پر واقع ہوا ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کلام اللہ لیس بنحو واحد منہ ما کلم اللہ بہ الرسل ومنہ ما قذفہ فی قلوبہم ومنہ رؤیا یراھا الرسل ومنہ وحی وتنزیل یتلی ویقرء فھو کلام اللہ۔ یعنی کلام خدا ایک نوع کا نہیں ہے۔ ایک تو وہ کلام خدا ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے بظاہر خطاب فرمایا ہے۔ اور وہ حروف اور اصوات ہیں۔ جنہیں خدا جس چیز میں چاہے پیدا کر دیتا ہے۔ اور ایک قسم اس کی وہ ہے۔ اللہ تعالےٰ جس کا انبیاء کے دلوں میں القاء کرتا ہے اور اس کی قسموں میں سے ایک قسم سچی خوابیں ہیں۔ جو انبیاؑ دیکھتے تھے۔ اور ایک قسم ان میں سے وہ وحی اور تنزیل ربانی ہے۔ جو تلاوت کی جاتی اور پڑھی جاتی ہے۔ یہ ہے کلام الٰہی کی تشریح۔

مخفی نہ رہے۔ کہ کلام کا اصلی معنی جیسا کہ سابقاً اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ وہ الفاظ ہیں جو اصوات و حروف مسموعہ سے مولف اور مرکب ہوتے۔ اور معنی مخصوصہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات کلام کا اطلاق ان نقوش پر بھی کر دیتے ہیں۔ جو لکھے جاتے ہیں۔ اور ان حروف پر بھی کر دیتے ہیں۔ جو حیطۂ تحریر میں لائے جاتے ہیں کیونکہ یہ نقوش

و تحریرات حروف و اصوات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات کلام کا اطلاق ان الفاظ کی اور ان نقوش کی حکایت پر بھی کر دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان کی حکایت کی حکایت پر بھی کر دیتے ہیں۔ اور یونہی اس سلسلہ کو طول دیتے چلے جاتے ہیں۔

بنا بر اس توسع اور وسعت کے کہ جو کثرت استعمال کی وجہ سے حقیقت شرعیہ اور حقیقت عرفیہ کا درجہ حاصل کر گیا ہے۔ کلام الٰہی سے مراد وہ حروف اور نقوش ہیں کہ جن کی نظم اور تالیف از جانب رب العزت ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اگرچہ کہ اس کے حروف تلاوت کے وقت فرشتے یا انسان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ اور لکھنے کے وقت زبان قلم سے صادر ہوتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالےٰ کا اصل کلام وہ شخصی کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے اصوات اور حروف کو کسی جسم میں یا جس کے نقوش کو کسی لوح میں یا اس کی مثل کسی چیز میں ایجاد فرما دیتا ہے۔ اور پیغمبر اس کو سنتے اور لکھتے ہیں۔ اور اس کا انہیں الہام کیا جاتا ہے۔ جس کو اللہ تعالےٰ فرشتے کے ذریعہ کسی پیغمبر پر وحی فرماتا ہے۔ اور پیغمبر کی زبان وحی ترجمان کے ذریعہ اُمت تک وہ پہنچتا ہے۔ اور افراد امت تلاوت اور کتابت کے ذریعہ اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس عام معنی کے لحاظ سے کلام مجید ایسا کلام ہے۔ جو نوعی تالیف کے ذریعہ مؤلف ہے۔ آسمانی کتابوں یعنی توریت۔ انجیل۔ زبور اور قرآن مجید، کو اسی عنوان کے تحت کلام اللہ کہا جاتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے کلام خدا کو لوح محفوظ میں بھی ثابت قرار دیا جاتا ہے۔ اور جبرائیل امین کی

زبان پر آنحضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جو کلام پاک
نازل ہوا۔ اور نسلاً بعد نسل بصورت تواتر نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا اور
تمام زمانوں میں اہل اسلام کی زبانوں پر تلاوت کیا جاتا۔ اور ہر دور میں مصاحف
ودفاتر میں لکھا جاتا ہے۔ وہ اسی اعتبار سے کلام الٰہی کا مصداق ہے۔ اور
احکام شرعیہ مثلاً بغیر طہارت کے قرآن مجید کو مس کرنے کا عدم جواز اور جنابت
کی حالت میں سورہ عزائم یعنی جن سورتوں میں سجدہ ہائے واجب واقع
ہوئے ہیں۔ مطلقاً ان کی آیات کے پڑھنے کا حرام ہونا۔ اور یہ سب احکام
قرآن کریم کے اسی عام معنی پر مبنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو دیگر تمام آسمانی کتابوں پر یہ فضیلت عطا
فرمائی ہے۔ کہ عجیب و غریب تالیف اور اسلوب پر اعجاز کی صورت میں اسے
ظاہر فرمایا ہے کہ باوجود مقابلے کا چیلنج کرنے کے مادری زبان عربی رکھنے
والے فصحاء عدنان اور بلغاء قحطان اس کی چھوٹی سے چھوٹی
سورت کا مقابلہ کرنے سے بھی عاجز ہو گئے۔ جس کی تفصیل مبحث نبوت
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے بیان میں آجائے
گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث قدسی کی تعریف

اللہ تعالیٰ کا جو کلام آنحضرت صلعم پر وصف اعجاز سے خالی ہونے کی

صورت میں نازل ہوا، اور اکثر و پیشتر وہ متواتر نہیں ہے۔ اسے قدسی سے
تعبیر کیا جاتا ہے۔

کلام خدا حادث اور مخلوق ہے [۱]

واضح باد کہ کلام الٰہی اپنے تمام گذشتہ معانی کے اعتبار سے حادث اور
اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اور احادیث میں قرآن پاک کے متعلق جو وارد ہوا
ہے۔ کہ محدث غیر مخلوق۔ تو اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ موضوع اور اپنی
طرف سے اختراع کردہ نہیں۔ یعنی یہاں لفظ مخلوق بمعنی مجعول ہے۔
بے شک اللہ تعالیٰ کا کلام اس شبہ سے بلند بالا ہے۔ غرض قرآن پاک حادث
ہے۔ قدیم نہیں، کیونکہ کوئی عقل مند کلام لفظی کو قدیم نہیں کہتا۔ کیوں کہ یہ سب
کا سب مرکب ہے۔ اور مسلمہ کلیہ ہے۔ کہ ہر مرکب حادث ہوتا ہے۔ اس کی تالیف
یکے بعد دیگرے مرتب ہونے والے حروف سے واقع ہوتی ہے۔ لہذا اس
کے حادث ہونے کے علامات اور دلائل واضح اور ظاہر ہیں۔

لہ ۱۔ حادث اسے کہا جاتا ہے۔ جو نہ ہونے کے بعد پیدا ہوا ہو۔ "اسے مسبوق
بالعدم" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہ جو معدوم ہونے کے بعد وجود پذیر ہوا ہو اس
کے مقابلے کی صفت قدیم ہے۔ لہذا قدیم اسے کہا جاتا ہے۔ جو ہمیشہ سے موجود ہو اور
ہمیشہ رہنے والا ہو۔ اور قدیم صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے۔ جو ہمیشہ سے بذات خود
موجود ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ازلی و ابدی ہے۔ عدم اس کی ذات کو نہ سابقاً لاحق ہوا۔

حنابلہ اہلسنت کی تردید

تعجب ہے کہ اہل سنت کے ایک فرقہ والے اپنی انتہائی سفاہت کے باعث قرآن کریم کے قدیم ہونے کے قائل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے حروف کو خود اپنی زبان پر جاری کرتے۔ اور اس کی تحریروں اور نقوش کو اپنے قلم سے صادر کرتے ہیں۔ اور باین ہمہ اس کے حروف و نقوش کو قدیم قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب الملل والنحل میں مذکور ہے کہ اشاعرہ کے فرقہ مشبہہ نے اپنے اعتقاد بد تشبیہ پر ایک اور زیادتی کر دی ہے۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے متعلق کہتے ہیں کہ قرآن کے حروف اور اصوات بھی ازلی اور قدیم ہیں اور اس کے نقوش تحریر اور عبارتیں بھی ازلی اور قدیم۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ دفیتن "یعنی جلد قرآن کے دونوں گتوں" کے درمیان

نہ بعد کو لاحق ہوگا۔ کیونکہ وہ واجب الوجود ہے۔ عدم اس کی ذات کے لئے ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی ذات پاک کے علاوہ ہر شئی حادث ہے۔ کیونکہ ہر شئی ممکن الوجود ہے۔ یعنی اپنے وجود میں وہ ذات خدا وند عالم کی محتاج ہے۔ اسی نے ہر شئی کو پیدا کیا۔ اور ہر چیز کو خلعت وجود بخشی لہذا جہاں دیگر تمام چیزیں حادث اور اسکی مخلوق ہیں۔ وہاں قرآن پاک بھی حادث اور اسکی مخلوق ہے۔ کیونکہ وہ ایسا کلام ہے جسے اس پاک پروردگار نے پیدا کیا۔ اور جبرائیل امین کے ذریعہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل فرمایا۔ مگر فرقہ حنابلہ وغیرہ نے اپنی غلط فہمیوں کے باعث اسے قدیم قرار دے دیا۔ مترجم

ہے۔ وہ کلام خدا ہے۔ جو جبرائیل امین کی زبان کے ذریعہ نازل ہوا ہے۔ اور یہی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ انتھی اور صاحب مواقف نے تصریح کی ہے کہ قدم قرآن کے قائل حنابلہ ہیں۔ یعنی امام احمد حنبل کے تابعدار ہیں۔ امام احمد حنبل مذکور اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے ایک تھے۔ چنانچہ صاحب مواقف لکھتے ہیں۔ قالت الحنابلة كلامه حرف وصوت يقومان بذاته وأنه قديم وان قوما باالغوافيه حتى قال بعضهم جهلا الجلد والغلاف قديمان۔ کہ حنابلہ اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ کلام خدا حروف اور اصوات ہیں جو ذات خدا کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ اور یہ قدیم ہیں۔ اور ایک قوم نے اس کے متعلق اور زیادہ مبالغہ کیا حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے جہالت کے باعث یہ بھی کہہ دیا کہ چمڑا، جلد کا، اور غلاف بھی قدیم ہیں۔ انتھی اور شارح مقاصد نے لکھا ہے۔ وعن بعضهم ان الجسم الذی کتب به القرآن فانتظم حروفا ورقوما هو بعينه كلام الله تعالىٰ وقد صار قديما بعد ما كان حادثا۔ کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ جسم بعینہ کلام اللہ ہے۔ جس کے ذریعہ قرآن کو لکھا گیا اور وہ اس کے باعث حروف اور تحریروں و عبارتوں کی صورت اختیار کر گیا اور قرآن حادث ہونے کے بعد پھر قدیم بن گیا۔

حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہو سکتی۔ اور ان سب اوہام کا باعث یہ ہے کہ صفات فعل اور صفات ذات میں ان کو اشتباہ ہو گیا ہے وہ ان کے باہمی فرق کو نہیں سمجھ سکے۔ اور معانی کلام میں امتیاز نہیں کر سکے۔

اور یہ ایک ایسی خرابی اور ایسا فساد ہے۔ جو محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ یہ عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے۔

آٹھویں صفت ثبوتیہ — صادق ہے

اللہ جل شانہ صادق ہے۔ یعنی اس کا کلام سچا ہے۔ جیسے کہ ارشاد پاک ہے۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔ پ۵ ع۸۔ النساء آیت ۱۲۲ کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کذب اور جھوٹ ایک قبیح اور بری چیز ہے۔ اور کسی قبیح اور برائی کا خداوند عالم سے صادر ہونا ممکن نہیں وہ کسی غیر کے جھوٹ پر بھی راضی نہیں۔ "چہ جائیکہ وہ خود اس کا ارتکاب کرے" وہ اپنے برحق پیغمبروں کے ہاتھ پر معجزے اسی لئے صادر فرماتا ہے۔ کہ ان کی سچائی اور حقانیت کی تصدیق ہو جائے۔ وہ کسی جھوٹے کے ہاتھ پہ معجزہ ہرگز صادر نہیں فرماتا۔

مگر اس ذات پاک پروردگار کا سچا اور صادق ہونا سنی مذہب کے مطابق ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ حسن قبح اور اچھائی برائی کے عقلی ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ لہذا وہ خداوند عالم اور انبیاءؑ کے صدق اور سچائی کو اپنے اصول کے مطابق ثابت نہیں کر سکتے اس کی تفصیل انشاء اللہ بحث عدل میں آجائے گی۔

واضح باد کہ یہ آخر والی جو دو صفتیں ہیں۔ "یعنی تکلم بمعنی خلق کلام اور

صدق کہ جو کلام اور متکلم کے صفات میں سے ہے" ان کو خداوند عالم کی صفات ذات کے شمار میں داخل نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اوّل بحث میں ہم نے متکلم کی ایجاد کلام پہ قادر کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ تاکہ صفات ذات کی سلک میں منسلک ہو جائے۔ لیکن تکلم بمعنی خلق کلام کا یہاں پر تذکرہ لبس طرداً للباب ہو سکتا تھا۔ مگر چونکہ عادت علماء بنا بر تغلیب کے جاری ہوئی ہے کہ ان دو صفتوں کو بھی وہ صفات ذات کے تحت بیان کر دیتے ہیں لہذا ہم نے بھی علماء کی تاسی اور اقتداء میں ان کو اسی جگہ بیان کر دیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ان دو صفتوں کے اس مقام پہ ذکر کرنے کی وجہ علماء کے نزدیک یہ ہو کہ چونکہ اہل سنت میں سے فرقہ مشبہہ نے کلام لفظی کو اور اشاعرہ نے کلام نفسی کو خداوند عالم کے صفات ذات میں سے قرار دیا ہے۔ لہذا ان کی تردید کرنے کی خاطر علماء نے صفت تکلم کا اس مقام میں تذکرہ فرمایا ہو۔ اور پھر صدق چونکہ کلام سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے صادق ہونے کی صفت کو بھی علماء نے تبعاً اسی مقام میں ذکر کر دیا۔

رہی صفات کی تعداد تو اس کے متعلق کلام علماء اعلام میں اختلاف ہے۔ لیکن اس سے کوئی منافات لازم نہیں آتی۔ کیونکہ اس تعداد میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زیادتی اعتبارات کے باعث صفات میں زیادتی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے مثلاً ازلیت وابدیت کو ہم دو صفتیں قرار دیں۔ اور اس طرح سمع اور بصر کو دو صفتیں قرار دیں تو صفات کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ اور اصول کلیہ کی وحدت کا اگر لحاظ کیا جائے

توصفات میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔

کیونکہ سمع و بصر صفت علم کے تحت داخل ہو سکتی ہیں۔ اور ابدیت وازلیت وجوب وجود اور سرمدیت کے تحت داخل ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے صفات کی تعداد کم ہو جائے گی۔ واللہ یعلم۔

فصل سوم۔ صِفات سلبیہ کا بیان

صفات سلبیہ میں سے پہلی پہلی صفت کہ جو تمام صفات سلبیہ کا رکن اعظم ہے۔ وہ تعدد اور شرک کی نفی ہے۔ کہ اس ذات پاک کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اور یہی اصل توحید ہے۔ لہٰذا یقین کرنا چاہیئے کہ خداوند عالم واحد اور یکتا و یگانہ ہے۔ یعنی سوائے اس کی ذات کے کوئی اور واجب الوجود نہیں۔ اور اس کی ذات پاک کے علاوہ جو بھی شئی موجود ہے۔ وہ ممکن الوجود اور اس کی پیدا کردہ مخلوق ہے۔ نہ خداوند عالم ہونے میں اس کا کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ نہ قدیم ہونے میں نہ ازلی ہونے میں نہ عموم علم و قدرت میں نہ جواہر[1] و اجسام کے خالق ہونے میں۔ نہ حیوانات

[1] جواہر اور اجسام کی خصوصیت اس لئے فرمائی ہے۔ کہ اعراض بعض ایسے بھی ہیں۔ جن کا خالق اور موجد انسان بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انسان اپنے افعال اختیاریہ اور ان پر مرتب ہونے والے اثرات کا خود موجد ہے۔ جیسا کہ عنقریب اس کا تذکرہ کلام مصنف میں آجائے گا۔ لیکن احتراماً للہ تعالےٰ علماء لفظ خالق کا اطلاق

اور انسانوں کا رازق ہونے میں نہ معبود ہونے میں یعنی عبادت پرستش اور مسجود ہونے کے استحقاق میں اور نہ دیگر ان صفات میں اس کا کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ جو اس کی ذات پاک سے مختص ہیں۔ لا الٰہ الا هو الواحد القهار العزيز الغفار۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب توحید میں اپنے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ جنگ جمل میں ایک اعرابی عین اس وقت جبکہ معرکۂ کارزار گرم تھا۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ کیا آپ کہتے ہیں کہ خداوند عالم واحد ہے؟ لوگوں نے اسے منع کیا۔ اور کہا کہ اے اعرابی تم دیکھ رہے ہو کہ جناب

غیر اللہ پر نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں فتبارك الله احسن الخالقين۔ کے الفاظ سے خالقین کا جو تعدد سمجھا جاتا ہے۔ وہ اسی اعتبار سے ہے کہ انسان اپنے افعال کا موجد اور خالق ہے۔ اور اسی وجہ سے آیت کریمہ۔ اني اخلق لكم من الطين كهيئة الطير انخ میں پرندے کی شکل جو عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے بناتے تھے۔ اسے خلق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ شکل حضرت عیسیٰ ؑ کے فعل کا اثر ہوتی تھی۔ جیسا کہ جو شخص بھی مٹی یا لکڑی یا موم یا ایسی کسی چیز کو لے کر اس سے پرندے یا دیگر کسی جانور اونٹ گھوڑے ہرن وغیرہ کی شکل بنائے تو یہ شکل اسی شخص کے فعل کا اثر ہو گا۔ لہٰذا معنوی اعتبار سے وہی شخص اس شکل کا خالق ہو گا۔ ہاں مگر تمام جواہر و اجسام کا بھی اور مخلوق کے افعال اختیاریہ کے علاوہ دیگر تمام اعراض کا بھی خالق خدا ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی ذات پاک کے علاوہ ان چیزوں کے پیدا کرنے پر کوئی قادر ہی نہیں ہے۔ مترجم

امیر علیہ السلام اس وقت پریشان ہیں، ان کا قلب مبارک جہاد اور
جنگ میں مشغول ہے۔ یہ سوال کرنے کا وقت نہیں ہے۔ جناب امیر المومنین
علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اعرابی جس چیز کے متعلق سوال کر رہا ہے یعنی مسئلہ
توحید اور یکتا پرستی یہی تو چیز ہے۔ کہ جس کے متعلق ہم اس قوم "یعنی اہل
جمل" کو راہنمائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے ہم ان کے ساتھ
جنگ کر رہے ہیں" اس کے بعد فرمایا کہ اے اعرابی! خدا کو واحد کہنے کی چار
صورتیں ہیں۔ دو صورتوں کے لحاظ سے واحد کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور دو کو
اعتبار سے صحیح ہے۔ وہ دو صورتیں کہ جو صحیح نہیں ہیں ان میں سے ایک
صورت یہ ہے کہ واحد سے مراد واحد عددی لیا جائے۔ یعنی ایسا ایک جس کا
دوسرا بھی ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ہستی جس کا ثانی ہو ہی نہیں سکتا اسے
کس طرح واحد اور اول کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دو تو دو ہوتے ہی اس وقت
ہیں۔ جبکہ ایک کے ساتھ ایک اور کو جمع کر دیا جائے۔ مصنف علام فرماتے
ہیں کہ "مراد اس سے یہ ہے کہ دو خدا نہیں ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کو ان دو میں
سے ایک قرار دیا جائے۔ اور اس لحاظ سے اسے واحد کہا جائے۔ مطلقاً
واحدانیت عددیہ کی نفی مراد جناب امیرؑ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا
تو جناب امام زین العابدین سیدؑ الساجدین علیہ الصلواۃ والسلام صحیفہ کاملہ
کی دعا میں یوں نہ فرماتے۔ لك یا الٰهی واحدانیه العدد کہ اے پروردگار
تجھے ہی عدد کی وحدانیت حاصل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعد کو جناب امیر
علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو نے غور نہیں کیا۔ کہ نصاریٰ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

ثالث ثلثہ یعنی تین میں سے تیسرا ہے۔ وہ کافر ہیں۔ اور ان کا کافر قرار دیا
جانا اس وجہ سے ہے۔ کہ انہوں نے تین خدا قرار دیئے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا
کہ وہ تین خداؤں کے قائل ہیں۔ اور ان تین میں سے خدا کو بھی ایک قرار
دیا ہے۔ تو پھر وہ کافر قرار نہ پاتے۔ اس لئے محض عدد کے اثبات سے
تو کوئی مانع نہ تھا۔ عدد تو ہر موجود کو لاحق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے قرآن مجید میں فرمایا۔ ما یکون من نجوی ثلثه الا هو رابعهم ولا
خمسة الا هو سادسهم۔[1]
واحد کی دوسری صورت جس کا اطلاق اللہ تعالےٰ کی ذات پر جائز
نہیں۔ یہ ہے کہ واحد سے مراد جنسی واحد ہو۔

---

[1] ۔ پ ۲۸ المجادلہ آیت ۷ جو بھی تین شخص مل کر مشورہ کرتے اور باہم سرگوشی
کرتے ہیں۔ تو خدا ان کا چوتھا ہوتا ہے۔ اور اگر پانچ سرگوشی کریں تو خداوند عالم ان کا
چھٹا ہوتا ہے۔ یعنی خداوند عالم سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس کا علم ہر شخص اور ہر مکان
کو حاوی ہے۔ مصنف علام کا مقصد یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم کو رابع اور سادس
کہا گیا ہے۔ لہذا
معلوم ہوا کہ محض عدد تو ذات خداوند عالم کو بھی لاحق ہو سکتا ہے۔ جس عدد کا ذات پاک
پروردگار کو لاحق ہونا محال ہے۔ اس کی صورت یہ ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک جیسے
کئی خدا قرار دیئے جائیں۔ اور ان کے شمار میں اللہ تعالیٰ کو بھی لایا جائے۔ اور اس صورت
کا محال ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ شریک باری ناممکن ہے۔ اور صورت مفروضہ میں اسے
ممکن الوجود قرار دیا گیا ہے۔ مترجم

جیسا کہ کہا جائے فلاں شخص آدمیوں میں سے ایک ہے۔ یعنی جنس انسان بمعنی نوع[1] انسان کا ایک فرد ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کو

[1] یہ جنس کی تفسیر نوع سے اس لئے فرمائی ہے کہ لفظ جنس سے مراد جناب امیرؑ کے کلام میں جنس منطقی نہیں۔ بلکہ جنس لغوی ہے۔ لفظ جنس کے کلام علماء میں دو معنی مراد ہوتے رہتے ہیں۔ ایک لغوی معنی۔ اور وہ معنی وہ ہے جسے منطقی اصطلاحات کے لحاظ سے نوع کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور دوسرا معنی جنس کا منطقی ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے وہ نوع کی قسیم اور اس کے مباین ہے۔ کیونکہ نوع اور جنس دونوں کلی کی اقسام خمسہ میں سے دو قسمیں ہیں۔ نوع اس کلی کو کہتے ہیں۔ جو ایسی متعدد چیزوں پہ بولی جاسکتی ہے۔ جن کی حقیقت اور ماہیت ایک ہو۔ اور وہ اپنے افراد کی عین حقیقت ہوتی ہے۔ جیسے مثلاً انسان اور جنس اس کلی کو کہتے ہیں۔ جو ایسی متعدد چیزوں پر بولی جاتی ہے۔ جن کے حقائق مختلف ہوتے ہیں۔ اور اپنے افراد کی حقیقت کا جز ہوتی ہے۔ جیسے مثلاً حیوان۔ یہ گھوڑا۔ گائے۔ اونٹ اور انسان وغیرہ سب پہ بولا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ اور حیوان ہر ایک کی حقیقت کا جز ہے۔ نوع اور جنس اپنے ان معانی کے اعتبار سے آپس میں متبائن ہیں۔ لہذا اس لئے ان معانی کے لحاظ سے تو لفظ نوع جنس کی تفسیر نہیں ہوسکتا۔ لہذا لفظ نوع کا جنس کے لفظ پہ عطف تفسیری نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن جنس کا لغوی معنی وہ ہوتا ہے جو اصطلاح منطق میں نوع کا ہوتا ہے۔ اس لئے جنس کا یہاں لغوی معنی مراد ہے۔ اور لفظ نوع کے منطقی معنی کے لحاظ سے مصنف نے نوع کا جنس پر عطف تفسیری واقع کیا ہے۔ مترجم

واحد نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس سے خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا لازم آتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ مخلوقات کی مشابہت سے بلند و بالا اور پاک و پاکیزہ ہے۔

اور واحد کی وہ دو صورتیں جن کا اطلاق ذات خداوندِ عالم پر صحیح ہے ان میں سے ایک تو ہے۔ واحد بمعنی یکتا و یگانہ۔ کہ جس کی موجودات میں کوئی مثل اور شبیہ نہ ہو یعنی لاشریک اور بے مثال اور بے شک اس معنی کے لحاظ سے ہمارا خدا واحد ہے۔

واحد کی دوسری صورت جس کا اطلاق خدا کی ذات پر صحیح ہے۔ وہ ہے بسیط۔ یعنی یہ کہ وہ واحد بایں معنی ہے کہ منقسم نہیں ہوسکتا۔ نہ وجود خارجی میں منقسم ہوسکتا ہے۔ نہ عقل میں اور نہ وہم میں یہ ہے۔ شان ہمارے پروردگار عزاسمہ کی۔

توحید کے دلائل عقلیہ

جاننا چاہیئے کہ مقصد توحید عقل و نقل ہر دو قسم کے دلائل سے ثابت ہے۔ پہلی دلیل عقلی کہ جو مشہور و معروف ہے نفی توحید سے اسکی ذات میں ترکیب کا لازم آنا ہے۔ اور دوسری عقلی دلیل تمانع ہے۔ پہلی دلیل کا بیان یہ ہے کہ اگر حقیقت واجب الوجود فرد واحد میں منحصر نہ ہو۔ بلکہ اس کے متعدد افراد فرض کئے جائیں۔ مثلاً دو فرض کئے جائیں۔ تو لازم ہوگا کہ ان میں سے

ہر ایک میں دو دو چیزیں ہوں۔ ایک مابہ الاشتراک اور دوسری مابہ الامتیاز
کیونکہ اثنینیت یعنی دو ہونا، یہ امتیاز کا مقتضی ہے۔ اور وجوب الوجود
میں دونوں کا اشتراک یہ تشارک کو چاہتا ہے۔ اس لئے واجب الوجود
کے دونوں فردوں میں سے ہر ایک کا دو چیزوں سے مرکب ہونا لازم
آئے گا۔ حالانکہ واجب الوجود کی ذات کا مرکب ہونا محال ہے۔ یہ دلیل
ایک طولانی بحث کی محتاج ہے۔ جو کہ کتب بسوط میں اپنے نقض و ابرام
کے ساتھ مذکور ہے۔ اس مقام میں اسی قدر اس کا بیان ہم نے مناسب
خیال نہیں کیا۔

توحید کی دوسری عقلی دلیل

دلیل تمانع کا بیان یہ ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ واجب الوجود دو ہیں
تو ان میں سے ایک کے کسی چیز کو پیدا کرنے کے ارادہ کے وقت دوسرا اسے
مانع ہو سکے گا۔ یا نہیں اگر مانع ہو سکتا ہو تو پہلے کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔
جو کہ اس کے مرتبہ الوہیت و شان واجب الوجود کے منافی ہے۔ اور اگر مانع
نہ ہو سکے تو اس دوسرے کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔ لہذا وہ مرتبہ الوہیت
سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کہا جائے کہ دونوں کی مراد واقع ہو جائے گی
تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ اس سے اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔ اور گویا
کہ آیت کریمہ لو کان فیہما آلھۃ الا اللہ لفسدتا۔ اسی مطلب کی طرف اشارہ
ہے۔ کہ اگر زمین آسمان میں کئی خدا ہوتے تو وہ فاسد اور برباد ہو چکے ہوتے۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس آیت سے یہی معنی مراد ہونے کی
تصریح کی ہے۔ لیکن اخوند علیہ الرحمہ نے اس آیت کو اس کے ظاہری
معنی پر محمول فرمایا ہے۔

حق الیقین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بداہت عقل کے ذریعہ معلوم ہے
کہ عالم وجود کا نظام اور ہر موجود کے حالات کا انتظام وحدت معبود کے
بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ جبکہ ایک گھر میں دو سردار۔ ایک شہر میں دو حاکم
اور ایک سلطنت میں دو بادشاہ ان کے اوضاع اور حالات کو مختل اور
فاسد کر دینے کا باعث ہوتے ہیں۔ تو پھر کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آسمانوں
زمینوں اور کارخانہ عالم دنیا کی اس وسعت کے لئے وجود دو خداؤں کے
ذریعہ یہ ساری مخلوقات انتظام پذیر ہو کر باقی رہے۔ اور گو کہ اس تقریر
کی صحت اور درستی اختلاف طبائع پر مبنی اور موقوف ہے۔ نیز باہمی
موافقت اور مصلحت کی رعایت کے احتمال کی نفی بھی اس سے نہیں ہو سکتی
لیکن اس سے مزعومہ کفارہ کا ابطال مقصود ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ مختلف
طبائع رکھنے والے بہت سے خداؤں کا ادعا کرتے تھے۔ حالانکہ اختلاف
رائے اختلاف طبائع کے لوازم میں سے ہے۔ اور دوسری شقوں کا
ابطال دوسرے دلائل سے وابستہ ہے۔ جو اپنے مقام میں واضح کر
دیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ بعض علماء نے تقریر فرمائی ہے۔ کہ اگر دو خدا
فرض کئے جائیں تو لامحال علم و قدرت و ارادہ وغیرہ صفات الوہیت
سے متصف ہوں گے۔ لہذا جب وہ دونوں ایک وقت میں کسی مقدمہ معین

کے ایجاد اور پیدا کرنے کا قصد کریں گے۔ تو معاملہ دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ یا وہ دونوں اس مخلوق کے لئے مستقل علتیں ہوں گی۔ یا نہ۔ شق اول میں مستقل علتوں کا تعدد اور توارد لازم آتا ہے حالانکہ وہ باطل ہے۔ کیونکہ جب ان میں ہر ایک علت مستقلہ ہے۔ تو پھر اس چیز کے وجود کیلئے صرف یہی علت مستقلہ کافی ہوگی۔ لہذا دوسری علت کا لغو ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ تحصیل حاصل محال ہے نیز جب وہ مخلوق صرف ایک علت کے ذریعہ وقوع پذیر ہو سکتی ہو۔ تو پھر ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ اور وہ بھی محال ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ آپ نے ایک زندیق کے جواب میں فرمایا تھا کہ تیرا یہ قول کہ خدا دو ہیں۔ باطل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر دو خدا ہوں تو واقعہ تین حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ ایک یہ کہ وہ دونوں قدیم اور صاحب قوت ہوں دوسرے یہ کہ وہ دونوں ضعیف اور کمزور ہوں۔ تیسرے یہ کہ ان میں سے کوئی قوی ہو اور دوسرا ضعیف۔ حالانکہ تینوں صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ دونوں قوی ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے کوئی ایک انفرادی طور پر تدبیر عالم کو انجام کیوں نہیں دیتا۔ اور دوسرے کو ہٹا کیوں نہیں دیتا۔ کیونکہ قوت کا تقاضا تو یہی ہے۔ کہ دوسرے کو ہٹا کر خود منفرد بالتدبیر ہو جائے۔ اور اگر تیرا گمان ہو کہ

لہ :۔ اصول الکافی ج ۱ صفحہ ۸۰ کتاب التوحید باب حدوث العالم و اثبات المحدث حدیث ۵ ۔ مترجم

ایک قوی ہے۔ اور دوسرا کمزور۔ تو ثابت ہو جائے گا۔ کہ جو "قوی ہے۔ خدا صرف وہی ہے۔ اور جو "کمزور ہے۔ وہ اپنے اس عجز کی وجہ سے خدا نہیں ہو سکتا۔ جو اس سے ظاہر ہوا ہے۔" اور اسی سے واضح ہو گیا کہ دونوں کے کمزور ہونے کی صورت میں ایک بھی خدا نہیں ہو سکتا۔ شق اول میں حضرت صادق آلِ محمدؐ علیہم السلام کا یہ فرمانا کہ ایک قوی دوسرے کو ہٹا کیوں نہیں دیتا۔ یہ دلیل تمانع یا ترجیح بلا مرجح کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو دفع کر دینے اور ہٹا دینے پر قادر نہیں ہے۔ تو دونوں کا عاجز ہونا لازم آتا ہے۔ جو شان خداوندی کے منافی ہے۔" اور اگر دوسرے کے دفعیہ پر قادر ہو۔ مگر ایک دوسرے کو دفع نہ کرے تو پھر معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ کیونکہ یا تو معاملہ کو اس نے دوسرے کے ذمہ اپنے اختیار سے چھوڑا ہو گا۔ تو اس سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ یا یہ صورت مستلزم تعطل و استغناء ہو جائے گی۔ لہذا ایک خود معطل اور بیکار ہو جائے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ معطل اور اس کے فیض وجود کا دروازہ مغلق اور مسدود ہو جائے۔ بھلا کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس عظمت قدرت اور جود کے باوجود معطل ہو کر رہ جائے۔ اور کوئی اس کی ذات کی طرف محتاج نہ ہو۔

اگر کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں خدا آپس میں اتفاق کر لیں اور باہمی موافقت کے ذریعہ کبھی یہ کام کر لے۔ اور کبھی وہ کرے تاکہ دونوں

کا معطل ہونا لازم نہ آئے۔ تو ہم جواباً کہیں گے کہ تھک جانا گھبرا جانا، خستہ اور ماندہ پڑ جانا خدا کے لئے ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ اُمور معین و مددگار کی طرف احتیاج لازم آنے کے موجب ہوتے ہیں۔ اور راحت و آرام طلب کرنے کے باعث بنتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کچھ شان خداوندی کے خلاف ہے۔ لہذا عالم میں دو خداؤں کا وجود خدا کے بے فائدہ اور عبث و بیکار ہونے کا باعث بنتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اس سے بلند بالا ہے۔ لہذا کتاب توحید میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے جو کچھ منقول ہے۔ وہ اسی مطلب پر محمول کیا جاتا ہے۔ کہ حضرتؑ سے سوال کیا گیا کہ ما الدلیل علی ان اللہ واحد۔ کہ اس پر کیا دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ یکتا و یگانہ ہے۔ تو حضرتؑ نے فرمایا۔ اتصال التدبیر وتمام الصنع اس کی دلیل ہے۔ مسلسل اور دائمی تدبیر اور کارکردگی کا کمال جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا کہ اگر زمین و آسمان میں کئی خدا ہوتے تو وہ فاسد ہو کر رہ جاتے۔

حضرت جناب امیر المومنین امام المتقین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اور طریقے سے اس مطلب پر استدلال اور احتجاج فرمایا ہے آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو جو وصیت فرمائی تھی۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرزند اگر تیرے پروردگار اللہ جل شانہ کا کوئی شریک یعنی کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ضرور تیرے پاس اس کے بھی رسول تشریف لاتے

[1] :۔ نہج البلاغہ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب مدظلہ صہ ۶۶۹

اور اس کی بھی کتابیں نازل ہوتیں اور یقیناً آپ کو اسی کی سلطنت اور اس کے ملک و مملکت کے آثار بھی نظر آتے۔ اور اس کے صفات اور افعال کی پہچان اور معرفت بھی آپ کو حاصل ہو جاتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیگر کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ صرف اللہ جل شانہ خدا ہے۔ جو واحد لاشریک اور بے مثل و بے مثال ہے۔

اخوند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کا یہ فرمان ذیشان توحید پروردگار کے لئے برھان قاطع اور دلیل ساطع ہے۔ کیونکہ واجب الوجود وہ ہو سکتا ہے۔ جو ہر کمال پر قادر اور فیاض مطلق ہو۔ اور جبکہ ایک خدا ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اپنی معرفت اور عبادت کی تبلیغ کے لئے ارسال کر کے اپنی مخلوق کی راہنمائی کرتا ہے۔ تو العیاذ باللہ اگر کوئی دوسرا خدا بھی ہوتا تو وہ بھی اپنی معرفت اور عبادت کی خاطر یقیناً کوئی پیغمبر تو ضرور بھیجتا۔ لہذا اگر فرض کیا جائے کہ کوئی اور خدا ہے۔ تو یقیناً وہ یا قادر نہیں بلکہ عاجز ہے۔ اور یا حکیم نہیں ہے۔ جاہل ہے۔ اور ان میں سے کوئی صفت بھی واجب الوجود کے لئے جائز نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ دیگر کوئی خدا نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

اور یہ احتمال بالکل غلط اور بیکار ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دو خدا ہوں اور ہر ایک ان میں سے الگ الگ عالم میں متصرف اور نافذ الامر ہو۔ اور اس دوسرے کی خبر ہمارے اس عالم میں نہ پہنچی اور منتشر نہ ہوئی ہو اور اس کے پیغمبر اور سفیر اسی کی مملکت اور سلطنت سے مختص ہوں۔ اور اس احتمال کے

[1] :۔ تفسیر صافی صہ ۵۰۲

غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہر خدا عالم، قادر، دانا، توانا، اور حکیم ہوتا ہے۔ اگر احتمال مذکور کی کوئی حقیقت ہوتی تو کیسے ہو سکتا تھا، کہ ایک علیم و قدیر اور حکیم خدا اپنے وجود ذیجود کو ممکنات سے مخفی رکھتا۔ نیز یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اللہ جل شانہ کہ جو حکیم و علیم ہے۔ وہ العیاذ باللہ دروغ گوئی اور جھوٹ سے کام لیتے ہوئے اپنے شریک نظیر اور مثل کی نفی کے متعلق اس قدر مبالغہ اور زبردست اہتمام کرتا جو اہتمام کہ اسلام میں کیا گیا ہے۔ حالانکہ دروغ گوئی اور جھوٹ خدا کی ذات کے لئے روا اور ممکن نہیں۔ کلا ذلك ظن الذين كفروا فويل لهم من النار۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ کفار کی اٹکل پچو باتیں ہیں جن کے باعث وہ ملاعین جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ان مباحث کی تفصیل "نقضاً و ابراماً" اکثر کتب کلامیہ میں مذکور ہے۔ جو شخص ان پر مطلع ہونے کی خواہش رکھتا ہو۔ اسے ان کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ چونکہ مباحث دقیقہ کو حیطۂ تحریر میں لانا اس رسالہ کے لائق نہیں لہذا ہم نے ان کے تذکرہ سے پہلو تہی اختیار کی ہے۔

توحید کے دلائل نقلیہ

توحید کے ادلۂ نقلیہ انتہائی واضح ہیں۔ کیونکہ توحید نہ صرف آیات و روایات متواترہ کے ذریعہ ثابت ہے۔ بلکہ تمام انبیاءؑ کی اخبار کے ذریعہ

اور تمام ادیان حقہ کے نزدیک ضرورۃً و بداہتہً متحقق اور ثابت ہے چنانچہ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ لا الٰه الا الله الواحد القهار۔ کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کہ جو یکتا و یگانہ اور ہر شئی پہ غالب ہے۔ کوئی لائق عبادت نہیں۔ نیز فرمایا۔ لا الٰه الا هو يحيي ويميت۔ کہ سوائے ذات پاک پروردگار کے کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ نیز فرمایا۔ الله لا اله الا هو الحي القيوم۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔ وہ ازل سے زندہ اور ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہے۔ اور اس مقصد کے اثبات کے لئے صرف سورہ توحید ہی کافی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک نبیؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ قل هو الله أحد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد۔

حضرت صادق آلِ محمدؐ امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے اس سورہ کے شان نزول کے متعلق مروی ہے کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے۔ اور کہا کہ آپ ہمیں اپنے پروردگار کے نسب سے آگاہ کیجئے۔ تو اس وقت یہ سورہ نازل ہوئی۔ قل هو الله احد۔ کہ اے محمدؐ مصطفےٰ! ان سے کہہ دیجئے کہ جس خدا کے متعلق تم سوال کرتے ہو وہ یکتا اور یگانہ ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔ الله الصمد۔ کہ وہ مرجع خلائق ہے۔ ہر امر میں سب کے سب اس کے محتاج ہیں۔ اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نیز وہ حوادث اور وصف

ل ۱۔ اصول الکافی ج ۱ ص ۱۶۲ کتاب التوحید باب النسبۃ حدیث ۱ - مترجم

انفعال کا محل نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ لفظ صمد کی تفسیر اس سورہ کا تتمہ ہے۔ لم یلد کسی کو اس نے جنا نہیں۔ لہذا کوئی اس سے پیدا نہیں ہوا کفار مکہ جو کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ یہ غلط محض ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے ان کی تردید کے لئے فرمایا۔

أم اتخذ مما یخلق بنات واصفاکم بالبنین۔ "پ ۲۵ ع ۱ الزخرف آیت نمبر ۱۶"، کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے بیٹیوں کو اختیار کیا اور تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا کہ جو بیٹیوں کی نسبت زیادہ شرف والے ہوتے ہیں۔ یعنی ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ خداوند عالم ادنی چیز خود اختیار کرے اور اعلیٰ تم کو دے! اور نصاریٰ نے جو کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کا فرزند ہے۔ نیز بعض یہود نے کہا تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ یہ سب کچھ لغو اور غلط ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کے لیے فرمایا۔ قالت الیہود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذلک قولہم بافواھہم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل قاتلھم اللہ أنی یوفکون، "پ ۱۰ ع ۱۰ التوبۃ آیت ۳۰"۔ یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ اور نصاریٰ نے کہا حضرت عیسیٰؑ خدا کا فرزند ہے۔

یہ ان کا وہ قول ہے، جو وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں اور ان لوگوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، جو پہلے سے کفر اختیار کر چکے۔ اللہ تعالیٰ

انہیں تباہ کرے۔ وہ کس طرف بہکے پھرتے ہیں۔

ولم یولد ۔ اور نہ وہ کسی سے متولد ہوا۔ تاکہ اس کی طرف محتاج ہو اور لازم آئے کہ وہ ذات پاک ماں باپ رکھنے والی ہے۔ اور نصاریٰ کے اعتقاد کے مطابق کہ جو حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے غیر سے متولد ہوا۔ اور والدہ رکھنے والا ہو۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

ولم یکن لہ کفواً احد۔ کہ کوئی بھی اس کی مثال شبیہ اور نظیر نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی کوئی شریک نہیں رکھتا۔

باطل فرقوں کی تردید

جاننا چاہیئے کہ توحید کے اس صحیح اور اظہر من الشمس عقیدہ میں چند باطل فرقوں نے مخالفت اختیار کی ہے۔ پہلا فرقہ ثنویہ مانویہ اور دیگر مجوس ہیں۔ کیونکہ ثنویہ مانویہ اپنے زعم باطل کے لحاظ سے دو اصل ازلی اور قدیم ثابت کرتے ہیں۔ ایک نور اور دوسرے ظلمت۔ ان کا گمان ہے۔ کہ یہ دونوں ازلی ہیں۔ اور مجوسی دونوں کو ازلی نہیں کہتے بلکہ نور کو ازلی اور تاریکی کو حادث جانتے ہیں۔ اور اس کے حدوث کے سبب کے متعلق ان میں اختلاف ہے۔ اور مجوس کا ایک شعبہ کیومرثیہ

کہلاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ یزدان قدیم ہے۔ اور اس سے مراد نور ہے۔ اور اہرمن حادث اور مخلوق ہے۔ اور اس سے مراد ظلمت و تاریکی ہے ظلمت کی خلقت کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یزدان نے ایک مرتبہ فکر و اندیشہ کیا کہ اگر کوئی اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے تو وہ کیسے ہوگا۔ یہ ناقص اور ردی فکر تھا۔ جو طبیعت نور کے شایان شان نہ تھا۔ لہذا اس فکر سے ظلمت پیدا ہو پڑی اور اس کا نام اہرمن رکھا گیا۔ اور چونکہ ظلمت کی طبیعت میں شر و فتنہ داخل تھا۔ اس لئے اس نے طبیعت میں بھی اور قول و کلام میں بھی نور کی مخالفت کی۔ اور نور پر چڑھائی کر دی۔ چنانچہ لشکر ظلمت اور لشکر نور کے درمیان جنگ واقع ہوئی۔ بالآخر فرشتوں نے ان کے درمیان اس صورت پر مصالحت کرائی۔ کہ سات ہزار سال تک عالم سفلی اہرمن کے ہاتھ میں رہے گا۔ اور اس کے بعد یزدان یعنی نور کے قبضہ میں دے دیا جائے گا۔ اہرمن نے اس کے بعد ان سب کو قتل کر دیا۔ جو اس مصالحت سے پہلے موجود تھے اور کیومرث نامی ایک شخص کو پیدا کر دیا۔

زردشتیہ بھی مجوس کی ایک صنف ہے۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ نور اور ظلمت دونوں خدائے وحدہ لاشریک کی مخلوق ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ عالم دنیا نور و ظلمت دونوں کے باہمی امتزاج اور اختلاط سے پیدا ہوا ہے۔ ان کا گمان ہے ساری کائنات ان دو کی طرف منسوب ہے۔ یزدان سے خیر و خوشی پیدا ہوتی ہے۔ اور اہرمن سے شر اور فساد صادر ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ نور اصل ہے۔

اور ظلمت نور کے تابع ہونے میں بمنزل سائے کے وجود کے ہے۔ اس کی طبیعت کے باعث اس کا سایہ پیدا ہو گیا۔ یہ لوگ کیومرث کو پہلا پیغمبر جانتے ہیں۔

مجوس کے بہت کچھ شعبے ہیں۔ جو بے شمار واہی اقوال رکھتے ہیں اور اکثر ان میں سے آتش پرست ہیں۔ ان کو گبر کہتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے المجوس کان لھم نبی فقتلوہ وکتاب فمزقوہ۔ مجوس کا ایک نبی تھا۔ جسے انہوں نے قتل کر دیا۔ اور ان کی طرف آسمانی کتاب بھی نازل ہوئی تھی جسے انہوں نے پھاڑ ڈالا۔

ثنویہ کی تردید

فرقہ ثنویہ کے رد کیلئے اللہ جل شانہ کا یہ فرمان کافی ہے۔ جعل الظلمات والنور،، پ ۷ ع ۶ ۔ الانعام آیت ۱ ،، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر تاریکی اور نور کو پیدا فرمایا۔ یہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں۔ خالق اور مدبر نہیں ہیں۔ بعض لوگوں نے ثنویہ کے قول کی تاویل کی ہے۔ کہ نور سے مراد صورت ہے۔ کہ جو کمال ہے۔ اور فعلیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور تاریکی سے مراد مادہ ہے۔ جو کہ ہر شر کا مبدا ہے۔ مگر یہ تاویل قول ثنویہ کی وہ تاویل ہے جس پر خود ثنویہ راضی نہیں۔ لہذا یہ تاویل غلط اور بے جا ہے۔ بہر حال جو لوگ مادہ اور صورت کو قدیم جانتے ہیں جیسے مثلاً حکماء و فلاسفہ یونان

لوگوں نے بھی "وادی" شرک سے باہر قدم نہیں رکھا" مثل ثنویہ فلاسفہ بھی بیابان شرک میں ہی سرگرداں ہیں۔ لہذا ثنویہ کی مراد نور اور ظلمت سے جو بھی ہو بہرحال اہل دین وارباب ملت اسلامیہ کے عقیدہ کے منافی ہے۔

حضرت مولانا طبرسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب احتجاج[1] میں تحریر کیا ہے کہ آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثنویہ پر احتجاج قائم کیا کہ کیا چیز تمہارے لئے اس کا باعث ہوئی کہ تم نے دو خدا قرار دیئے تو کہنے لگے کہ ہم نے عالم دنیا کو دو قسموں پر پایا۔ ایک قسم خیر ہے اور دوسری شر اور خیر شر کی ضد ہے۔ لہذا ہم اس کے قائل ہو گئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنا جداگانہ فاعل اور علیحدہ خالق رکھتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ برف سے گرمی کے اثر کا ظاہر ہونا محال ہے جیسے کہ آگ سے سردی کے اثر کا ظہور ناممکن ہے۔ لہذا اس وجہ سے ہم دو ایسے خالقوں کے قائل ہوئے جو کہ قدیم ہیں۔ ایک ظلمت کے لیئے اور دوسرا نور کیلئے۔

آنحضرت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم اسی عالم دنیا میں سیاہی۔ سفیدی۔ سرخی۔ زردی سبزی اور کبودی" یعنی نیلے رنگ"، کو نہیں پاتے ہو۔ کیا یہ متضاد رنگ اسی عالم میں موجود نہیں ہیں" ہر ایک ان میں سے دوسرے کی ضد ہے۔ کیونکہ ان

[1] :۔ الاحتجاج للطبرسی ج صنا۔

میں سے دو رنگ بیک وقت محل واحد میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ثنویہ نے کہا کہ بیشک یہ متضاد رنگ دنیا میں موجود ہیں۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ پھر تم نے ان رنگوں میں سے ہر رنگ کے لئے ایک جداگانہ اور علیحدہ خالق کیوں نہ قرار دیا تاکہ تم اتنی تعداد میں خداؤں کے قائل ہو جاتے۔ جتنی تعداد میں یہ رنگ موجود ہیں؟ کیسے تم نے یہ جائز قرار دیا کہ ان اضداد کثیرہ میں سے دو ضدیں ایک فاعل سے ظہور پذیر ہو سکتی ہیں چنانچہ آنحضرتؐ کا یہ کلام حق ترجمان سن کر ثنویہ نے اپنے لب و دہن پر مہر سکوت لگا دی اور بحر شرمندگی میں غوطہ زن ہو گئے۔

۲ فرقہ وثنیہ کا رد

باطل فرقوں میں سے دوسرا باطل فرقہ وثنیہ یعنی بت پرست ہیں۔ یہ عبادت اور سجدہ میں معبود حقیقی اللہ جل شانہ' کے غیر کو شریک کرتے ہیں۔ اور بتوں کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ بلکہ یہ انہیں اپنی جائے امید اور حاجت روائی کی جگہ خیال کرتے اور ان کے متعلق توقع رکھتے ہیں کہ یہ بت نفع پہنچا سکتے۔ اور خوف رکھتے ہیں۔ کہ یہ نقصان اور ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ بعض آفتاب اور دیگر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ بعض آگ کی پرستش کرتے۔ اور بعض پانی کی۔ اور اکثر ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ جن کو وہ اپنے ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہیں۔

احتجاج[1] طبرسیؒ میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آمنت باللہ لا شریک لہ وکفرت بالجبت وبکل معبود سواہ۔ کہ میں اللہ جل شانہٗ پر ایمان لایا ہوں کہ جو یکتا و یگانہ اور بے مثل و بے مثال ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اور جبت اور دیگر ہر اس معبود سے میں انکاری ہوں۔ کہ جو اللہ تعالٰی کے علاوہ لوگوں نے بنا لئے ہیں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آذر بت تراشا کرتا تھا۔ چنانچہ وہ بت تیار کر کے حضرت ابراہیمؑ کو دیتا کہ ان کو جا کر فروخت کر آیئے۔ حضرت ابراہیم اگرچہ بچے تھے مگر وہ بت پرستی سے انکاری چنانچہ وہ بت کے گلے میں رسی باندھ لیتے اور از روئے اہانت ان کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے چلتے اور پانی کیچڑ اور پھٹ "وغیرہ" میں داخل کر کے ان سے کہتے۔ کھاؤ، پیو۔ ارے بات کرو۔ جواب دو کہ کھاتے کیوں نہیں پیتے کیوں نہیں۔" اور لوگوں میں یوں اعلان کرتے پھرتے کہ کون ہے۔ جو ایسی چیز کو خرید کرے۔ جو اسے نفع تو نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن ضرر اور نقصان پہنچا دے گی۔ اور ایسا کہنے سے ان کا مقصد لوگوں کو یہ راہنمائی کرنا ہوتا تھا کہ ایسی چیز خرید کرنے کے لائق نہیں۔ چہ جائیکہ وہ پرستش اور عبادت کرنے کے لائق ہو۔

احتجاج[2] طبرسیؒ میں منقول ہے کہ جب مشرکین عرب آنحضرت جناب

[1]۔ الاحتجاج ص۱
[2] الاحتجاج للطبرسی ص۱۱

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مجادلہ اور جھگڑا کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے تو حضرت نے فرمایا کہ تم ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ جن کو خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہو۔ تو کہنے لگے اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔ کہ یہ اس کے باعث درگاہ پروردگار میں ہمارے تقرب کا واسطہ اور وسیلہ بنیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا یہ بت کہ جو از قبیل جمادات ہیں۔ ان کو فہم و دانش اور عقل و شعور ہی حاصل نہیں تو کیا یہ بھی حکم ربی کی اطاعت کرنے والے ہو سکتے اور عبادت خدا بجالانے کے باعث درگاہ یزدانی کے مقرب شمار ہو سکتے ہیں۔ کہ تم ان کی تعظیم کو اللہ جل شانہ کے قرب کا وسیلہ خیال کرتے ہو؟ تو وہ عرض گذار ہوئے کہ نہ ایسا تو بتوں سے صادر ہونا ہی ممکن نہیں تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ بت تمہاری عبادت اور تمہاری پرستش کرتے۔ بشرطیکہ ان کے لئے یہ ممکن ہوتا۔ کیونکہ تم نے اپنے ہاتھوں سے ان کو تراش کر بنایا ہے۔ نہ یہ کہ الٹا تم ان کی عبادت کرو۔ پھر یہ کہ خدا نے ان بتوں کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ وہ تمہاری تمام امور کے انجامات اور مصالح کا علم رکھنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پر از حکمت کلام کو جب مشرکین عرب نے سُنا تو ان میں اختلاف واقع ہو گیا۔ بعض نے تو کہا کہ مخلوق خدا میں سے بعض افراد اللہ تعالٰی کے مقرب تھے۔ خدا ان میں حلول کر آیا تھا۔ لہذا ہم ان کی تصویریں بناتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔

تاکہ اس کے ضمن میں ان بزرگواروں کی تعظیم ہم سے صادر ہو جائے بعض نے کہا کہ یہ تصویریں مقربان خدا کی تصویریں ہیں۔ "ہم ان تصویروں کی نہیں؛" ان مقربین کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سجدہ پر مامور کیا تھا، تو ملائکہ نے تو یہ شرف حاصل کیا۔ لیکن ہم اس شرف سے محروم رہ گئے۔ لہٰذا ہم حضرت آدمؑ کی تصویر بنا کر اسے سجدہ کرتے ہیں۔ تاکہ ہم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا اسی طرح تقرب حاصل کریں۔ جس طرح کہ ملائکہ نے حضرت آدمؑ کے سجدہ کے ذریعہ تقرب حاصل کیا تھا۔ اور اس کی مثال ایسے ہی ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بقول آپ کے آپ کو مکہ میں کعبہ معظمہ کی جانب رخ کر کے سجدہ کرنے پر مامور کیا تھا۔ لیکن تم نے مکہ کے علاوہ دیگر ہر مقام میں بھی ان مسجدوں محرابوں میں بھی سجدہ کرنا شروع کر دیا۔ جو تم لوگ اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو اور اس تعظیم اور سجدہ سے اصل کعبہ کی تعظیم کا قصد بلکہ معبود حقیقی کی تعظیم کا قصد پیش نظر رکھتے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام گروہوں کے استدلالات کا ایک ایک کر کے بطریق احسن جواب دیا۔ حضرتؐ کے کلام عالی مقام کا ماحصل یہ ہے کہ پہلے گروہ کے جواب میں حضرتؐ نے استحالہ حلول کو بیان فرمایا اور وضاحت فرمائی کہ کسی چیز میں حلول کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن اور محال ہے۔ کیونکہ حلول کرنا تو صرف جسم کے عوارض میں سے ہے۔ جیسے مثلاً رنگ۔ بو۔ ذائقہ۔ نرم ہونا سخت اور کھردار ہونا۔ وزنی اور بھاری

ہونا۔ ہلکا اور خفیف ہونا وغیرہ اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ کہ اسے اپنے مخلوقات سے مشابہت حاصل ہو۔ ورنہ اس کا بھی ایسے حادث ہونا لازم آئے گا جیسے کہ مخلوقات حادث ہے۔ اور خالق و مخلوق میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا اور جبکہ اصل حلول ہی باطل ہے۔ تو اس کی فروع بھی یقیناً باطل ہیں۔

دوسرے فرقہ کے جواب میں حضرتؐ نے فرمایا کہ جب تم نے بندگان خدا میں سے ایک بندے کی صورت کے سامنے اپنی جبین نیاز خاک مذلت پر رکھ دی تو اس شہنشاہ حقیقی کی تعظیم و اجلال کے لئے

لے :۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذات خداوند عالم کا بھی کسی چیز میں حلول کرنا محال ہے اور اس کے صفات کا حلول بھی محال ہے کیونکہ اس کے صفات عین ذات ہیں وہ صفات انضمامیہ کی قسم سے نہیں بلکہ صفات انتزاعیہ کی قسم ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی چیز میں اس طرح حال نہیں ہو سکتی جیسی طرح دیگچے کے پانی میں اس کے نیچے جلنے والی آگ کی گرمی حال ہو کر پانی کو گرم کر دیتی ہے۔ اور رومال میں رکھے ہوئے پھولوں کی خوشبو رومال میں حال ہو جانے کے باعث اسے خوشبودار کر دیتی ہے۔ کیونکہ اگر صفات باریتعالیٰ کسی چیز میں حال ہوں تو ان کا بو، رنگ وغیرہ کی طرح حادث ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ وہ حادث نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کے صفات مخلوق کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتے۔ ویسے عالم کی ہر شئی اور کائنات کا ہر ذرہ اس کی صفات کا مظہر ہے۔ لیکن اس کا یہ معنی ہے کہ ہر شئی اس کی صفات کمال پر دلالت کرتی اور اس کے علم و قدرت کی دلیل ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے صفات کسی چیز میں حلول کر جاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ شئی اس کے صفات کا مظہر بنتی ہے۔ مترجم

آپ نے کون سا طریقہ باقی چھوڑا. جو مالک الملک اور محسن کل اور ہر شئی کا پیدا کرنے والا ہے. کیا تم اس قدر بھی تمیز اور دانش نہیں رکھتے کہ خالق کو مخلوق اور مالک کو مملوک کے ساتھ تعظیم کے طور و طریقہ میں مساوی اور برابر نہیں رکھا جا سکتا. کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک عظیم الشان اور جلیل القدر بادشاہ ہو. اور اس کا ایک غلام ہو. اور تم جو اس کی رعایا ہو ان دونوں کی تعظیم یکساں اور مساوی طور پر بجا لاؤ. اگر تم ایسا کرو گے تو کیا اپنے آقا کی تعظیم کا فریضہ انجام دینے میں کوتاہی نہ کرو گے؟ اور اس کے شان عالی کے اظہار میں کمی واقع نہ کر بیٹھو گے؟ بے شک یہ طریقہ اختیار کرنا اس ملک دیان، محسن حقیقی کے شان میں کوتاہی اس کا استخفاف اور توہین ہے.

تیسرے فرقہ کے جواب میں حضور پر نور نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قیاس باطل کے ذریعہ اپنے اور ہمارے حال کو برابر قرار دے دیا ہے. حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے. کیونکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم اور اس کے امر سے کرتے ہیں. اپنے دل سے کوئی من گھڑت طریقہ تیار نہیں کر لیتے. ہم اپنے خالق کو سجدہ کرتے ہیں. اور اپنا رخ اسی طرف کرتے ہیں. جس طرف کا وہ حکم کرتا ہے. اور اسی طور و طریقہ پر عمل کرتے ہیں جس کا وہ امر کرتا ہے. اس نے ہمیں حکم دیا کہ کعبہ کی طرف سجدہ کرو تو ہم نے کعبہ کو سجدہ کیا. اور اس کے حکم کی اطاعت اور تعمیل کی. اور اس نے حکم فرمایا

ل:- الاحتجاج للطبرسی صہ۱۱

کہ دیگر علاقہ جات میں مسجدیں اور محراب بنا کر ان میں بسوئے کعبہ رخ کر کے سجدہ کیا کرو تو ہم اس کا حکم بجا لائے. ہم نے کسی چیز کو اپنی طرف سے اختراع اور ایجاد نہیں کیا. خداوند عالم نے فرشتوں کو حضرت آدمؑ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا. اس کی مورتی اور اس کی صورت بنا کر اس کی طرف سجدہ کرنے کا حکم تو خدا نے نہیں دیا تھا. لہذا قیاسؑ فاسد کے ذریعہ اس کی مورتی اور صورت کو تم نے کیوں اپنا مسجود بنا لیا. کیا اگر کوئی شخص تمہیں اذن دے کہ فلاں مکان میں فلاں روز تم داخل ہو جاؤ تو کیا ایسا جائز

ل:- اس سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ نبی. ولی یا امام و پیشوا کو سجدہ کرنا بھی جائز نہیں. اور کسی بزرگ کی مزار یا دیگر کسی متبرک مقام کو بھی سجدہ کرنا جائز نہیں کیونکہ سجدہ اسی چیز کی طرف جائز ہے. جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو. اور خدا نے ہمیں صرف کعبہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے. لہذا ہم کعبہ کو قبلہ بنا سکتے ہیں دیگر کسی چیز کو کعبہ پر قیاس کر کے قبلہ نہیں بنا سکتے. علی ھذہ القیاس حضرت آدمؑ کی طرف سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم ہوا تھا. ہمیں یہ حکم نہیں ہوا تھا کہ ہم اب حضرت آدمؑ کی مورتی یا ان کی قبر کو قبلہ بنائیں. یا کسی دیگر بزرگ نبی یا امام یا ولی کی مورتی یا ان کے مزار کو قبلہ قرار دیں. اگر کوئی شخص ایسا کرے تو یہ قیاس مع الفارق اور ان بت پرست کفار کی اقتدا ہو گی. جن کو آنحضرتؐ نے ان کے اس قیاس باطل سے روکا تھا. بلکہ شخص مذکور ان کفار سے بدتر ہو گا کیونکہ ان کو آنحضرت صلعم نے جب سمجھایا تو وہ باز آ گئے. اور مشرف بہ اسلام ہو گئے. مگر یہ شخص آنحضرت صلعم کی ان تعلیمات پر مطلع ہونے کے باوجود اپنی ضد پر مصر ہے. (مترجم)

ہو سکتا ہے کہ اسی مکان میں تم کسی اور دن کو داخل ہونے کی جرأت کرو۔ یا اس کے کسی اور مکان میں داخل ہو جاؤ جس مکان میں داخل ہونے کی اس نے اجازت نہیں دی۔ یا کوئی شخص تمہیں کوئی چیز مثلاً کپڑا۔ یا گھوڑا۔ یا غلام عطا کرے تو کیا تمہارے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ تم اس معین شئی کے بدلے اس کے مال میں سے اس کی مثل کوئی دوسری شئی اٹھا لو۔

انہوں نے عرض کیا کہ نہ ایسا تو نہیں کیا جا سکتا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ پھر یہ بتایئے کہ خداوند عالم اس کا زیادہ حقدار ہے۔ کہ اس کے ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کیا جائے یا اس کی مخلوق اس امر کی زیادہ حقدار ہے۔ وہ عرض گذار ہوئے کہ بے شک خداوند عالم اس کا زیادہ حقدار ہے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پھر تم کیوں چند مورتیوں کو سجدہ کرتے ہو؟ خدا نے کب تمہیں ان کے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے؟ چنانچہ آنحضرتؐ کا یہ کلام بلاغت نظام سن کر سب خاموش ہو گئے۔ پھر کہا کہ اس کے جواب کے لئے ہم مہلت چاہتے ہیں۔ مگر چند دنوں کے بعد وہ حضورؐ کی خدمت میں آئے۔ اور مشرف بہ ایمان ہو گئے۔

۳۔ فرقۂ نصاریٰ کی تردید

تیسرا باطل فرقہ نصاریٰ ہیں۔ جو تین خداؤں کے قائل ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کہ جسے وہ باپ کا نام دیتے ہیں۔ دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کہ اسے خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ تیسرے روح القدس اور بعض جگہوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا مریم اور عیسیٰؑ ان تینوں کو خدا جانتے ہیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی وہ اختیار کریں بہر صورت وہ باوجود اس کے اپنے آپ کو موحد شمار کرتے ہیں۔ وہ متضاد عقائد اور متناقض کلمات کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس جہت سے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا جانتے ہیں، وہ عیسیٰ علیہ السلام کے قدیم ہونے کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ ان کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں، وہ ان کے حادث ہونے کے قائل بنتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسول خداؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ کے جواب میں فرمایا تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ قدیم خدا حادث ہو گیا ہے۔ تو تم ایک امر محال کے قائل ہو گئے ہو۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ قدیم حادث ہو جائے! اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ حادث یعنی عیسیٰ علیہ السلام قدیم بن گئے۔ تو یہ بھی محال ہے۔ کہ حادث قدیم بن جائے۔ نیز اسی طرح تثلیث میں توحید اور توحید میں تثلیث والا عقیدہ بھی ان کا متناقض اور متضاد ہے۔ جس کا بطلان کسی عقلمند پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص تین خداؤں کا قائل ہو وہ خدا کو واحد اور یکتا جانتا ہو۔ اور اسی طرح جو صرف ایک خدا کا قائل ہو۔ وہ تین خداؤں کا اعتقاد کیسے رکھ سکتا ہے۔ ارشاد قدرت

لہ :۔ الاحتجاج للطبرسی ص۳

ہے۔ ولا تقولوا ثلثة انتھوا خیرا لکم انما اللہ الٰہ واحد سبحٰنہ ان یکون لہ ولد۔ پ ۶ ع ۳ النساء۔ آیت ۱۷۱۔

یعنی اے اہل کتاب یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس قول باطل سے باز آجاؤ۔ اور اس اعتقاد کو اختیار کرو۔ جو تمہارے لئے بہتر ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ جل شانہ ہی لائق پرستش اور مستحق عبادت ہے جو کہ یکتا و یگانہ اور وحدہ لاشریک ہے۔ اور اس کی ذات اس سے پاک اور بلند و بالا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔

بعض روایات میں وارد ہوا ہے۔ کہ نجران کے نصاریٰ جب سید انس و جان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں مناظرہ کرنے کیلئے حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ ہم نے انجیل میں اس نبی کے متعلق کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے گا۔

یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ وہ نبی آخر الزمان ہوگا۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا۔ اور آپ ان کو برا کہتے ہیں۔ اور ان کے حق میں دشنام دہی سے کام لیتے ہیں کیونکہ وہ خدا ہے۔ اور خدا کا بیٹا ہے۔ آپ اسے بندہ قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا نہیں کہتا۔ اور ان کے حق میں دشنام طرازی نہیں کرتا۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ عیسیٰ خدا کا رسول اور خدا

کا بندہ تھا۔ وہ بذات خود اپنے نفع و نقصان[1]۔ حیات و موت اور مرنے کے بعد پھر قبر سے زندہ ہونے پر قادر نہ تھا۔ نصاریٰ نے بزعم خود عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے پر استدلال کرتے ہوئے کہا کہ کیا کسی بندے سے وہ کام ہو سکتے ہیں۔ جو عیسیٰ علیہ السلام سے ظہور پذیر ہوئے۔ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ نابینوں کو بینائی عطا کرتے تھے۔ مریض کو شفا دے دیتے تھے۔ امور غیب کی خبریں دیتے تھے۔ اور یہ وہ کام ہیں جو یا خدا سے ہو سکتے ہیں۔ یا خدا کے بیٹے سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ معجزات جو تم نے ذکر کئے ہیں۔ بے شک برادرم عیسیٰ علیہ السلام اس خدا کی قدرت اور اذن

---

[1] نفع نقصان سے مراد وہ امور ہیں۔ جو انسان کی قدرت سے باہر ہوتے ہیں۔ مثلاً تندرست ہونا بیمار ہونا وغیرہ۔ مترجم۔

[2] خدا کی قدرت اور اذن کے لفظ سے معلوم ہوا کہ معجزہ معجز نما کی قدرت سے نہیں خدا کی قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ معجز نما کا نہیں خدا کا فعل ہوتا ہے۔ جسے وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت معجز نما کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا ہے۔ جس سے جہاں معجز نما کے دعویٰ نبوت یا امامت کی تصدیق ہوتی ہے وہاں معجز نما کی شان کی عظمت اور بلندی پر بھی دلالت ہوتی ہے۔ اور معجزہ کے قدرت خدا کے ذریعہ واقع ہونے اور فعل خدا ہونے پر بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث معصومین علیہم السلام دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ وما تلک بیمینک یاموسیٰ قال ھی عصای اتوکؤ علیھا واھش بھا علی غنمی

سے ظاہر فرماتے۔ اور عمل میں لاتے تھے۔ جو یکتا و یگانہ اور بے مثل و بے مثال ہے۔ جیسے دیگر انبیاء بھی اپنے معجزات خداوند عالم کی قدرت اور اذن

ولی فیها مآرب اخری قال القها یا موسیٰ فالقاها فاذا هی حیة تسعی قال خذها ولا تخف سنعیدها سیرتها الاولی

پ ۱۶ طٰہٰ آیت ۱۸ تا ۲۱۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ کہ ان کی لاٹھی اژدھا بن جاتی تھی۔ اس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ آواز قدرت آئی کہ اے موسیٰؑ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر سہارا لے کر چلتا ہوں اور اس کے ذریعہ اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس سے میری دیگر ضرورتیں بھی وابستہ ہوتی ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اسے زمین پر پھینک دو۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے وہ لاٹھی زمین پر پھینک دی تو اچانک وہ ایسا سانپ بن گیا۔ جو زمین پر دوڑ رہا تھا۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ اے موسیٰ اسے پکڑ لو۔ اور ڈرو مت ہم اسے عنقریب اس کی پہلی شکل پر لوٹا دیں گے۔ ان آیات میں متعدد الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ لاٹھی کا سانپ بن جانا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قدرت سے نہ تھا۔ بلکہ وہ قدرت خدا کا کرشمہ تھا۔ پہلا لفظ "اذا" فجائیہ ہے۔ جو کسی چیز کے ناگہانی اور غیر متوقع صورت میں واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو یہ علم ہی نہ تھا کہ یہ لاٹھی سانپ بن جائے گی۔ اس لئے لاٹھی کا سانپ بن جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قدرت

سے عمل میں لاتے تھے۔ مگر باوجود اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا مطیع اور فرمانبردار بندہ تھا۔ اور وہ اس چیز کو اپنے لئے عیب

سے نہیں خدا کی قدرت سے واقع ہوتا تھا۔

دوسرا لفظ "لا تخف" ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سانپ کو دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ چنانچہ دوسری آیات میں اس کی صراحت موجود ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ فلما رآها تهتز کانها جان ولی مدبرا ولم یعقب یموسیٰ اقبل ولا تخف انك من الآمنین پ ۲۰ ع ۲

القصص آیت ۳۱۔ کہ جب موسیٰؑ نے اسے اس طرح دوڑتا ہوا دیکھا کہ گویا وہ اژدھا ہے۔ تو پشت پھیر دی۔ ..... اور پیچھے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا تو اللہ جل شانہ کی طرف سے ندا آئی کہ اے موسیٰؑ اژدھا کی طرف آگے بڑھو۔ اور ڈرو مت۔ بے شک تو امان پانے والوں اور محفوظ رہنے والوں میں سے ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس سانپ کو دیکھ کر ڈر جانا اس کی دلیل ہے۔ کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی قدرت سے سانپ نہیں بنا تھا۔ اور نہ ہی ان کو اس کا علم تھا کہ یہ عصا سانپ بن جائے گا ورنہ انہیں ڈر لاحق نہ ہوتا۔ لہذا ظاہر ہے کہ وہ عصا قدرت خدا سے سانپ بن گیا تھا۔ تیسرا لفظ ہے۔ سنعیدها سیرتها الاولی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی پہلی حالت پر لوٹانے کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عصا کا سانپ کی شکل اختیار کرنا بھی خداوند عالم کی قدرت سے واقع ہوا تھا اور واپس عصا کی شکل پر لوٹنا بھی خداوند عالم کی ہی قدرت سے واقع ہوا تھا

اور عار کا باعث نہیں سمجھتے تھے۔ اور بے شک علیٰؑ ایسا جسم رکھتے تھے جو گوشت۔ پوست اور خون ہڈیوں وغیرہ سے مرکب تھا۔ انہیں بھوک

حضرت موسیٰؑ نے نہ ہی لاٹھی کو سانپ بنایا تھا۔ اور نہ وہ اسے پھر عصا کی شکل پر لوٹا سکتے تھے۔ ورنہ قدرت کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کہ ہم اسے پہلی شکل پر لوٹا دیں گے۔ ان سب دلائل سے معلوم ہوا کہ معجزہ قدرت خدا سے واقع ہوتا ہے معجز نما کی قدرت سے واقع نہیں ہوتا۔

۲۔ نیز ارشاد قدرت ہے۔ وان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتاتیھم بایۃ۔ پ ۷ الانعام آیت ۳۵

لے نبی اگر ان کا روگرداں ہوجانا آپ کو ناگوار اور شاق ہے۔ تو پھر اگر تم ان کو معجزہ لا دکھانے پر قدرت رکھتے ہو تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر کے یا آسمان میں پہنچنے کے لئے سیڑھی لگا کر ان کو کوئی معجزہ لا دکھاؤ۔

تفسیر صافی صنہ۲۳ بحوالہ تفسیر قمی اس آیت کے شان نزول کے متعلق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا یہ چاہتے تھے کہ حارث بن نوفل بن عبد مناف اسلام لے آئیں۔ اس لئے آپ نے اسے دعوت دی اور بڑی کوشش کی۔ لیکن اس پر بد بختی غالب آگئی۔ اور وہ مشرف با اسلام نہ ہوا۔ فشق ذلک علی رسول اللہ فانزل اللہ ھذہ الآیۃ تو اس کا اسلام نہ لانا حضرت کو بہت ناگوار گذرا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لگتی تھی۔ تکان لاحق ہوتی تھی۔ کوئی نہ کوئی چیز کھانے کی انہیں احتیاج ہوتی تھی۔ لیکن خداوندِ عالم ان سب صفات سے پاک اور مبرا و منزہ

صاحب تفسیر صافی آگے چل کر لکھتے ہیں۔ اس آیت میں اس مطلب کو ادا کرنا مقصود الٰہی ہے۔ کہ آنحضرت اپنی قوم کے ایمان لانے کی بہت خواہش رکھتے تھے۔ وانہ لو قدر علی ذلک لفعل ولکنہ لم یقدر اور اس آیت میں یہ بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اگر معجزہ لا دینے پر قادر ہوتے تو لا دکھاتے۔ لیکن وہ قدرت نہ رکھتے تھے۔

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ معجزہ فعل خدا ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ بھی جب اس پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ تو دوسرا کوئی نبی یا ولی تو بطریق اولیٰ قدرت نہیں رکھ سکتا۔ لہذا معجزہ معجز نما کا فعل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ انما الآیات عند اللہ۔ پ ۷ الانعام آیت ۱۰۹۔ سوائے اس کے نہیں کہ سب معجزات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اس آیت کو سابقہ آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ سوائے خدا کے معجزہ پر کسی کو قدرت حاصل نہیں۔ کیونکہ "انما" کلمہ حصر ہے۔ جو صراحتہً اس مطلب پر دلالت کرتا ہے۔ کہ ہر معجزہ قدرت خدا سے واقع ہوتا ہے۔

۴۔ نیز فرمان الٰہی ہے۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۸۸ لے نبی کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے کے لئے جمع ہو جائیں۔ تو بھی اس کا مثل

ہے۔ لیس کمثلہ شئی۔ بعض روایات میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اس مناظرہ میں منقول ہے۔ جو حضرت نے جاثلیق نصرانی سے کیا تھا

نہیں لا سکیں گے۔ اگرچہ کہ اس کے متعلق وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے رہیں۔

قرآن پاک آنحضرت صلعم کا زندہ معجزہ ہے۔ اور یہ کلامِ خدا ہے۔ کلامِ رسول نہیں۔ رسولِ خدا نے اسے از خود نہیں بنا لیا تھا۔ بلکہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت مذکورہ اس امر کے لئے نص ہے۔ کہ آنحضرت ص سمیت تمام انسان قرآن کریم کی مثل کلام بنا لینے پر قادر ہی نہیں۔ اس لئے اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہوتا ہے۔

۵۔ نیز ارشاد پروردگار ہے۔ قال عیسی بن مریم اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا وآخرنا وآیۃ منک وانت خیر الرازقین۔ پ ۷ع۵۔ المائدہ ۱۱۴۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ع کے حواریین نے آپ سے کہا تھا کہ کیا تیرا رب اس پر قادر ہے۔ کہ آسمان سے ہم پر ایک دسترخوان نازل کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی فرمائش کرنے میں اللہ تعالے سے ڈرو۔ حواریین نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس دسترخوان سے کچھ کھائیں۔ تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ اپنے رسالت کے دعویٰ میں سچے ہیں۔ نیز ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس کے متعلق گواہ ہو جائیں۔ تو اللہ تعالے کو خطاب کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت کے الفاظ سے حضرت عیسیٰ ع نے دعا کی کہ پروردگارا ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل کر جو ہمارے اولین و آخرین کے لئے عید ہو

آپ نے فرمایا اے نصرانی! قسم بخدا ہم اس عیسیٰ ع کی نبوت کے قائل ہیں۔ جو آنحضرت ص نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرنے والے تھے۔ اور تمہارے پیغمبر عیسیٰ ع کی شان میں ہم سوائے اس کے اور کوئی اعتراض اور کوئی طعنہ زنی نہیں کرتے۔ کہ وہ عبادت خدا صوم و صلوٰۃ میں کمی کرتے تھے۔

بس حضرت کا یہ فرمانا تھا۔ کہ جاثلیق غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ تم نے حضرت عیسیٰ ع کی طرف ایسی چیز کی نسبت کیسے کر دی۔ کہ جو اس کی شان کے لائق ہرگز نہیں۔ وہ تو ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور شب کو عبادت خدا نماز میں بسر کر دیتے تھے۔

گی۔ اور تیری طرف سے معجزہ ہو گا اور جو میرے سچا ہونے کی دلیل ہو گی۔ اور بیشک تو تمام رزق دینے والوں سے افضل رازق ہے۔ چنانچہ وہ دسترخوان نازل ہوا۔ اور کئی دنوں تک نازل ہوتا رہا۔ بالآخر منکرین کفار نے اسے جادو قرار دیا تو ان پر عذاب نازل ہوا۔

لفظ "آیۃ منک" نص ہے کہ وہ دسترخوان معجزہ تھا۔ اور وہ عیسیٰ ع کی قدرت سے نہیں قدرت خدا سے پیدا شدہ نازل ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ ع اسے پیدا کرنے پر قادر ہوتے تو پھر انہیں دعا مانگنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی۔

۶۔ تفسیر قمی میں آیۃ غیر المغضوب علیھم کے تحت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ایک طولانی حدیث منقول ہے جس میں حضرت ع نے

جب نصرانی کی زبان سے حضرت نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا کہ اگر ایسا تھا تو پھر بتایئے کہ عیسیٰ جبکہ بندۂ خدا نہ تھے تو پھر عبادت کس کی کرتے تھے؟! اور کس طرح اور کیوں انہوں نے اپنا معبود قرار دے رکھا تھا اور کس لئے اپنے آپ کو مشقت اور گمان میں ڈالے رہتے تھے!۔ بس جاثلیق مبہوت ہو کر خاموش ہو گیا کوئی جواب اس سے نہ بن سکا۔

تصریح فرمائی کہ معجزہ ایسی شخصیت کا فعل نہیں ہو سکتا۔ جس کو کسی اعتبار سے احتیاج لاحق ہو۔ اور جو اپنے افعال اور صفات میں مخلوق کے ساتھ مشابہت اور شرکت رکھتا ہو۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ جو احتیاج اور ایسی مشابہت سے پاکیزہ ہے۔ نیز کتاب الاحتجاج للطبرسیؒ صد ۲۳۳ میں بھی یہی روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص حضرت جناب امیر المومنین علیہ السلام کو عبودیت سے بڑھائے گا وہ مغضوب علیہم سے ہو گا۔ یعنی "ان لوگوں میں سے ہو گا۔ جن پر خدا کا غضب نازل ہو گا نیز الضالین یعنی "گمراہوں سے ہو گا حضرت جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ کہ ہمیں عبودیت سے نہ بڑھاؤ یعنی الوہیت کے اوصاف ہمارے لئے ثابت نہ کرو۔ بعد ازاں جو چاہو سو کہو ہمارے فضائل کی انتہا کو نہیں پہنچ سکو گے۔ اور غلو نہیں کرتے پاؤ گے اور دیکھو ایسے غلو سے ہمیشہ بچے رہو۔ جیسے کہ نصاریٰ نے غلو کیا۔ فانی بری من الغالین۔ کیونکہ غالیوں سے میں بیزار ہوں اتنے تک حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ ہمارے لئے اپنے پروردگار اللہ جل شانہٗ کی شان بیان کیجئے۔ کیونکہ ہمارے ہاں جو لوگ رہتے ہیں ان میں اس کے متعلق اختلاف رونما

نیز نصاریٰ نجران کے مناظرہ میں وارد ہوا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر تم عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ کہتے ہو تو بتایئے کہ کون سا بندہ بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے؟ تا کہ عیسیٰ علیہ السلام

ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے بطریق احسن اللہ تعالیٰ کی شان بیان فرمائی۔ عظمت خدا کا تذکرہ فرمایا اور ایسے تمام اوصاف سے اس کی ذات کو مبرا اور منزہ قرار دیا۔ جو اس کی ذات والا صفات کے شایان شان نہیں سوال کنندہ عرض گذار ہوا کہ مولیٰ! ہمارے علاقے میں ہمارے ساتھ کچھ لوگ ایسے رہتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ یہ صفات جو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہیں۔ یہ سب علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہیں۔ اور علی علیہ السلام ہی تو اللہ تعالیٰ ہے جو کہ رب العالمین ہے۔ اور ساتھ ہی یہ لوگ آپ کی ولایت کا بھی دم بھرتے ہیں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ جناب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے جب یہ بات سُنی تو حضرت کے شانے مبارک کانپنے لگ گئے۔ اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمایا۔ پاک ہے وہ ذات پروردگار اس سے جو یہ کافرین و ظالمین کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام کیا کھانا کھانے والوں میں سے نہ تھے۔ اور پانی پینے والوں۔ نکاح کرنے والے اور حدث صادر کرنے والے اشخاص میں سے نہیں تھے۔ اور باوجود اس کے آپ نماز کے بڑے پابند تھے۔ اور دربار خدا میں بڑی عاجزی و زاری کرنے والے تھے۔ اور ذلت و عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے دربار میں جھکنے اور فروتنی کرنے والے تھے۔ کیا جس کے یہ صفات ہوں وہ معبود ہو سکتا ہے؟! اگر ایسا شخص مستحق عبادت معبود ہو سکتا

کو بھی اس کی طرح بندہ مانا جائے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کا وجود حضرت عیسٰیؑ سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ کیونکہ وہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔ اللہ تعالٰے قادر مطلق ہے۔ جس طرح وہ چاہتا ہے اپنی مخلوق کو وجود میں لاتا اور پیدا فرماتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز دشوار نہیں۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے "ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب"۔ کہ اللہ تعالٰے کے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ایسی ہے کہ

ہے۔ تو پھر تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو معبود اور لائق پرستش نہ ہو کیونکہ تم میں ہر شخص جناب امیرؑ کے ساتھ ان صفات میں شرکت رکھتا ہے کہ جو صفات ہر اس شخص کے حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو ان کے ساتھ متصف ہو۔

اس شخص نے کہا کہ اے فرزند رسول! وہ لوگ کہتے ہیں کہ علیؑ نے جب ایسے معجزات ظاہر کیے جن پر اللہ کے علاوہ کوئی شخص قادر نہیں ہو سکتا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ مستحق عبادت اور لائق پرستش معبود ہے۔ اور جب وہ حادثین اور عاجزین کے صفات میں مخلوق کے سامنے ظاہر ہوا۔ تو اس سے اس نے قصداً لوگوں کو التباس اور امتحان میں ڈالا تاکہ وہ اس کی معرفت حاصل کریں۔ اور ان کا ایمان اختیاری ہو۔

اس پر حضرت امام علیؑ رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ "اول ما ھھنا"۔ کہ پہلی بنیادی غلطی ہی ان کی یہی ہے کہ انہوں نے معجزہ اس شخصیت کا فعل قرار دے دیا جس میں حادثین و عاجزین اور صاحبان احتیاج کے صفات پائے جاتے ہیں اگر ان کی دلیل کو

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالٰے نے مٹی سے پیدا کر دیا۔

احتجاج طبرسی ص۹ کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک نصرانی نے دلیل نقلی کے ساتھ تمسک کرتے ہوئے کہا کہ کتاب آسمانی میں وارد ہوا ہے کہ عیسٰیؑ نے فرمایا "اذھب الی ابی" کہ میں اپنے باپ کی طرف جاتا ہوں تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اس کتاب پر اعتقاد رکھتے ہو تو اس کتاب میں تو یوں موجود ہے۔ "اذھب الی ابی وابیکم"۔ کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کی

انہیں کے خلاف قائم کیا جائے۔ تو وہ کوئی فرق ہی نہیں کر سکیں گے۔ اور کوئی صحیح جواب ہی نہ دے سکیں گے۔

یعنی اگر ان سے کہا جائے۔ لما ظھر منہ الفقر والفاقۃ دل علی ان من ھذہ صفتہ وشارکہ فیھا الضعفاء المحتاجون لا یکون المعجزات فعلہ۔ کہ جب جناب امیرؑ سے فقر و فاقہ اور احتیاج کا اظہار ہوا تو اس چیز نے دلالت قائم کر دی۔ کہ معجزات ایسے شخص کا فعل نہیں ہو سکتے۔ جس کی یہ صفت اور ایسی شان ہو جن میں ضعفاء اور محتاجین اس کے ساتھ شریک ہوں۔

فعلم بھذا ان الذی ظھر من المعجزات انما کانت فعل القادر الذی لا یشبہ المخلوقین لا فعل المحتاج المشارک للضعفاء فی صفات الضعف!

لہذا معلوم ہوا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے جو معجزات ظاہر ہوئے۔ وہ بس اس فاعل مختار قادر مطلق اللہ تعالٰی کا فعل ہیں۔ جو مخلوق کے ساتھ بالکل مشابہت

طرف جاتا ہوں۔ لہذا تمہیں چاہیے کہ صرف حضرت عیسیٰ ؑ کو ہی نہیں بلکہ تمام بندوں کو خدا کے بیٹے کہا کرو۔ اور جب تم ایسا نہیں کہہ سکتے تو اسی سے معلوم ہوا کہ باپ "یعنی اب" کا لفظ اس مقام پر رب اور تربیت کنندہ کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ دیگر کسی معنی میں استعمال نہیں ہوا۔

نہیں رکھتا، یہ اس شخص کا فعل نہیں ہو سکتے۔ جو صاحب احتیاج ہو۔ اور صفات ضعف میں ضعیفوں کے ساتھ اشتراک رکھنے والا ہو۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اس فرمان عالی شان سے بھی مثل روز روشن واضح ہو گیا کہ معجزات فعل خداوندی ہیں۔ کیونکہ آپ نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا کہ معجزہ اس کا فعل ہو ہی نہیں سکتا۔ جسے کھانے پینے، نکاح کرنے وغیرہ کی احتیاج لاحق ہوتی ہو۔ اور جو مخلوق کے ساتھ کسی جہت سے مشابہت رکھتا ہو۔

بہر حال معجزہ کا قدرت خدا سے صادر ہونا اور اس وجہ سے اس کا فعل خدا ہونا ایک مسلم امر ہے۔ جس کے دلائل قرآن و حدیث میں اس کثرت سے ہیں کہ اس وقت قلم و قرطاس کو یارائے احصاء نہیں۔ جس قدر آیات و احادیث نقل کر دیئے گئے ہیں۔ وہ اس مقصد کے اثبات کرنے کو کافی ہیں۔ بلکہ کافی سے زائد ہیں۔ لہذا زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔

"ازالۂ وہم"

بعض آیات اور احادیث میں معجزہ کا اسناد معجز نما کی طرف بھی واقع ہوا ہے

نیز مروی ہے کہ بعض نصرانی اپنے قول کی تاویل کے درپے ہوئے اور کہا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت خدا کا بیٹا تھا۔ بلکہ خدا نے ان کو بیٹا اس وجہ سے فرمایا کہ خدا کو ان کی عزت و اکرام اور اعزاز و احترام مقصود تھا اور یہ معنی عام شائع ہے۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ محاورات میں تو یہ بھی شائع ہے کہ جس شخص کی کوئی تعلیم

جس سے بعض کم سواد صاحبان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ معجزہ نبی یا امام کا فعل ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اسناد حقیقتاً نہیں مجازاً واقع ہوا ہے۔ اس لئے درحقیقت معجزہ فعل خدا ہوتا ہے۔ خواہ اس کا اسناد معجز نما ہی کی طرف کیوں نہ ہو۔ مثلاً ارشاد پروردگار ہے کہ۔ انی قد جئتکم بآیة من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابری الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ پ ۳ ع ۱۳ آل عمران آیت ۴۹ حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ وہ کہے گا کہ میں تمہارے لئے مٹی سے شکل پرندہ کی مثل "ایک مورتی" بناؤں گا پھر اس میں پھونکوں گا تو وہ اذن خدا سے پرندہ ہو جائے گا۔ اور میں اذن پروردگار سے اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفاء دوں گا۔ اور مردوں کو زندہ کروں گا

اس آیت میں شفاء دینے اور مردوں کے زندہ کرنے کو حضرت عیسیٰ ؑ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر یہ اسناد حقیقتاً نہیں مجازاً ہے کیونکہ مریضوں کی شفاء اور مردوں کا زندہ ہونا حضرت عیسیٰ ؑ کی دعا اور برکت سے منجانب اللہ متحقق پذیر ہوتا تھا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس شفاء و احیاء میں

کرنا چاہتا ہو۔ اے شیخ، بزرگ، سید اور آقا بھی کہتے ہیں۔ اور ان الفاظ میں احترام کی زیادتی ملحوظ ہوتی ہے۔ لہذا تمہارے نزدیک جائز ہونا چاہیئے کہ خداوند عالم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیخ سید اور اپنا آقا بھی کہتا ہے۔ مختصر یہ کہ خداوند عالم کی شان میں ان الفاظ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ جو خالق کی مخلوق کے ساتھ ایسی تشبیہ پر مشتمل ہوں۔ جو نقائص جسمانیہ کی طرف مشعر ہو تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے۔ جو کہ یہ ظالم کہتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔

بہت بڑا رابطہ اور تعلق حاصل تھا۔ اس لئے ان دونوں افعال کو مجازاً حضرت عیسیٰؑ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ اور ایسا مجاز کلام عرب میں بلکہ ہر زبان میں عموماً واقع ہوتا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ "جری النھر" نہر جاری ہو گئی۔ حالانکہ نہر جاری نہیں ہوتی۔ بلکہ نہر میں پانی جاری ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ نہر کو پانی سے ظرفیت کا رابطہ اور علاقہ حاصل ہے۔ اس لئے جریان کو مجازاً نہر کی طرف مسند کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے۔ "بنی الامیر المدینۃ" امیر نے شہر بنایا۔ حالانکہ شہر کو امیر نہیں بناتا۔ بلکہ مزدوروں اور معماروں کا عملہ بناتا ہے۔ لیکن امیر کے حکم سے وہ عملہ اپنی کارگزاری کو انجام دیتا ہے۔ اس لئے کہ امیر سبب آمر ہوتا ہے لہذا اس کی طرف مجازاً بنا کا اسناد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آیت مذکورہ میں ابراء اور احیاء کا اسناد بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مجازاً کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی دعا کے باعث اللہ تعالیٰ ان مریضوں کو شفاء اور مردوں کو زندگی عطا کرتا تھا۔ ورنہ در

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق پ ۶ النساء آیت ۱۷۱ کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے متعلق وہی کچھ کہو جو حق ہو یعنی پیغمبر خدا کی شان میں اس طرح غلو نہ کرو کہ اسے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے دو۔ نیز ارشاد قدرت ہے۔

ولن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون پ ۶ النساء آیت ۱۷۲ "

اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کو اپنے لئے نہ عیسیٰ علیہ السلام ناگوار اور مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور نہ ہی ملائکہ مقربین اس سے انکار کرتے ہیں۔ نیز فرمایا

ومن یستنکف عن عبادتہ ویستکبر فسیحشرھم الیہ جمیعاً۔ پ ۶ النساء آیت ۱۷۲ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت اور تکبر کریگا عنقریب ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں سزا دینے کے لئے جمع کریگا۔

حقیقت ابراء و احیاء عیسیٰؑ کی قدرت سے نہیں خدا کی قدرت سے واقع ہوتے تھے۔ اس لئے وہ خدا کے افعال تھے۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ ابراء و احیاء کا اسناد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مجازاً واقع ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان للشیخ ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسی ج ۲ ص ۴۴۵ - انما اضاف الاحیاء الی نفسہ علی وجہ المجاز والتوسع ولان اللہ تعالیٰ کان یحیی الموتی عند دعائہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احیاء کو اپنے نفس کی طرف بس مجاز کے طریقہ اور توسع کی صورت ہی سے اسناد کیا ہے۔ اور نیز اس وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو ان کی دعا کے وقت زندہ کرتا تھا۔

نیز یوم قیامت کی حالت کا بیان کرتے ہوئے اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے،
واذقال اللہ یا عیسیٰؑ ابن مریم أأنت قلت للناس اتخذونی وأمی
ألٰھین من دون اللہ " پ ۷ع المائدہ آیت ۱۱۶ " حاصل معنی یہ کہ
اللہ تعالیٰ بروز قیامت امت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عتاب کرنے
کے لئے فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریم کیا تونے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ
اللہ کی بجائے مجھے اور میری والدہ کو معبود قرار دے لیجئے۔

قال سبحانک ما یکون لی أن اقول مالیس لی بحق، ان کنت
قلتہ فقد علمتہ تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک
انک علام الغیوب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواباً عرض کریں گے کہ مجھے کیا ہوگیا تھا کہ
میں وہ کچھ کہتا جو کہنے کا مجھے حق حاصل نہ تھا۔ اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو
پروردگار تجھے اس کا ضرور علم ہوتا تو تو اسے بھی جانتا ہے۔ جو میرے
دل میں تھا۔ اور میں اسے نہیں جانتا تو تیرے علم میں گذرا تو ہر غیب
خوب جاننے والا ہے۔

لہٰذا نصاریٰ جس نقص وعیب وگناہ کا ارتکاب کرتے تھے حضرت

نیز تفسیر التبیان للشیخ أبی جعفر محمد بن حسن الطوسی شیخ الطائفہ ج ا ص ۴۱۸
قولہ واحیی الموتی باذن اللہ علی وجہ المجاز اضافہ الی نفسہ
وحقیقتہ ادعوا اللہ باحیاء الموتی فیحییھم اللہ فیحیون باذنہ۔
کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ واحیی الموتی باذن اللہ۔ کو مجاز کے طریقہ پر حضرت عیسیٰؑ

عیسیٰ علیہ السلام اس سے بری اور بیزار ہیں اور اس جماعت کی حماقت
اور جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ اس صلیب کی تصویر کی پرستش کرتے
ہیں جس پر ان کے زعم ناقص کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھایا
گیا تھا۔ اور اس کی تصویر کو اپنے گلے میں لٹکائے رہتے ہیں۔

منقول ہے کہ ابن قیم نے ایک نصرانی سے پوچھا کہ صلیب کو تونے
گلے میں کیوں لٹکا رکھا ہے۔؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو جس صلیب پہ سولی چڑھایا گیا تھا یہ اس کی شبیہ ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ
کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے محبت رکھتے تھے۔ کہ ان کی تصویر لٹکائی
جائے؟ نصرانی نے کہا کہ نہیں، پھر ابن قیم نے کہا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام
گدھے پہ سوار ہوا کرتے تھے؟ اور اس پہ سوار ہو کر اپنے مقصد کو جایا
کرتے تھے؟ نصرانی نے کہا کہ جی ہاں! ابن قیم نے کہا کہ آیا حضرت عیسیٰؑ

نے اپنی طرف مسند کیا ہے اور در حقیقت آپ کا مطلب یہ کہنا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے
مردوں کے زندہ کرنے کی دعا کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کردے گا۔ اور وہ
باذن خدا زندہ ہو جائیں گے۔

نیز تفسیر آلاء الرحمٰن شیخ محمد جواد البلاغی النجفی ج ۱ ص ۲۸۵ وانما نسب الا
حیاء الاحیاء الیہ لانہ السبب ببرکتہ ودعائہ فی ظہور ھذا المعجز
من اللہ علی یدہ۔ سوائے اس کے نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے ابراء واحیاء کو اپنی
طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہی ان کے ہاتھ پہ اس معجزہ کے ظاہر
ہونے کا اپنی دعاء اور برکت کے باعث سبب تھے۔ ان حوالہ جات سے بخوبی واضح

اپنے اس گدھے کی بقا چاہتے تھے۔ جس پر سوار ہو کر حضرت اپنے کام کار کیلئے منزل مقصود تک جاتے تھے، نصرانی نے کہا کہ جی ہاں! ابن تیم نے کہا کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام اس سے محبت رکھتے تھے۔ کہ ان کا گدھا زندہ باقی رہے تا آنکہ آپ اس پر سوار ہو کر منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ نصرانی نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ تو ابن تیم نے کہا کہ تم لوگوں نے اس چیز کو تو ترک کر دیا جس کی بقاء کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں چاہتے تھے۔ اور اس چیز کو تم نے اپنی گردن میں ڈال لیا۔ جس چیز پر حضرت با دل نخواستہ سوار ہوئے تھے۔ اور اس سے کراہت رکھتے اور اسے نہیں چاہتے تھے۔ یعنی تم نے گدھے کو چھوڑ دیا۔ اور صلیب کی صورت کو

ہو جاتا ہے کہ احیاء اور ابراء کا فاعل خداوند عالم تھا۔ عیسیٰ کا یہ فعل نہیں تھا۔ بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کا فعل تو دعا کرنا تھا خداوند عالم ان کی دعا کے باعث شفا بھی دے دیتا اور زندہ بھی کر دیتا تھا۔ چنانچہ احادیث آئمہ علیہ السلام میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف دعا کرتے تھے۔ اور شفاء اور احیاء قدرت خدا سے واقع ہوتا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ تفسیر صافی صد۲۸ بحوالہ الکافی للکلینی و تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی ایسے شخص کو مرنے کے بعد زندہ کیا تھا۔ جس نے پھر زندہ ہو کر پھر کچھ کھایا بھی ہو، یعنی اسے رزق بھی دیا گیا ہو۔ اور اس کی پھر اولاد بھی ہوئی ہو۔ تو فرمایا کہ ہاں عیسیٰ علیہ السلام کا ایک دوست تھا جو کہ عص قریۃ اہل اللہ اس کا دوست اور بھائی بنا ہوا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام جب

گلے میں ڈال لیا۔ حالانکہ عقل کا تقاضا یہ تھا کہ گدھے کی صورت کو تم گردن میں لٹکاتے اور صلیب کی صورت کو تم اپنے سے دور رکھتے قریب تک نہ آنے دیتے۔ اور جب تم نے اس کے خلاف طریقہ کو اختیار کیا تو سمجھ لو کہ تم دانستہ جہالت کے راستہ پر چل رہے ہو۔

اس کے پاس سے گزرتے تو اس کے گھر اترا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک عرصے تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے غائب رہے۔ اور پھر ان کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو اس کے گھر تشریف لے گئے تاکہ اس سے سلام دعا کریں۔ اتنے میں اس کی والدہ باہر آئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے اس کے فرزند کے متعلق دریافت کیا تو جواباً اس نے کہا کہ یا رسول خدا وہ تو مر گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ اسے تو دیکھے کہا کہ جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں کل اسے باذن خدا زندہ کروں گا۔ دوسرے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اور اس کی والدہ سے فرمایا کہ میرے ساتھ اس کی قبر کی طرف چلو، چنانچہ دونوں چل پڑے۔ حتیٰ کہ اس کی قبر پر پہنچے۔ فوقف عیسیٰ ثم دعا اللہ فانفرج القبر وخرج ابنھا حیا۔ تو حضرت عیسیٰ اس کی قبر کے پاس ٹھہر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کی قبر شگافتہ ہو گئی۔ اور اس عورت کا فرزند زندہ ہو کر باہر آگیا۔ انتھی بقدر الحاجۃ۔ یہی روایت ملاحظہ ہو۔ تفسیر البرہان ج ۱ ص ۱۶۶، ۱۶۷ نیز تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۴۴۹ و غیرہ کے الفاظ تفصیلاً منقول ہیں۔ اور اس میں اس کی والدہ کی بجائے اس کی بہن کا تذکرہ ہے۔ نیز تفسیر مجمع البیان میں ایک لڑکی کا زندہ کرنا بھی منقول ہے۔ لکھا ہے کہ

رد اقوال صوفیہ بوجوہ عقلیہ ونقلیہ

چوتھا باطل فرقہ صوفیہ کا ہے. جو کہ متعدد فرقے ہیں . اور ان کی بہت سی شاخیں ہیں. لیکن ان کے محققین وحدت وجود کے قائل ہیں. وہ کہتے ہیں کہ سوائے خدا کے اور کوئی موجود ہی نہیں ہے. جو کچھ ہے. وہ اسی کا مظہر ہے. وہ دریا اور اس کی موجوں اور مٹی اور کوزے کی مثالیں پیش کرتے ہیں. یعنی وہ کہتے ہیں کہ موج دریا بھی دریا ہی کا مظہر ہے. اور کوزہ بھی مٹی کی ایک شکل ہے. اسی طرح ہر موجود خدا وندِ عالم ہی کا مظہر ہے. اور اسی کے وجود کی ایک صورت ہے اور ان کا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ کیا آپ اس لڑکی کو زندہ کریں گے. وہ کل مرگئی ہے. فدعا اللہ فعاشت وبقیت وولدت. تو حضرت عیسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی. تو وہ زندہ ہو گئی. کافی عرصہ تک زندہ رہی اور اس نے اولاد بھی جنی.

نیز اس تفسیر میں حضرت سام ابن نوحؑ کے زندہ کرنے کا بھی ذکر ہے. چنانچہ لکھا ہے. وسام بن نوح دعا علیہ باسم اللہ الاعظم کہ سام بن نوح کے متعلق حضرت عیسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی تو آپ اپنی قبر سے زندہ ہو کر باہر آگئے. جبکہ آپ کے نصف سر کے بال سفید ہو چکے تھے. انتھی بقدر الحاجۃ.

یہ گمان باطل ہے. کہ جو موحد حقیقی ہم ہی ہیں. اس طرح کہ ہم خدا کے سوا کسی کو موجود ہی نہیں سمجھتے. حالانکہ ان کا یہ واہی خیال اور گمان اس کو مستلزم ہے کہ وہ ہر چیز کو خدا کہیں کیونکہ وہ واجب الوجود پر ممکن کا حمل اتحاد وجود کے باعث جائز سمجھتے ہیں. اور اس تقدیر پہ مصادیق واجب کی کثرت کی کوئی انتہا نہ ہوگی. اور یہ توحید کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ جو فرقے دو خداؤں کے قائل ہیں. جیسے مثلاً ثنویہ وہ بھی کافر ہیں تو پھر ان لوگوں کی حالت انتہائی قابل افسوس ہے کہ یہ ہر چیز کو خدا جانتے ہیں. اور عوام کو مغالطہ دینے اور تمام مخلوقات پہ حقیقت کو مشتبہ رکھنے کے لئے علماء دین کے خوف کی وجہ سے اپنے ان مضامین کفر آمیز کو اپنی عبادتوں میں اشاروں کے ذریعہ ادا کرتے ہیں. اور اس ذریعہ سے اپنے عیب کو پردہ پوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں. اور مومنین بایقین کی گرفت کے وقت واہی اور رکیک تاویلات کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اپنے شان کی بلندی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کوئی شخص ہمارے کلام کو سمجھ نہیں سکتا. اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو علم باطن کا عالم قرار دیتے اور علماء دین کو علم ظاہری کا عالم کہتے ہیں. اور دعوے کرتے ہیں کہ علماء

ان سب روایات اور علماء کے تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے. تو اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور برص کے مریضوں کو شفایاب کر دیتا تھا. لہذا معجزہ فعل خدا ہوتا ہے فعل معجز نما نہیں ہوتا.

دین کو جاہئے، بیان کی دقائق اور باریکیوں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ انتہائی بے حیائی کے باعث علماء دین کو قشر یین کا نام دیتے ہیں مطلب ان کا یہ ہوتا ہے کہ علماء دین کی نگاہ صرف پوست اور چھلکے تک پہنچ سکتی ہے۔ کلام کے مغز تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا طور و طریق طور عقل سے جداگانہ ہے۔

لیکن برتن میں جو کچھ ہوتا ہے۔ وہی اس سے ظاہر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اہل بصیرت پر حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی بلکہ ان کی ایک جماعت نے اپنے چہرے سے پردہ حیا کو اٹھا کر ان مطالب کی تصریح کر دی ہے۔ چنانچہ قدوۃ المحققین اسوۃ المجتہدین جناب علامہ فہامہ والد ماجد نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ نے کتاب ذوالفقار میں نقل فرمایا ہے کہ اس مذہب والوں کے اعتقاد کا ماحصل یہ ہے کہ تمام عالم اور ساری دنیا عین ذات خدا ہے۔ فرق صرف اعتباری ہے۔ اللہ تعالیٰ العیاذ باللہ کبھی اپنے آپ کو ابلیس کی شکل میں ظاہر کرتا ہے اور

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اصول الکافی، کتاب الحجۃ باب مولد ابی جعفر علیہ السلام حدیث نمبر ۳ بسند حسن مرقوم ہے۔ عن أبي بصير قال دخلت على أبي جعفر فقلت له أنتم ورثة رسول الله قال نعم قلت رسول الله وارث الأنبياء علم كلما علموا قال نعم قلت وأنتم تقدرون على أن تحيوا

کبھی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں۔ اور کبھی کتے اور خنزیر کی شکل میں اور کبھی انسان کی صورت میں، کبھی وہ خدا و تمام عالم کو دریا سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور عالم دنیا کو موجوں سے اور کبھی خدا کو مٹی سے اور مخلوق کو کوزے سے اور کبھی اللہ جل شانہ کو سیاہی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور مخلوقات کو حروف سے اور تشریح یوں کرتے ہیں۔ دریا عین امواج ہے۔ اور مٹی عین کوزہ اور سیاہی عین حروف ہیں۔ فرق صرف اعتباری ہے اسی طرح خدا عین مخلوقات ہے۔ اس مضمون کے انہوں نے اشعار بھی نظم کئے ہیں۔ ناچ، گانے، حال اور وجد کو کمال

الموتى وتبرئوا الأكمه والأبرص قال لي نعم بإذن الله ثم قال لي ادن مني يا أبا محمد فدنوت منه فمسح على وجهي وعلى عيني فأبصرت الشمس والسماء والأرض والبيوت وكل شيء في البلد ثم قال لي أتحب أن تكون هكذا ولك ما للناس وعليك ما عليهم يوم القيامة أو تعود كما كنت ولك الجنة خالصا قلت أعود كما كنت فمسح على عيني فعدت كما كنت قال وحدثت ابن أبي عمير بهذا فقال أشهد أن هذا حق كما أن النهار حق.

حضرت ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ کیا آپ "آئمہ معصومین" رسول خدا کے وارث ہیں، فرمایا کہ ہاں۔ ہم ان کے وارث ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ کیا جناب رسول خدا انبیاء کے وارث تھے، یعنی جو کچھ انبیاء جانتے تھے اس سب کا علم آنحضرت

معرفت و عبادت سمجھتے ہیں۔ ان کے بزرگوں کے اشعار میں سے یہ اشعار بھی ہیں۔

بمریداں آں فقیر محتشم	بایزید آمد کہ نک یزداں منم
گفت مستانہ عیاں آں ذوفنون	لاالٰہ الا انا ھا انا عبدون

کہ باحشمت فقیر بایزید اپنے مریدوں کے ساتھ آیا اور کہا کہ زبان یزداں میں ہوں اس صاحب فنون مستانے نے واضح طور پہ کہا کہ میرے سوا دیگر کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ لہذا آؤ میری عبادت کرو۔

صاحب کتاب فی نہج بیدی کہتا ہے کہ حضرت سید شریف قدس سرہ

جناب رسول خدا کو حاصل تھا فرمایا کہ ہاں حاصل تھا۔ تو میں عرض گذار ہوا کہ کیا تم سے دیگر انبیاءؑ کی طرح مردوں کو زندہ کرتے اور اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دینے پر قادر ہو۔ تو فرمایا کہ ہاں باذن خدا اس چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔ یعنی دیگر انبیاءؑ کی طرح خدا وند عالم سے دعا کر کے مردوں کو زندہ اور اندھوں اور برص والوں کو شفایاب کرا سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے ابو محمد میرے قریب آجاؤ۔ چنانچہ حکم پاتے ہی میں حضرت کے قریب پہنچا تو حضور پرنور نے اپنا دست میرے چہرے اور دونوں آنکھوں پہ پھیرا تو میں بینا ہو گیا۔ چنانچہ سورج، آسمان، زمین اور مکانات وغیرہ سب چیزیں میں نے دیکھ لیں جو کہ اس شہر میں موجود تھیں پھر حضرت نے فرمایا کہ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ اسی طرح بینائی کے ساتھ رہے۔ اور بروز قیامت تیرا حساب و کتاب دیگر لوگوں کی طرح ہو یا یہ چاہتا ہے کہ تو اپنی پہلی نابینائی کی حالت پر لوٹ جائے اور بلا حساب تجھے جنت ملے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے

بیان کرتے ہیں کہ ایک عالم علم کلام اور صوفی نے باہم مناظرہ کیا۔ متکلم نے کہا کہ میں اس خدا سے بیزار ہوں کہ جو کتے اور بلی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ صوفی نے کہا کہ میں اس خدا سے بیزار ہوں کہ جو کتے اور بلی میں ظہور نہیں کرتا۔

مولف کتاب آقا سید حسین اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ ماضی قریب میں مشائخ صوفیہ میں سے ابن ملجم ملعون کے ہمنام عبد الرحمٰن نامی ایک شیخ کے پاس بعض ثقہ اور قابل اعتماد احباب کو جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ شیخ صوفی خالق کے عین مخلوق ہونے کا قائل اور اس کی تصریح کرنے میں ذرہ بھر پرواہ نہ کرتا تھا وہ مسجد میں چراغ جلائے بیٹھا تھا۔ اتفاقاً ایک کتا مسجد میں داخل ہوا۔ اس شیخ نے کتے کو نہ مارا نہ روکا آنے دیا۔ کتا چراغ کے پاس پہنچا اور اُسے نیچے گرا کر بجھا دیا۔ بس اب کیا تھا۔ شیخ صوفی نے اپنی معرفت اصطلاحیہ

اپنی پہلی حالت پر لوٹ جانا پسند ہے۔ چنانچہ حضرت نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو پھر میں اسی طرح نابینا ہو گیا جیسے کہ پہلے تھا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابن ابی عمیر سے یہ حدیث بیان کی تو اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ واقعہ اسی طرح صحیح اور حق ہے کہ جس طرح یہ موجودہ دن حق ہے۔

اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ آئمہ علیہم السلام مردوں کو زندہ کرنے اور اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دینے پر قادر تھے۔ کیونکہ سائل نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ انتم تقدرون علی ان تحیوا الموتی الخ۔ کیا تم مردوں کو زندہ کرنے اور اندھے اور مبروص کو شفا دینے پر قادر ہو تو حضرت نے جواباً فرمایا کہ ہاں۔ لہذا معلوم ہوا کہ آئمہؑ ان معجزات پر قادر تھے۔ اس

کے کمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے شور مچا دیا اور کہا کہ سبحان اللہ، خود گھر
کے چراغ نے خود کو بجھا دیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس لغو اور بیہودہ
کلام سے خدا کی پناہ۔

نیز کتاب ذوالفقار میں اس گروہ کے لغویات کے تذکرہ میں لکھا ہے
کہ ان واہیات کے منجملہ بایزید کے وہ کلمات ہیں، جو اس نے منصور حلاج
کے حق میں کہے ہیں: کہ تو ہی وہ ذات اور وہ پاک خدا ہے کہ جس نے بت
وصورت کو ایک ہی راہ میں شکستہ کردیا ہے۔

ہے ثابت ہوا کہ معجزہ قدرت معجزنما سے واقع ہوتا ہے اور اسی کی قدرت کا فعل ہوتا
ہے۔ فعل خدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان لوگوں کا یہ استدلال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ
سائل کا یہ سوال مطلقاً قدرت رکھنے کے متعلق نہیں تھا۔ بلکہ اس طریقہ پر قدرت کے
اور معجزہ دکھانے کے متعلق تھا جس طریقہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزہ دکھاتے یعنی
مردوں کو زندہ کرتے۔ اور اندھوں اور برص والوں کو شفا دیتے تھے۔ کیونکہ سائل نے اس
سوال سے پہلے جو سوال کئے ہیں۔ وہ اس کی دلیل ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ پہلے سائل
نے سوال کیا کہ کیا آپ رسول اللہ کے وارث ہیں؟ پھر جب جواب اثبات میں ملا تو اس
نے دوسرا سوال کیا کہ رسول اللہ سابق انبیاء کے وارث تھے؟ اور جواب جب اثبات
کی صورت ملا۔ تو پھر یہ سوال کیا کہ کیا آپ مردوں کو زندہ اور اندھوں اور برص والوں
کو شفایاب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ سائل کا مقصد
اسی طریقہ پر زندہ کرنے اور شفا دینے کے متعلق سوال کرنا تھا۔ جس طریقہ پر حضرت
عیسیٰؑ یہ معجزات دکھاتے تھے۔ اور سابقاً احادیث کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہے کہ

اور ان کے ہی منجملہ شیخ فریدالدین عطار کے ابیات ہیں، جن کا ماحصل
یہ ہے کہ خود خدا ہی پیغمبر بنا اور پیغام لایا۔ اور خود ہی کافر بنا اور انکار کیا
خود ہی ہر گناہ کی سازش کرتا ہے۔ اور خود ہی پھر توبہ اور استغفار
کرتا ہے۔

شیخ محی الدین کہ جو قائلین وحدۃ الوجود کا رہبر اور پیشوا ہے۔ اس
نے باوجود اس کفر اور زندیقیت کا ارتکاب کرنے کے کتاب فصوص
میں اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل اور اولیاء کا خاتم قرار دیا ہے۔ وہ کبھی
تو حضرت نوح علیہ السلام کو خطا کار قرار دیتا ہے۔ اور کبھی فرعون کو
طاہر و مطہر اور پاک و پاکیزہ شمار کرتا۔ اور ابوبکر اور متوکل ملعون کو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے دربار سے دعا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ مردوں کو
زندہ اور اندھوں اور برص والوں کو شفا دے دیتا تھا۔ لہذا حضرت امام
محمد باقر علیہ السلام کا جواب بھی اسی صورت سے متعلق ہے۔ اس لئے حضرت باقرؑ
العلوم کے ارشاد پاک کا مطلب یہی ہے کہ ہم اس طرح یہ معجزات دکھا سکتے ہیں
جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام دکھاتے تھے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے دربار کی طرف
رجوع کر کے دعا کرتے ہیں۔ تو خداوند عالم ہمارے ہاتھ پر بھی اسی طرح معجزات
صادر فرما دیتا ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ وغیرہ کے ہاتھوں پر ظاہر فرماتا تھا۔
چنانچہ حضرت امام محمد باقرؑ کا اس کی آنکھوں اور منہ پر ہاتھ پھیرنا یہ اللہ تعالیٰ کے دربار
کی طرف رجوع کرنے اور اس سے دعا کرنے کی صورت پر ہی مشتمل تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
علیم بذات الصدور ہے امام نے دربار خداوندی کی طرف رجوع کر کے جب یہ ارادہ کیا کہ

ظاہر و باطن کا قطب قرار دیتا ہے۔ حالانکہ وہ خاندان اہل بیت اطہار کا دشمن تھا۔ اس نے اپنے کارکنوں کو حکم دیا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر پاک کا نشان تک مٹا دیں۔ اور اس جگہ ہل چلا کر کھیتی کاشت کر دیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کہ جو ان کا پیر دستگیر ہے۔ اس نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ روز عاشور عید کرنا چاہیئے۔ اور کہا کہ جس طرح ابوبکر کی وفات سوموار کی عید کے برطرف ہونے کا باعث نہیں ہوئی۔ حالانکہ وہ امام حسینؑ سے افضل ہے۔ اسی طرح امام حسین علیہ السلام کی وفات سے عاشور کی عید برطرف نہ ہوگی۔ اس گروہ کے اس قسم کے غلط اور خلاف حق اقوال اور باطل عقائد بکثرت اور بے شمار ہیں۔ اس مقام پر غرض اصلی وحدت

ابوبصیر بینا ہو جائے۔ تو یہی امامؑ کی دعا تھی جو اللہ تعالےٰ نے منظور فرمائی۔ اور اسے بینا کر دیا۔ لہذا یہ حقیقت اپنے مقام پہ باقی ہے کہ معجزہ فعل خدا ہوتا ہے۔ جو کہ معجزنما کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ امام عالی مقام نے باذن اللہ فرما کر اس مطلب کو ادا کر دیا تھا کہ صورت اعجاز کو جب اذن خدا ہوتا ہے۔ تو وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور اذن خدا ہی تو ارادہ خدا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ انما أمرہ اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون ۔ اور اس حدیث کا جو معنی ان استدلال کنندہ صاحبان نے سمجھ کر استدلال کیا ہے۔ وہ قرین صواب نہیں کیونکہ اگر یہ معنی مراد ہو تو اس حدیث اور سابقہ ان آیات اور احادیث کے مابین تناقص اور منافات قائم ہو جائے گی۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہوتا ہے۔ فعل معجز نما نہیں ہوتا حالانکہ آیات و احادیث میں تناقص ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مترجم۔

وجود کا بیان تھا دیگر امور طروا للباب ذکر ہوگئے۔

وحدت الوجود کے عقیدۂ فاسدہ کا بطلان عقل اور شرع شریف ہر دو کے لحاظ سے کلی طور پر ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ کفر صریح اور الحاد فضیح ہے۔ اور اس کو مستلزم ہے۔ کہ عذاب و ثواب جنت و جہنم بعثت انبیاء مرسلین کو مبعوث کرنا۔ آسمانی کتابوں کا نازل کرنا۔ شریعتوں اور ادیان کا مقرر کرنا نیز جنگ جہاد اور دیگر عبادات شاقہ وغیرہ سب کچھ غلط، بیجا، عبث، بے سود اور حماقت کا حکم رکھتے ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اہل تصوف کی مذمت میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر کر دینا اس مقام پر مناسب ہے۔ چنانچہ ان احادیث کے منجملہ وہ حدیث ہے۔ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لایقول بالتصوف احد الا لخدعة او ضلالة او حماقة کہ کوئی شخص تصوف کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ مگر وہی رکھتا ہے جو یا تو دھوکہ اور فریب کاری سے کام لینا چاہتا ہے۔ یا وہ گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یا حماقت کا شکار ہوتا ہے۔

وہ حدیث بھی ان احادیث میں سے ہی ہے۔ جسے شیخ جلیل بہاؤالدین محمد عاملی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا قیام قیامت سے پہلے میری امت میں ایک جماعت پیدا ہو گی جس کا نام صوفی ہوگا۔ وہ درحقیقت میری امت سے نہیں ہوں گے۔ بلکہ وہ یہود میں سے شمار ہوں گے۔

وہ کفار سے بھی بُرے اور بدتر اور اہل جہنم میں سے ہوں گے۔

نیز ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ زمان حاضر میں ایک قوم پیدا ہو گئی ہے۔ کہ لوگ جن کا نام صوفی رکھے ہوئے ہیں۔ حضور کا ان کے متعلق کیا ارشاد ہے؛ حضرت نے فرمایا لاریب کہ یہ لوگ ہم اہل بیت رسولؐ کے دشمن ہیں۔ جو شخص ان کی طرف مائل ہو اور ان سے محبت در عقیدت رکھتا ہو۔ وہ بھی ان میں سے ہی شمار ہو گا۔ اور وہ ان کے ساتھ ہی محشور ہو گا۔ بہت ہی جلد ایک اور قوم پیدا ہو گی۔ جو ہماری محبت اور دوستی کا ادعا کریں گے۔ اور باوجود اس کے وہ صوفیوں کی طرف مائل ہوں گے۔ لباس اور گفتار کلام میں وہ ان کی مشابہت حاصل کریں گے۔ اور اپنے آپ کو صوفیوں کے القاب سے ملقب کریں گے۔ اور ان کے ایسے اقوال کی وہ تاویل کریں گے۔ جو عین کفر اور زندیقیت ہوں گے۔ لہٰذا وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے۔ ہم ان سے بیزار ہیں۔ جو شخص ان سے نفرت اور انکار کرے اور ان کے اقوال کی تردید کرے۔ اس کا ثواب ایسے شخص کی مانند ہے۔ جس نے آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کا شرف حاصل کیا ہو ان صوفیوں کے جھوٹے اقوال اور ان کے خرافات سے یہ بھی ہے کہ وہ کشف اور شہود کا ادعا کرتے ہیں۔ اور جس قسم کے خیالات فاسدہ ان کے دل میں آتے ہیں کہتے ہیں اور ان خیالات کو وہ کشف سے تعبیر کرتے ہیں باوجودیکہ وہ

اعتراف کرتے ہیں کہ کشف شیطانی بھی ہوتا ہے۔ اور رحمانی بھی حالانکہ وہ کشف رحمانی کی پہچان کے لئے کوئی پختہ ضابطہ نہیں رکھتے۔ کشف شیطانی اور رحمانی کے امتیاز کا دارومدار اپنے عقل ناقص پر قائم کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ جو کشف سامنے سے اور دائیں جانب سے نمودار ہو۔ وہ فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور جو پیچھے اور بائیں جانب سے ظاہر ہو وہ شیطان سے ہوتا ہے۔ حالانکہ شیطان تو ہر جانب سے آسکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں شیطان ہی کی حکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ثم لاتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم پ ۸ ع ۱ الاعراف آیت نمبر ۱۷

ابلیس نے کہا کہ پھر میں ان بنی آدم کے سامنے سے ان کے پیچھے ان کے دائیں جانب سے اور بائیں جانب غرض ہر طرف سے ان پر حملہ کروں گا۔

جناب امیرؑ کا حسن بصری سے مکالمہ

مروی ہے کہ جنگ جمل یعنی جنگ عائشہ کے بعد جناب امیر المومنین علیہ السلام کا حسن بصری کے پاس سے گذر ہوا۔ کہ جو صوفیوں کا پیر تھا وہ اس وقت وضو کر رہا تھا، جناب امیرؑ نے فرمایا کہ وضو اچھی طرح کامل طور پر بجا لاؤ۔ کہنے لگا۔ تو نے بہت سے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ جو

شہادتین یعنی شہادت توحید و شہادت نبوت ادا کرتے اور کامل وضو اور نماز پنجگانہ بجالاتے تھے اور مجھے تم نصیحت کرتے ہو۔ حضرت جناب امیرؑ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے تو نے اسے دیکھا ہے۔ اگر میں باطل پر تھا تو پھر ہمارے دشمن کی امداد کرنے سے تو نے کیوں انحراف کیا؟ عرض کیا کہ یا امیر المومنین میں سچ کہتا ہوں کہ اس جنگ کے روز اول میں باہر نکلا تھا۔ اور میں نے غسل بھی کیا۔ اور حنوط بھی کر لیا۔ اور ہتھیار بھی اپنے بدن پر باندھ لئے در آنحالیکہ میں اس میں ذرا بھر شک نہ رکھتا تھا۔ کہ ام المومنین عائشہ کی امداد سے انحراف کفر ہے۔ میں چل پڑا تا آنکہ جب تک مقام حدیبیہ پر پہنچا تو ایک آواز میرے کان میں پڑی کہ اے حسن کہاں جا رہے ہو۔ واپس لوٹو کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں پہنچیں گے۔ چنانچہ میں واپس اپنے گھر لوٹ آیا۔ مگر میں خوفزدہ ہونے کی حالت میں تھا۔ پھر جب دوسرا دن ہوا تو پھر میرے دل میں خیال آیا کہ ام المومنین کی مدد کرنا ضروری اور لازم ہے۔ اور اس سے انحراف کفر ہے۔ چنانچہ پھر جب روز اول تیار ہو کر چل پڑا حتیٰ کہ اسی مقام پر پہنچا جس پر اگلے دن پہنچا تھا تو وہی آواز میں نے اپنے سر کے پیچھے سے سنی حضرت جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ تو سچ کہتا ہے۔ اچھا یہ تو بتائیے کہ آیا تو نے پہچانا تھا کہ وہ آواز کس کی تھی۔ کہا کہ یہ نہیں معلوم حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ندا دہندہ تیرا بھائی ابلیس تھا۔ اور اس نے ٹھیک کہا۔ کیونکہ عائشہ کے گروہ میں سے قاتل بھی اور مقتول بھی دونوں

جہنمی ہیں۔ انتہی محصل الروایۃ

ان صوفیوں کی عادت ہے کہ وہ آیات وروایات متشابہہ سے تمسک کرتے ہیں۔ اور بمفاد آیت مبارکہ فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ[1] ان آیات وروایات متشابہہ کو اپنی خواہش کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ آیات وروایات کسی طریقے سے بھی ان کے فاسد مدعا پر دلالت نہیں کرتیں۔ جیسے کہ ارشاد پروردگار ہے وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون[2]

پ ۲۶۔ الذاریات۔ آیت ۲۱

یہ صوفی لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ وجود حق تمہارے نفسوں میں ہے۔ کیا تم بصیرت نہیں رکھتے؟ یعنی اللہ تعالیٰ العیاذ باللہ خود تم میں سے ہر ایک کی ذات میں موجود ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں سکتے اور اطلاع حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ معنی شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالا ہے۔ ورنہ اس کا صحیح معنی کہ جو کسی صاحب فہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ ہے کہ اس کے وجود کے علامات خود تمہارے نفوس میں موجود ہیں۔ کیا تم ان کو دیکھ نہیں سکتے! اور اپنے

[1] پ ۳۔ آل عمران۔ آیت ۷۔ کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ وہ فتنہ و فساد پھیلانے اور اپنی خواہش کے مطابق تاویل کرنے کی غرض سے ان آیات کی اتباع کرتے ہیں جو کہ متشابہات ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور راسخین فی العلم کے علاوہ کسی کو تاویل متشابہات کا علم حاصل نہیں۔

خالق کے وجود کا علم حاصل نہیں کر سکتے ؟ یہ ہے اس کا صحیح معنی جیسا کہ اس آیت کا سیاق و سباق اسی مطلب پر دلالت کرنے کی شہادت دیتا ہے۔

نیز صوفی لوگ حدیث لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہ۔ کو اس معنی پر حمل کرتے ہیں کہ حضرت سلمان کے دل میں پناہ بخدا وہی صوفیوں والے فاسد عقائد تھے۔ کہ اگر وہ ظاہر ہو جاتے تو حضرت ابوذر اسے قتل کر دیتے۔ لیکن صوفیوں کا یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ اگر اس قسم کے احتمال کے ساتھ استدلال جائز ہو تو ہر فرقہ باطلہ اس سے استدلال کرنے لگے گا۔ اور کہہ سکے گا۔ کہ حضرت سلمان کے دل میں ہمارے اعتقادات مستور تھے۔ صوفی اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے اعتقادات حضرت سلمان کو وحدۃ الوجود کی طرف کھینچیں گے اور اہل غلو ان کے اعتقادات کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کی الوہیت پر محمول کریں گے۔ اور مفوضہ ان کو آئمہ معصومین علیہم السلام کے خالق و رزاق ہونے پر حمل کریں گے حالانکہ یہ سب کچھ باطل ہے۔ لہذا ان احادیث سے صوفیہ کا تمسک کیسے جائز ہو سکتا ہے ؟ حالانکہ متشابہات خواہ آیات ہوں خواہ احادیث ان کی تفسیر اپنی رائے اور خواہش کے مطابق اصلاً جائز نہیں۔ کسی حدیث کا معنی ان اصول اور اعتقادات کے مطابق طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جو قرآن کریم اور احادیث معصومین اور دلائل عقلیہ سے صحیح طور پر ثابت ہیں۔ ان کے خلاف طے کرنا ہرگز جائز نہیں۔

مخفی نہ رہے کہ مجملات و متشابہات کی تفسیر میں بے جا جسارت جائز نہیں، کیونکہ کیونکہ مجمل اور متشابہ کے مختلف احتمالات ہوتے ہیں ان میں سے کسی ایک احتمال کا یقین نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ کہ فی الواقع وہ احتمال صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ آئمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے کلمات سے جو مراد لی ہوگی اسے وہ خود ہی جانتے ہیں۔ کہ جو ان کے کہنے والے ہیں۔ اور ایسے مقامات میں بلا دلیل کسی معنی کو اختیار کرنے اور اسے حتمی قرار دینے کی نسبت عدم علم کا اعتراف کر لینا اسلم اور زیادہ مناسب ہے اور خلاف واقعہ معنی کو اختیار کرنے کا جرم انتہائی فحش اور قبیح تر معاملہ ہے۔

ہم تجزیہ کے طریقہ پر خصم کے استدلال کو باطل کرنے کے لئے چند احتمالات کا ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ بمفاد "اذا جاء[1] الاحتمال بطل الاستدلال" خصم کا استدلال ہباءً منثورا[2] ہو کر رہ جائے۔ اور جب صرف امکان اور احتمال کا یہ حکم ہے کہ اس سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ تو پھر جب متعدد قوی احتمالات پائے جائیں تو اس صورت میں طرف مقابل کا حکم ذرات غبار کی طرح فضا میں اڑتا ہوا نظر آئے گا لہذا ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں جبکہ چند احتمال اس کے اجمال کے باعث راہ پا سکتے ہیں۔ تو انہوں نے پھر کہاں سے یہ علم حاصل کر لیا کہ آنحضرتؐ کی مراد وہی

[1] یعنی جبکہ مدلول خصم کے خلاف کا احتمال بھی ہو سکتا ہو تو استدلال خصم باطل قرار دیا جاتا ہے۔
[2] ہباء منثورا۔ اڑتے ہوئے غبار کے ذرات۔

وہی فاسد معنی تھا جسے انہوں نے تجویز کیا ہے. ایسا کیوں نہیں جائز کہ حدیث کا معنی یہ ہو کہ جب حضرت ابو ذر کو حضرت سلمان کے کمالات اور اس کے بلند پایہ مقامات ومنازل" پر اطلاع ہو جاتی تو وہ ان کے متحمل نہ ہو سکتے. اور آپس کی محبت ومودت حسد وعناد سے تبدیل ہو جاتی اور قتل وفساد تک نوبت پہنچ جاتی. بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ بعض انبیاء کو جب اہل بیت علیہم السلام کے مدارج کی اطلاع حاصل ہوئی تو برداشت نہ کر سکے. لہذا اگر حضرت ابو ذر حضرت سلمان کے مدارج کو معلوم کر کے برداشت نہ کر سکیں تو یہ کوئی بعید نہیں،

یا یہ کہ اگر حضرت ابو ذر کو حضرت سلمان کے علم اور اس کے بلند پایہ مقام اور کرامتوں کا علم ہو جاتا تو ہو سکتا تھا کہ وہ گمان کرتے کہ یہ کرامتیں اور اس پایہ کا علم نبی اور وصی کے غیر کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا. لہذا حضرت سلمان اپنے اس ادعا میں متصنع اور جعل ساز ہے. اور یہ خلاف عادت امور جن کو وہ اپنی کرامتیں شمار کرتا ہے, جادو کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے اور جادوگر کا قتل کرنا جائز اور اس کی خونریزی حلال ہے. یا یہ کہ حضرت سلمان ائمہ اطہار علیہم السلام کے لیے مناقب جلیلہ ومراتب جنیلہ کو جانتے اور ان کی معرفت رکھتے تھے. کہ ہر شخص ان کمالات وفضائل کے علم و معرفت کو برداشت نہیں کر سکتا. اور اسی طرح وہ چاہ ہلاکت وضلالت میں گر کر تباہ ہو جاتا ہے. جس طرح کہ ایک جماعت ان کے بلند مرتبہ مدارج اور جلیل القدر کمالات وفضائل پر اور ان کے خلاف عادت کرامات ومعجزات

پر اطلاع پا کر حسد اور بغض کے باعث ہلاک اور تباہ ہو گئے. جیسے کہ ابلیس لعین ہلاک اور برباد ہو گیا. جبکہ اللہ جل شانہ نے اسے حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم فرمایا تو اس نے حکم رب العالمین کے مقابلہ میں تکبر اور انکار کو اختیار کیا. اور یہ چیز اس کی ہلاکت کا باعث ہوئی. اور کچھ لوگ ان نفوس قدسیہ کے فضائل و معجزات پر مطلع ہو کر حد سے متجاوز ہو گئے. اور ان کی الوہیت خالقیت اور دیگر اس قسم کے صفات کے معتقد ہو جانے کے باعث ہلاک ہو گئے.

اور اسی خطرہ کے پیش نظر آنحضرت سرکار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں پر جناب امیر المومنین علیہ السلام کے کئی ایک فضائل کو ظاہر نہیں فرماتے تھے جیسے کہ سورہ والعادیات کے شان نزول میں جو روایت وارد ہوئی ہے. اس میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت کے متعلق یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت کے کچھ لوگ تیرے متعلق وہی کہنے لگیں گے جو قوم نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ ابن مریم کے متعلق کہا تھا تو میں آج تیرے شان میں ایسی چیز کو بیان کرتا کہ جس کے باعث تو جس گروہ کے پاس سے گذرتا وہ تیرے قدموں کے نیچے سے خاک اٹھا کر اس سے تبرک حاصل کرتے.

لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈر تھا کہ جس طرح نصاریٰ نے جب دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اذن خداوند عالم سے بعض

مردے زندہ کر دکھائے تو وہ ان کی الوہیت کے قائل ہو گئے۔ اسی طرح
میری امت سے بھی حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ
السلام کے متعلق ایسی ہی صورت کا مظاہرہ ہونے لگے گا۔ لہذا آنحضرتؐ
نے جناب امیر المومنینؑ کی ایسی فضیلت کو بیان نہ فرمایا۔ لیکن شیطان نے
لوگوں کو پھر بھی نہ چھوڑا۔ لہذا جناب امیر المومنینؑ کے متعلق بھی لوگوں
نے جو کچھ کہا وہ قول نصاریٰ کی طرح انتہائی بے جا ہے۔ اور یہی وجہ ہے
کہ جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ ھلک فی اثنان ولا ذنب
لی محب مفرط و مبغض مفرط۔ کہ میری وجہ سے دو قسم کے لوگ
ہلاک ہو جائیں گے۔ اور میرا اس میں ذرا بھر بھی قصور نہیں ہوگا۔ ان دو
قسم کے لوگوں میں سے ایک تو وہ شخص ہے۔ جو میرے ساتھ حد سے
زیادہ محبت رکھتا ہے۔ اور مجھے حد سے بڑھاتا ہے۔ اور دوسرا وہ
شخص ہے جو مجھ سے بغض و عناد رکھتا اور میری شان میں کوتاہی
سے کام لیتا ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں وارد ہوا کہ ائمہ ہدیٰ علیہم
السلام کا معاملہ نہایت سخت اور دشوار ترین ہے۔ اس کا متحمل یا
تو نبی مرسل ہو سکتا ہے۔ یا ملک مقرب یا وہ مومن کہ اللہ تعالیٰ نے جس کے
دل کا ایمان کے لئے امتحان لیا ہو کیونکہ حسب فرمان باری تعالےٰ
عز اسمہ فاستقم کما امرت۔ عمل کرنا انتہائی دشوار ہے حتیٰ کہ
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شیبتنی سورۃ ہود کہ
مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ فما ظنک بسائر الخلق۔ یعنی جب

جناب رسول خدا نے یہ فرمایا کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ تو پھر
کہئے کہ بقیہ مخلوق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہو سکتا ہے۔
لہذا کیا تعجب ہے کہ اگر حضرت ابوذر آئمہ علیہم السلام کے مراتب عالیہ اور
کرامت رفیعہ پر مطلع ہو جاتے۔ تو راہ استقامت سے بہک کر دوسری طرف
قدم رکھ دیتے اسی لئے حضرت سلمان اسرار مکنونہ کو حضرت ابوذر کے سامنے
ظاہر کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ کیونکہ ان کے ظاہر کرنے سے ابوذر کے
واجب القتل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لہذا اس تاویل کے مطابق لفظ
لقتلہ کی ضمیر مفعول خود حضرت ابوذر کی طرف راجع ہوگی۔ نیز یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ جس طرح سابقہ احتمالات میں ضمیر مفعول حضرت سلمان کی طرف
راجع ہوتی ہے۔ اسی طرح اس تاویل میں بھی حضرت سلمان ہی کی طرف
راجع ہو۔ اور حضرت سلمان کے ان اسرار کو مخفی رکھنے کا سبب یہ ہو کہ وہ
اسرار اہل بیت علیہم السلام کے مخصوص مناقب ہوں اور حضرت سلمان
حسب ارشاد پاک السلمان منا اہل البیت ان مناقب و فضائل کی معرفت
سے خصوصیت رکھتے تھے۔ اور حضرت ابوذر ان کی کنہ اور حقیقت کو معلوم
نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا اگر حضرت سلمان ان کو مطلع کر دیتے تو ہو سکتا تھا
حضرت ابوذر اسے غلو خیال کر کے حضرت سلمان کو قتل کر دیتے۔
مولانا طبرسی علیہ الرحمۃ نے احتجاج میں نقل کیا ہے کہ حضرت سلمان فرمایا
کرتے تھے کہ میں جو فضائل علی ابن ابی طالبؑ کے جانتا ہوں۔ اگر ان میں سے
بعض تمہارے سامنے بیان کر دوں تو بعض لوگ کہیں گے کہ سلمان مجنون

اور دیوانہ ہے۔ اور بعض کہیں گے کہ خداوند سلمان کے قاتل کو بخش دے

انھی، حالانکہ حضرت سلمان جو کچھ جانتے تھے، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ

مسئلہ وحدۃ الوجود ہو یا غلو کا مضمون ہو۔ اگرچہ فرقہ صوفیہ اسے بزعم

خود وحدۃ الوجود والی توحید پر محمول کرتے ہیں۔ اور غالی لوگ اسے غلو

کے مضمون پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے بعض غالیوں نے گذشتہ حدیث

لقلت فیک الیوم مقالاً الخ کو غلو پر ہی محمول کیا ہے حالانکہ آنحضرتؐ

نے جناب امیرؑ کی اس فضیلت کو اس لئے مخفی رکھا کہ وہ لوگ اپنے فہم

فاسد کے باعث غلو میں نہ پڑ جائیں۔ یعنی ان کو غلو سے محفوظ رکھنے کے

لئے اس فضیلت کو پردۂ اخفاء میں رکھا نہ یہ کہ وہ عین غلو اور ان کا باطل

عقیدہ تھا۔ جسے چھپایا گیا۔ یعنی جس چیز کو پردہ پوش رکھا گیا وہ غلو نہ تھا

بلکہ حق تھا۔ مگر ایسا حق تھا۔ کہ جس کے باعث نارسا عقلوں کے غلو میں مبتلا

ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

مختصر یہ کہ جن اعتقادات کا فاسد ہونا ادلۂ عقلیہ و نقلیہ کے ذریعہ

ثابت ہے جیسے مثلاً وحدۃ الوجود اور عالم دنیا کے پیدا کرنے اور اس

کی تدبیر کے انجام دینے کو غیر اللہ کی طرف نسبت دینا وہ مذکورہ بالا احادیث

سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور حضرت سلمان وابوذر والی حدیث کے

بعض دیگر محمل بھی ہو سکتے ہیں۔ جن کو ہم نے خوف تطویل کے باعث

ترک کر دیا ہے۔ غرض صوفیہ کا عقیدہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کے بطلان

پر بکثرت احادیث دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان مبہم احادیث سے ان کا

عقیدہ، کس طرح مراد ہو سکتا ہے؟ جو احادیث صوفیہ کے اس اعتقاد کے

بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے شیخ

جلیل محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں بیان کیا ہے۔ قال ان اللّٰہ خلو

من خلقہ وخلقہ خلو منہ۔ یعنی حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے جداگانہ

شخصیت رکھتا ہے۔ اور مخلوقات اس سے خالی اور جداگانہ ہے۔ یعنی خالق

اور مخلوق باہم جداگانہ اور مباینت کلی رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے میں

سما نہیں سکتے۔

نیز ان ہی احادیث میں سے یونس بن عبد الرحمٰن کا وہ خط ہے

جو اس نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طرف لکھا اور حضرت نے اس

کا جواب بھیجا تھا۔ چنانچہ تحریر ہے۔ کتبت الی ابی الحسن الرضاء سالتہ

عن آدم ھل کان فیہ من جوھریۃ الرب شئی فکتب الی لیس صاحب

ھذہ المقالۃ علی شئی من السنۃ زندیق۔

یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت

میں خط ارسال کر کے ان سے سوال کیا کہ آیا حضرت آدم علیہ السلام

میں ربوبیت کی حقیقت کا کوئی جوہر تھا تو آنحضرتؑ نے جواب میں

لکھا کہ اس عقیدہ کا معتقد نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ

اور اللہ کے دین پر نہیں ہے۔ بلکہ وہ زندیق ہے۔

مذہب صوفیہ کے بطلان پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے

ہی ہے جناب امیر المومنین علیہ السلام کا وہ ارشاد جو آپ نے اپنے

ایک خطبہ میں صادر فرمایا کہ الحمد للہ الواحد الاحد الصمد المتفرد الذی لا من شئ کان ولا من شئ خلق ما کان قدرۃ بان بہا من الاشیاء و بانت الاشیاء منہ۔

یعنی ہر حمد و ثناء اس خداوند عالم وحدہٗ لا شریک بے مثل و بے مثال کا حق ہے، جو تمام مخلوقات کا مرجع ہے، جو نہ کسی شے سے پیدا ہوا ہے۔ اور نہ ہی اس نے کائنات کو کسی شے سے پیدا کیا ہے۔ یعنی عالم کائنات کو پیدا کرنے میں وہ مادہ اور مدت کی احتیاج نہیں رکھتا۔ اس نے ساری کائنات کو اپنی اس قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ جس میں وہ تمام کائنات سے مباینت اور امتیاز رکھتا ہے۔ اور ساری کائنات اس کی ذات والا صفات سے مباینت رکھتی ہے۔

اس مضمون کی بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں۔ لیکن جو مقدار ان احادیث کو ہم نے نقل کر دی ہے۔ وہ صوفیہ کے عقیدہ فاسدہ کے بطلان کے لئے کافی اور وافی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات باہم افتراق اور مباینت کلی رکھتے ہیں۔ تو پھر صوفیہ کا وحدت الوجود والا عقیدہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

ذرا دیکھئے تو کہ صوفیہ کا پیر ابن عربی کہتا ہے۔ فی الخلق عین الحق ان کنت ذا عین وفی الحق عین الخلق ان کنت ذا عقل کہ اگر تو چشم بینا رکھنے والا ہے۔ تو مخلوقات میں تجھے عین حق تعالیٰ دکھائی دے گا اور اگر عقل رکھنے والا ہے، تو عین حق تعالےٰ ہیں، تجھے عین مخلوقات

نظر آئے گی۔ وان کنت ذا عین و عقل فما تری سوی عین شئ واحد فیہ بالشکل۔ اور اگر تو چشم بینا اور عقل دونوں رکھنے والا ہے تو تو اس میں سوائے ایک ہی چیز کے اور کچھ نہیں دیکھے گا، جو کہ معین شکل کے ساتھ موجود ہے۔

ابن عربی کا یہ کلام مختل النظام صراحتہً روایات مذکورہ اور دیگر بہت سی احادیث کے خلاف ہے۔ سبحان اللہ کس قدر مقام تعجب ہے کہ حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام جو تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند ہیں۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ مخلوقات خداوندِ عالم کے متباین ہے۔ اور خدا وندِ عالم مخلوقات سے جداگانہ اور اختلاف رکھنے والی ہستی ہے۔ لیکن یہ بے عقل بے تمیز اللہ جل شانہٗ حق تعالےٰ کو مخلوقات میں ثابت کر رہا ہے۔ اور اسی طرح مخلوقات کے اللہ تعالےٰ ہونے کا ادعاء کر رہا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور پھر طرہ یہ کہ اس خیال کو عین عقلمندی شمار کر رہا ہے۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت اور حماقت ہو ہی نہیں سکتی اور باوجود اس کے لوگ اسے اپنا پیشوا قرار دیتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی مضحکہ خیز اور تعجب انگیز معاملہ ہے۔

فلاسفہ کا ردّ

پانچواں باطل فرقہ فلاسفہ ہیں۔ ان میں سے اکثر غیر اللہ کو قدیم اور

ازلی ہونے کے وصف میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں۔ واضح یاد کہ فرقہ
امامیہ کا اتفاق ہے کہ عالم دنیا حادث ہے۔ اور قدیم ہونا خداوند عالم کا
خاصہ ہے۔ اور وہ ذاتِ پاک اس وصف میں منفرد اور یکتا ہے۔ لیکن
فلاسفہ کا گمان باطل یہ ہے کہ عقول عشرہ افلاک، نفوس فلکیہ،
کواکب، افلاک کے حرکات، ستارے زمانہ بلکہ اربعہ عناصر ارکان ہیولی
اور مادہ یہ سب چیزیں قدیم ہیں۔ حالانکہ یہ کفر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے
علاوہ ہر شئی حادث ہے۔ اس لئے کہ ازل سے اللہ تعالیٰ کی ذات
پاک تو موجود ہے۔ لیکن سب سے پہلے صرف وہی ذات پاک موجود تھی
اس کے ساتھ دیگر کوئی شے موجود نہیں تھی۔ پھر اسی پاک پروردگار
نے ہر شئی کو پیدا کیا۔ لہذا اس کی ذات پاک کے علاوہ ہر شئی مصنوع پیدا
شدہ اور حادث ہے۔ جیسے کہ تمام اجسام اور جسمانیات کے متعلق عقل دال
ہے۔ اور تمام کائنات کے متعلق نقل یعنی قرآن وحدیث شاہد ہے۔
اور جو لوگ فلاسفہ کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں۔ وہ اصول دینیہ کو اصول
فلسفہ کے ساتھ منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا نصوص قرآنیہ
اور احادیث معصومیہ جن سے حدوث پر دلالت قائم ہوتی ہے۔ اس
کی وہ حدوث ذاتی کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔ اور حدوث ذاتی سے
مراد عقلی اعتبار سے معلول کا علت سے متاخر ہونا لیتے ہیں۔ اگرچہ کہ
علت و معلول دونوں ازلی اور قدیم ہی کیوں نہ ہوں حالانکہ یہ تاویل
علیل اکثر نصوص میں جاری نہیں ہو سکتی۔ باوجود اس کے اس تاویل

کی ضرورت بھی لاحق نہیں۔ نیز انہوں نے عالم دنیا کے قدیم ہونے پر کوئی
صحیح دلیل قائم نہیں کی محض اس توہم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور
اختیار سے انکار کر کے وہ عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہو گئے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ فاعل موجب ہے اور انہوں نے ادلہ نقلیہ اور دلائل دینیہ ضروریہ
کو بلا وجہ نظر انداز کر دیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان ربکم اللہ الذی خلق
السموات والارض فی ستۃ ایام۔ پ ۸ ع ۱۴۔ الاعراف آیت نمبر ۵۴
پ ۱۱ ع ۱۔ یونس۔ آیت نمبر ۳۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارا رب وہ اللہ جل شانہٗ ہے۔ جس نے
آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ نیز فرمایا۔ وھو الذی خلق
السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام پ ۲۱ ع ۱۵ السجدہ آیت نمبر ۴"

؎ فلاسفہ کا یہ توہم کہ اللہ جل شانہٗ فاعل موجب ہے۔ باطل ہے کیونکہ ان کے
پاس اس کے فاعل موجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور حق یہ ہے کہ وہ ذات پاک
فاعل مختار ہے کیونکہ عقلاً اس کا فاعل بالارادہ و اختیار ہونا محال نہیں اور فاعل موجب ہونا محال ہے اور نقلاً
اس کے فاعل مختار ہونے کی دلائل حد احصاء سے باہر ہیں۔ چنانچہ ارشاد قدرت
ہے۔ ان ربک فعال لما یرید پ ۱۲ ع ۹ ھود آیت نمبر ۱۰۷، کہ تیرا رب جس
چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے ہی کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا۔ وھو الغفور الودود
ذو العرش المجید فعال لما یرید پ ۳۰ ع ۹ البروج آیت نمبر ۱۶ کہ
وہ بڑا بخشنے والا۔ محبت کرنے والا۔ عرش کا مالک اور صاحب مجد و بزرگی ہے
جس کو چاہتا ہے، اسے کرتا ہے۔ نیز فرمایا۔ ولکن اللہ یفعل ما یرید پ ۳

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں۔ چھ دنوں میں پیدا کیا۔

وقال الصادق علیہ السلام ھو الاوّل قبل کل شئی. حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ پاک پروردگار اوّل ہے۔ جو ہر شئی کے موجود ہونے سے پہلے موجود تھا۔

وقال ابوجعفر الثانی علیہ السلام فی حدیث طویل مروی فی الاحتجاج. معاذ اللہ ان یکون معہ شئی غیرہ بل کان اللہ تعالیٰ ذکرہ ولاخلق. حضرت ابوجعفر الثانی علیہ السلام نے ایک طولانی حدیث میں جو کہ کتاب الاحتجاج للطبرسی میں مروی ہے فرمایا کہ اس عقیدہ سے خدا کی پناہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے کوئی دوسری چیز موجود تھی۔ بلکہ ازل میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی موجود تھی اور کوئی

پ۲ ع۲ البقرہ آیت نمبر ۲۵۳۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسے کرتا ہے نیز فرمایا قال کذالک اللّٰہ یفعل ما یشاء۔ پ۳ ع۲ آل عمران آیت نمبر ۴۰ خدا نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ نیز فرمایا۔ یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم پ۵ ع۲ النساء آیت نمبر ۲۶۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے وضاحت کر دے۔ اور تمہیں ان نیک لوگوں کے طریقہ پر چلائے۔ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تمہاری توبہ قبول فرمائے۔ نیز فرمایا۔ یرید ان یتوب علیکم پ۵ ع۲ النساء آیت نمبر ۲۷ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے۔ نیز

مخلوق موجود نہ تھی۔

کتاب منہج الدعوات میں جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام کی جو دعا منقول ہے۔ اس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ انت اللہ لا الٰہ الا انت کنت اذ لم تکن سماء مبنیہ ولا ارض مدحیہ ولا شمس مضیئۃ ولا لیل مظلم ولا نہار مضئی ولا بحر لجی ولا جبل راس ولا نجم سار ولا قمر منیر ولا ریح تھب ولا سحاب لیسکب ولا برق یلمع ولا نار تتوقد ولا ما یجری کنت قبل کل شئی وابتدعت کل شئی۔

تو ہی بے مثل و بے مثال خدا ہے سوائے تیرے کوئی مستحق عبادت نہیں تو اس وقت بھی موجود تھا جبکہ نہ ابھی آسمان کا یہ نیلگوں

فرمایا۔ یرید اللہ ان یخفف عنکم پ۵ ع۲ آیت نمبر ۲۸، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے۔ نیز فرمایا۔ ویفعل اللہ ما یشاء پ۱۳ ع۱۶ ابراہیم آیت نمبر ۲۷ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ نیز فرمایا۔ ان اللہ یفعل ما یرید پ۱۷ ع۸ الحج آیت نمبر ۱۴، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ نیز فرمایا۔ ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔ پ۲۱ ع۴ الروم آیت نمبر ۳۷ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ نیز فرمایا۔ ان یشاء یذھبکم ایھا الناس ویات باٰخرین۔ وکان اللہ علی ذالک قدیرا۔ پ۵ ع۱۴ النساء آیت نمبر ۱۳۳ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اے لوگو تمہیں اگلے جہان کی طرف لے جائے۔ اور دوسروں کو لے آئے

شامیانہ تنا گیا تھا۔ اور نہ زمین کا فرش خاکی بچھایا گیا تھا۔ نہ یہ ضوء پاش آفتاب پیدا ہوا تھا۔ نہ تاریک رات کا وجود متحقق ہوا تھا۔ اور نہ ہی یہ روشن دن وجود پذیر ہوا تھا۔ نہ یہ ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر نہ زمین میں راسخ شدہ پہاڑ۔ نہ چلتے ہوئے ستارے۔ نہ یہ نورانی چاند نہ چلتی ہوئی ہوا۔ نہ برستا ہوا بادل نہ چمکتی ہوئی بجلی۔ نہ جلتی ہوئی آگ۔ نہ جاری اور بہنے والا پانی۔ غرض کچھ نہ تھا۔ مگر تو موجود تھا۔ تو ہر شئے سے قبل موجود ازلی ہے۔ اور تو نے ہر شئی کو پیدا کیا۔

جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک طولانی خطبہ میں ارشاد

اور اللہ تعالیٰ ازل سے اس پر قادر ہے۔ نیز فرمایا۔ ان اللہ یحکم ما یرید پ ۶ پ المائدہ آیت نمبر ۱۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کا حکم دیتا ہے۔ نیز فرمایا۔ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم۔ پ ۶ پ المائدہ آیت نمبر ۶۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے۔ اور اپنی نعمت کو تم پر تمام اور کامل کر دے۔

ان تمام آیات سے مثل روز روشن واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ لہذا وہ فاعل مختار ہے۔ فاعل موجب نہیں۔ خوف تطویل کے باعث دیگر آیات اور احادیث کو نقل کرنا چھوڑ دیا ہے ورنہ ان کی فہرست بہت لمبی ہے۔ نیز یہ کہ فاعل موجب ہونا نقص ہے۔ اور وہ ذات والا شان ہر نقص سے پاک ہے۔ مترجم۔

فرمایا جو کہ نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ المعروف من غیر رؤیۃ والخالق من غیر رویۃ والذی لم یزل قائما دائما اذ لا سماء ذات ابراج ولا حجب ذات ارتاج ولا لیل داج ولا بحر ساج ولا جبل ذو فجاج ولا فج ذو اعوجاج ولا ارض ذات مہاد ولا خلق ذو اعتماد ذلک مبتدع الخلق ووارثہ واٰلہ الخلق ورازقہ۔ یعنی وہ خدا کہ بغیر دیکھنے کے جس کی معرفت اور شناخت حاصل ہے۔ اور جو کہ بغیر سوچ بچار کی طرف محتاج ہونے کے پیدا کرنے والا ہے۔ وہ خدا کہ جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے۔ وہ اس وقت سے موجود ہے جبکہ نہ برجوں والا یہ آسمان موجود تھا۔ اور نہ ہی دروازوں والے حجابات موجود، نہ تاریک رات۔ نہ ساکن سمندر۔ نہ دروں والے پہاڑ نہ ٹیڑھے رستے، نہ بچھائی ہوئی زمین اور نہ دیگر ایسی قوی مخلوق جس پر سہارا لیا جا سکتا ہے۔ غرض یہ سب چیزیں موجود نہ تھیں۔ مگر خدا موجود تھا۔ یہی ساری مخلوقات کو پیدا کرنے والا اور اس کا وارث و مالک ہے اور تمام مخلوق کا معبود اور اس کا رازق ہے۔

یہ سب نصوص صراحتہً دلالت کرتے ہیں کہ عالم دنیا خارج میں موجود ہونے سے پہلے معدوم تھا۔ اور جو چیز مسبوق بالعدم ہو وہ قدیم نہیں۔ حادث ہوتی ہے۔ اور حدوث ذاتی اس پر اصلاً منطبق نہیں ہو سکتا۔ اور صادق نہیں آ سکتا۔ کیونکہ حدوث ذاتی معلول کے اپنی علت سے ذہن میں متاخر ہونے کا نام ہے۔ خارج میں یہ علت

اور معلول دونوں مقارن ہوتے ہیں۔ خارج میں حادث بحدوث ذاتی اپنی علت سے منفک نہیں ہو سکتا۔ اور جب عالم دنیا اپنی علت یعنی ذات باری سے بایں معنی منفک اور جدا ہو گیا۔ کہ ایک وقت عالم دنیا موجود نہ تھا۔ مگر خداوند عالم ازل سے موجود ہے۔ تو پھر معلوم ہوا کہ عالم دنیا حدوث ذاتی کے اعتبار سے حادث نہیں بلکہ وہ مسبوق بالعدم ہونے کے معنی میں حادث ہے۔

استحالۂ انقطاع فیض کے توہم کا ازالہ

بعض ایسے فلاسفہ نے کہ جو بہ تکلف فلسفی کہلانا چاہتے ہیں حدوث عالم پر یہ استحالہ وارد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فیاض مطلق اور مبدا فیض ہے۔ جس سے اس کے فیض کا منقطع ہو جانا محال ہے۔ اور اگر عالم دنیا کو حادث فرض کیا جائے تو لازم آئے کہ مبدأ فیض کا فیضان منقطع ہو جائے۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ اس لئے عالم دنیا حادث نہیں قدیم ہے۔

حضرت مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ انقطاع فیض کو محال سمجھ لینا توہم ہے۔ جو عقل سے دور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کا فیض حکمت اور مصلحت پر اور جب چیز پر فیضان ہوتا ہے۔ اس کے امکان پر مبنی ہے۔ لہٰذا عالم دنیا کی ازلیت کے ناممکن ہونے کی تقدیر

پر انقطاع فیض سے کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ اسی طرح عدم تحقق مصلحت کی صورت میں بھی فیضان کا انقطاع کسی نقص کا باعث نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ فلاسفہ تو خود انقطاع فیض کے بہت سی صورتوں میں قائل ہیں۔ کیونکہ وہ قائل ہیں کہ اللہ تعالےٰ سے صرف ایک چیز عقل[1] اول کے علاوہ کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بنا بر مذہب فلاسفہ اللہ تعالےٰ نے جب عقل اول کو پیدا کر دیا تو اب اس کا فیض منقطع ہو گیا۔ کیونکہ اب وہ بلا واسطہ عقل اول کچھ نہیں کر سکتا۔ نیز اس عالم دنیا کے علاوہ خدا کے لئے ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا عالم پیدا کرے۔ لہٰذا فلاسفہ اللہ تعالیٰ کے بلا واسطہ فیض کو عقل اول میں اور عقل اول کے واسطہ سے اس کے فیض کو اسی ایک عالم جسمانی میں منحصر قرار دیتے ہیں نیز وہ قائل ہیں۔ فلک الافلاک کے پیچھے نہ خلا ہے۔ نہ ملا۔ حالانکہ ان کا یہ نظریہ ارتفاع نقیضین کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ عقول عشرہ اور افلاک

---

[1] عقل فلاسفہ کی اصطلاح میں اس مخلوق مجرد کا نام ہے جسے اجسام کے ساتھ تدبیر و تصرف کا نہیں ساتھ تاثیر کا علاقہ حاصل ہوتا ہے۔ اور عقول الف کے ہاں دس ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کہ جو واجب الوجود ہے۔ وہ ہر لحاظ سے واحد اور بسیط ہے۔ اور پھر ان کا ایک مسلم قاعدہ ہے۔ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد۔ کہ جو ہر لحاظ سے بسیط اور واحد ہو۔ اس سے دو چیزیں صادر نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ صرف ایک ہی چیز کو پیدا کر سکتا تھا۔ ایک سے زائد اس سے صادر نہ ہو سکتی تھیں۔ اس لئے اس وحدہٗ لا شریک نے صرف

کے علاوہ فیض الٰہی کو منقطع بلکہ ممتنع سمجھتے ہیں۔ اور اس قسم کے انقطاع
اور امتناع کو وہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے
تو پھر ازل میں فیض کے منقطع ہونے کو کیوں بعید قرار دیتے۔ اور اس سے
کیوں انکار کرتے ہیں؟ مختصر یہ کہ فلاسفہ کے متعلق بلا وجہ حسن ظن
قائم کر کے عالم دنیا کے حادث ہونے اور اللہ جل شانہ کے فاعل مختار ہونے
کے دلائل سے دست برداری اختیار نہیں کی جا سکتی۔

اخوند علیہ الرحمتہ رسالۂ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر اہل زمانہ
اپنے ناقص عقول پر اعتماد کر کے اہلبیت علیہم السلام کے ارشادات اور
احادیث سے دست کش ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ حکما یعنی
فلاسفہ کے مسلک کا گرویدہ ہو گیا ہے۔ حالانکہ فلاسفہ خود گمراہ ہیں۔
اور دیگر لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں۔ اور کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہیں
کرتے اور آسمانی کتب پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس گروہ نے اپنے

عقل اول کو پیدا کیا۔ اور پھر عقل اول نے عقل ثانی اور فلک اول کو پیدا کر دیا
اور عقل ثانی نے عقل ثالث اور فلک ثانی کو پیدا کیا۔ اور عقل ثالث نے عقل
رابع اور فلک ثالث کو اور عقل رابع نے عقل خامس اور فلک رابع کو پیدا
کیا۔ حتی کہ یونہی سلسلہ چلتا ہوا عقل تاسع تک نوبت پہنچی تو اس نے عقل
عاشر اور فلک تاسع کو پیدا کر دیا۔ اور اس عقل عاشر نے ہیولی عنصریہ اور صورۃ نوعیہ کو پیدا
کر دیا۔ انتھی ما فی المبیذی ملخصا۔ فلاسفہ کے یہ نظریات کمزور اور واہی
دلائل پر مبنی ہیں۔ لہذا غلط اور باطل ہیں۔ مترجم۔

عقول ناقصہ پر اعتماد اور بھروسہ کر لیا ہے۔ اور فلاسفہ کو اپنا پیشوا
بنا لیا ہے۔ لہٰذا وہ صحیح اور صریح احادیث کی بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ وجہ اس
کی یہی ہے کہ وہ فلاسفہ کی شبہات کو قوی دلائل خیال کرتے ہیں کیونکہ
ان کو یونانی کافروں کے متعلق حسن ظن قائم ہو گیا ہے۔ حالانکہ وہ صحیح
اعتقاد اور درست دین و مذہب ہرگز نہیں رکھتے۔ اور پھر ان کے باہمی
اختلاف ہی کو دیکھو تو کوئی مشائی ہے۔ اور کوئی اشراقی اور بہت کم ایسا
ہوگا کہ ایک کا قول دوسرے سے موافقت رکھتا ہو۔ انتھی ملخص
ما قال اخوند علیہ الرحمۃ۔

حضرت علامہ حلی علیہ الرحمتہ نے کتاب نہایۃ المرام فی علم الکلام میں
حکماء کے پراگندہ اقوال اور مختلف کلمات بکثرت نقل کئے ہیں۔ چنانچہ اس
کتاب کی وہ عبارت کتاب مستطاب عماد الاسلام میں پوری کی پوری منقول
ہے۔ اور اس کا عقل و نقل ہر دو کے خلاف ہونا واضح ہے لہٰذا جسے دیکھنے
کا شوق ہو۔ وہ عماد الاسلام کی طرف رجوع کرے۔ افاضل مدققین کی
ایک جماعت کہ جو بیماری تصوف میں مبتلا ہو گئی ہے۔ ان کی گمراہی اور
ضلالت کا سب سے بڑا سبب ان کا اصول فلاسفہ میں مستغرق ہو
جانا اور حکمائے اشراقیین و مشائین کے کلمات و اقوال کے ساتھ انس اور
الفت حاصل کر لینا ہے۔ جو کہ ایک ناقد بصیر اور باخبر حقیقت جو پر مخفی
اور مستور نہیں ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہہ دیا کہ تصوف اور حکمت
اشراقیہ کے درمیان سوائے اس کے کوئی امتیاز اور اختلاف نہیں کہ

صوفی وہ ہوتا ہے۔ جو ظاہراً شریعت کے تابع ہو۔ اور اگر وہ اتباع شریعت نہ کرے تو حکیم اشراقی ہوتا ہے۔ اور علماء شیعہ و اہل سنت کی ایک جماعت اصول دین کو اصول فلسفہ سے تطبیق دینے کے خواہاں رہتے ہیں۔ اور لوگوں کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرتے رہتے ہیں۔ اہل سنت کے فرقہ اشاعرہ کو تعدد¹ قدماء کے قائل ہونے میں حکماء اور نصاریٰ کے اس فرقہ کی اقتداء اور اتباع حاصل ہے۔ جو تین خداؤں کے قائل ہیں۔ حضرت علامہ حلی علیہ الرحمتہ نے اہل سنت کے امام فخر الدین رازی کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ اس وجہ سے کافر قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ تین قدماء² کے قائل ہیں۔ اور ہمارے علماء اہل سنت نو قدماء کو ثابت کرتے ہیں ایک ذات خدا اور آٹھ اس کی صفتیں۔ جن کو وہ ذات خداوند عالم پر زائد خیال

¹ تعدد قدماء کا نظریہ عقلاً و نقلاً باطل ہے۔ قدیم صرف ذات خداوند عالم ہے۔ دیگر کوئی موجود قدیم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر دو قدیم فرض کئے جائیں تو وہ تین حال سے خالی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ وہ دونوں یا واجب الوجود ہوں گے۔ یا دونوں ممکن الوجود ہوں گے۔ اور یا ایک واجب اور دوسرا ممکن۔ اگر دونوں واجب الوجود ہوں تو یہ صراحتہً شرک اور توحید باری تعالیٰ کے منافی ہے۔ حالانکہ وحدت واجب الوجود کے خود فلاسفہ بھی قائل ہیں۔ اور اگر دونوں یا کوئی ایک ممکن الوجود ہو تو جو ممکن الوجود ہے۔ وہ اپنے وجود میں ذات باری عزاسمہ کی طرف محتاج ہوگا کہ جو واجب الوجود ہے۔ اور سابقاً ثابت ہو چکا کہ ذات باری تعالیٰ جل شانہ فاعل موجب نہیں فاعل مختار ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ قادر مختار کا ہر فعل حادث ہوتا ہے۔ کیونکہ اس

کرتے ہیں۔

یہ ہے ان کی حالت کہ سفینۂ نجات اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع سے انحراف کرنے اور اہل کفر و صاحبان بدعت کی اتباع کرنے کے باعث گمراہی اور ضلالت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

قول غُلاۃ اور مفوضہ کی تردید

چھٹا باطل فرقہ غالیوں کا ہے۔ جیسے کہ مثلاً نصیریہ، سبائیہ اور باطنیہ ان غالیوں کی شاخیں بہت کچھ ہیں۔ ساتواں باطل فرقہ مفوضہ کا ہے یہ چھوٹے غالی یعنی درجہ دوم کے غالی ہیں۔ کیونکہ غالیوں کا سرکردہ فرقہ سبائیہ ہے۔ جن کا سب سے بڑا لیڈر عبد اللہ بن سبا تھا۔ یہ لوگ جناب امیر المومنین علیہ السلام کو خدا جانتے ہیں۔ غالیوں کا اصل طریقہ یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہے۔ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا بعد ازاں بظاہر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد پھر اس نے کفر کی طرف رجوع کر لیا اور

کا ہر فعل ارادہ کے بعد واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر ممکن الوجود کا حادث ہونا ضروری ہے اس لئے کوئی ممکن الوجود قدیم نہیں ہو سکتا۔ قدیم صرف ایک ہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ جو واجب الوجود ہے۔ تفصیل بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا ہے۔ کہ حکماء، نصاریٰ اور اہلسنت کا فرقہ اشاعرہ تینوں کا یہ عقیدہ باطل ہے۔ کہ قدماء متعدد ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ کہ اس تعدد قدماء کی تفصیل میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہیں۔

اس زعم باطل کا اظہار کیا کہ العیاذ باللہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام خدا ہے۔ اور میں اس کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ جناب امیرالمومنین ع نے اسے طلب کر کے اس سے پوچھا کہ تو کیا بکتا ہے؟! اس نے اپنا اعتقاد فاسد بیان کیا کہ میرے دل میں یہ چیز آگئی ہے کہ تو خدا ہے۔ اور میں تیرا پیغمبر ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ پھٹکار ہو تجھ پر یہ شیطان نے تیرا مذاق اڑایا ہے۔ تیری والدہ تیرے ماتم میں بیٹھے اپنے اس اعتقاد بد سے توبہ کر۔ اس نے توبہ سے انکار کیا۔ حضرت ع نے اسے تین دن تک قید خانے میں بند رکھا۔ مگر وہ اس کے بعد بھی توبہ پر راضی نہ ہوا۔ حضرت ع نے اسے قید سے باہر لاکر آگ میں جلا دیا۔

مفوضہ عبداللہ بن سبا کے بیٹے کے اتباع ہیں جو غلو میں اپنے باپ سے ایک درجہ نیچے اتر آیا اور اس کا قائل ہوا کہ خلق اور رزق کا معاملہ ائمہ علیہم السلام کو تفویض کر دیا گیا ہے۔ لیکن مفوضہ بھی درحقیقت غالیوں کی ایک شاخ ہے۔ کیونکہ غلو کی تعریف ان پر صادق آتی ہے" اور یہ اس لئے کہ غلو کی تعریف ہے۔ کسی "دینی" معاملہ میں حد سے تجاوز کرنا اور اس تعریف کے مفوضہ پر صادق آنے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ صاحب الملل والنحل وغیرہ نے ان کو غالیوں کے شمار میں رکھا ہے۔ لیکن بعض اوقات علماء غالیوں کو اس فرقے سے مختص قرار دیتے ہیں۔ جو ائمہ علیہم السلام کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ افراد غلو میں سے فرد اظہر انہیں

الوہیت ائمہ ع کے قائلین میں متحقق ہے۔ اس بنا پر مفوضہ غالیوں کی قسم نہیں بلکہ یہ ان کے قسیم ہوں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں مفوضہ کا ذکر غالیوں کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ غالی کافر ہیں۔ اور مفوضہ مشرک ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرے۔ یا ان کے ساتھ اختلاط اور میل جول رکھے۔ یا ان کے ساتھ کوئی چیز کھائے یا پیئے یا ان کے ساتھ کوئی رابطہ و تعلق قائم کرے یا ان کے ساتھ رشتہ نکاح قائم کرے یا ان کو کسی امانت کا امین بنائے۔ یا ان کی امانت اپنے پاس رکھے۔ یا ان کی بات کی تصدیق کرے۔ یا ان کی اعانت کرے۔ اگرچہ

۳؎ کتاب الدمعۃ الساکبۃ کہ ج ۳ صد ۔ بحوالہ کتاب العیون نیز کتاب عیون اخبار رضا علیہ السلام ج ۲ صد ۱۵ یہ روایت مرقوم ہے۔ الدمعۃ الساکبۃ میں اصل عربی الفاظ یہ ہیں۔ وفیہ ایضا باسنادہ عن ابی ھاشم الجعفری قال سألت ابا الحسن الرضا عن الغلاۃ والمفوضہ فقال الغلاۃ کفار والمفوضہ مشرکون من جالسھم اوخالطھم اوواکلھم اوشاربھم اوواصلھم اوزوجھم اوتزوج الیھم اوآمنھم اوائتمنھم علی امانۃ اوصدق حدیثھم اواعانھم بشطر کلمۃ خرج عن ولایۃ اللہ عزوجل وولایۃ رسول اللہ وولایتنا اھل البیت۔ کتاب منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغۃ ج ۲ صد ۔ میں بھی بحوالہ عیون اخبار الرضا علیہ السلام یہی روایت منقول ہے۔

کہ ایک کلمہ کے ذریعہ یا ایک کلمے کسی حصے کے ذریعہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اور ولایت اور رسولِ خدا و اہل بیت علیہم السلام کی ولایت اور دوستی سے خارج ہو جاتا ہے۔

شیخ جلیل ابن بابویہ قمی شیخ صدوق علیہ الرحمتہ نے اپنے اعتقادیہ میں زرارہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت صادق آل محمد کی خدمت میں عرض کی کہ عبداللہ بن سبا کی اولاد میں سے ایک شخص تفویض کا قائل ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ تفویض کیا چیز ہے۔؟ میں نے عرض کیا کہ وہ کہتا ہے کہ خداوند عالم نے محمد مصطفےٰ و علی مرتضےٰ علیہما السلام کو پیدا کیا۔ پھر عالم دنیا کا معاملہ ان کے سپرد

ے۔ کتاب مرآۃ العقول شرح اصول الکافی ج ۱ صـ۱۹۳ پر روایت درج ذیل عربی الفاظ میں مرقوم ہے۔ جو بحوالہ اعتقادیہ شیخ صدوق ؒ نقل کی گئی ہے وروی عن زرارۃ انہ قال قلت للصادق ان رجلا من ولد عبداللہ بن سبا یقول بالتفویض فقال وما التفویض؟ قلت ان اللہ تبارک وتعالیٰ خلق محمدا وعلیا صلواۃ اللہ علیہما ففوض الیہما فخلقا ورزقا وااماتا واحیا فقال علیہ السلام کذب عدو اللہ اذا انصرفت الیہ فاتل علیہ ھذہ الآیۃ فی سورۃ الرعد ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شئی وھو الواحد القہار فانصرفت الی الرجل فاخبرتہ فکانی القمت حجرا او قال فکانما خرس۔ نیز دیکھو کتاب منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغۃ ج ۲ صـ۱۰۸۔

کر دیا۔ لہٰذا ان ہر دو بزرگواروں نے عالم دنیا کو پیدا کیا مخلوق کو رزق دیا اور زندہ کرتے ہیں اور وہی موت دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ جھوٹا ہے یہ دشمن خدا۔ فرمایا کہ جب تم واپس جاؤ گے تو اس کے سامنے سورہ رعد کی یہ آیت پڑھیے گا۔ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القہار۔ کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک بنا لئے ہیں۔ جنہوں نے مخلوق خدا کی طرح مخلوق پیدا کی ہے جس کے باعث مخلوقات ان پر مشتبہ ہو گئی۔ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا خالق ہے۔ اور وہ یکتا و یگانہ اور ہر شے پر غالب اور قادر ہے۔

چنانچہ میں جب واپس لوٹ کر اس کے پاس گیا اور اس سے وہ سب کچھ بیان کیا۔ جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ تو ایسا خاموش ہو گیا کہ گویا میں نے اس کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا۔ یا یہ کہ وہ گونگا ہو گیا ہے۔"

حضرت امام رضا علیہ السلام کی بعض دعاؤں میں یہ الفاظ وارد ہیں اللّٰہم لا تلیق الربوبیۃ الا بک ولا تصلح الالٰہیۃ الا لک فالعن النصاریٰ الذین صغروا عظمتک والعن المضاہئین الذین شبہوک بالاجسام العن لہم من بریتک۔ اللّٰہم انا عبیدک

ے کتاب مرآۃ العقول ج ۱ صـ۱۹۳ میں یہ عبارت بھی منقول ہے اور اس کے ساتھ پہلے متصل یہ الفاظ بھی بحوالہ اعتقادیہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ منقول ہیں: اعتقادنا فی الغلاۃ والمفوضۃ انہم کفار باللہ جل جلالہ وانہم

وانا عبيدك لا نملك لانفسنا نفعاً ولا ضراً ولا موتاً ولا حيوة ولا نشوراً۔ اللهم من زعم انا ارباب فنحن منه براء۔ ومن زعم ان الينا الخلق وعلينا الرزق فنحن اليك منه براء كبراءة عيسى بن مريم من النصارىٰ۔ اللهم انا لم ندعهم الىٰ مايزعمون فلا تؤاخذنا بما يقولون واغفر لنا مايزعمون رب لا تذر على الارض من الكافرين دياراً ولا تدع على الارض منهم دياراً انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجراً كفاراً۔

یعنی اے پروردگار رب اور خدا ہونا صرف تیری ہی ذات پاک کو

شر من اليهود والنصارىٰ والمجوس والقدرية والحرورية ومن جميع اهل البدع والاهواء المضلة وانه ما صغر الله جل جلالهٗ تصغيرهم شيء۔ الی قوله رحمه الله۔ وكان الرضا عليه السلام يقول فی دعائه اللهم انی بری اليك من الحول والقوة ولا حول ولا قوة الا بك۔ اللهم انی بری اليك من الذين ادعوا لنا ماليس لنا بحق۔ اللهم انی ابرأ اليك من الذين قالوا فينا مالم نقله فی انفسنا۔ اللهم لك الخلق ومنك الرزق واياك نعبد واياك نستعين اللهم انت خالقنا وخالق آبائنا الاولين وآبائنا الآخرين اللهم لا تليق الربوبية۔ الخ

نیز دیکھو یہ روایت کتاب منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۱۰۰ ۱۰۰۸ اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد غالیوں

لائق ہے۔ دیگر کسی کو لائق نہیں۔ لہٰذا نصاریٰ کو اپنی رحمت سے دور رکھ اور انہیں لعنت کا نشانہ بنا۔ کیونکہ انہوں نے تیری شان میں سبکی کا ارتکاب کیا۔ اور ان پر بھی لعنت کر اور ان کو اپنی رحمت سے دور رکھ جو تجھے اپنے کلام میں اجسام کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ کہ جو اجسام تیری ہی مخلوق ہیں۔ اے پروردگار ہم تیرے بندے ہیں۔ اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔ ہم اپنے نفع، ضرر، موت، حیات اور بعد از موت پھر زندہ ہونے کے مالک نہیں ہیں۔ خداوندا جو شخص یہ گمان کرے کہ ہم پروردگار اور رب ہیں۔ ہم اس کے اس اعتقاد سے بیزار ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرے کہ عالم دنیا کو پیدا کرنا ہماری طرف سپرد کر دیا گیا ہے۔ اور رزق دینے کی ڈیوٹی ہم پر لگا دی گئی ہے ہم اسی طرح اس سے بری اور بیزار ہیں۔ جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریمؑ نے اپنی اُمت نصاریٰ کے اعتقاد سے بیزاری اختیار کی تھی۔ اے پروردگارا! جو کچھ یہ گمان کرتے ہیں ہم نے اس کی انہیں ہرگز دعوت

اور مفوضہ کے متعلق یہ ہے کہ وہ ملاحین کافر باللہ ہیں۔ وہ یہودیوں سے بھی بدتر ہیں۔ اور نصاریٰ، مجوس۔ قدریہ یعنی معتزلہ اور حروریہ یعنی خارجیوں سے بھی بدتر ہیں اور تمام بدعتی اور گمراہ کن مذہب رکھنے والے فرقوں سے بھی وہ بُرے اور بدتر ہیں۔ اللہ تعالے جل شانہٗ کی عظمت کو جس طرح انہوں نے گرایا اور شان خدا زعم عالم کی جس قدر انہوں نے تحقیر اور توہین کی ایسی کسی نے نہیں کی۔ اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے شیخ صدوق نے بعد کو فرمایا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے کہ اے پروردگار میں اس قوت اور طاقت سے بری اور بیزار ہوں۔ جو تیری جانب

نہیں دی۔ لہٰذا جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کا ہم سے مواخذہ نہ ہو۔ اور جو کچھ گمان باطل وہ رکھتے ہیں، ہم اس سے تیری معافی چاہتے ہیں۔ اے پروردگار زمین پر ان کافروں کا کوئی گھرانہ باقی نہ رکھ کیونکہ اگر تو انہیں باقی چھوڑے گا تو تیرے بندوں کو وہ گمراہ کر دیں گے۔ اور جو اولاد وہ پیدا کریں گے۔ وہ کافر اور فاجر ہی ہوں گے۔

اس قسم کی بکثرت روایات جو حد احصاء و شمار سے باہر ہیں اوقات لیل و نہار میں آئمہ اطہار علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں۔ مگر مقامِ افسوس ہے

سے نہ ہو۔ کیونکہ کوئی طاقت اور قوت ایسی نہیں ہو سکتی۔ جو تیرے ذریعہ حاصل نہ ہو۔ اے پروردگار میں تیرے دربار میں ان لوگوں سے بری اور بیزار ہوں۔ جو ہمارے لئے ان اوصاف اور کمالات کا ادعا کرتے ہیں۔ جن سے متصف ہونا ہماری شان اور ہمارا حق نہیں۔ اے پروردگار میں ان لوگوں سے بیزاری اور تیری پناہ حاصل کرتا ہوں جنہوں نے ہماری شان میں اور ہمارے متعلق وہ کچھ کہدیا جو ہم نے خود اپنے متعلق نہیں کہا اے پروردگار پیدا کرنا تیرے لئے ہی خاص ہے اور رزق تیری ہی جانب سے حاصل ہوتا ہے۔ اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اے پروردگار تو ہمارا بھی خالق ہے۔ اور ہمارے آباء اولین و آباء آخرین کا بھی خالق ہے۔ اس کے بعد وہ عبارت منقول ہے جو متن کتاب میں مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ نے نقل فرمائی ہے؛

۲؎ بے شک مفوضہ کی مذمت اور ان کے مسلک کے بطلان کے بارے بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ سب کا احصاء تو حصر کی طاقت سے باہر ہے۔ مگر چند ایک

کہ اس زمانہ ماضی قریب میں بعض مدعیان تفضیت کہ غالباً ان مدعیان فضیلت سے مراد شیخ احمد احسائی اور اس کی اتباع یعنی شیخیہ ہیں؟ نے عنوانات کو تھوڑا سا اختلافی رنگ دے کر غلات اور مفوضہ کے طریقہ باطلہ کی تجدید کرنے کا ارتکاب کیا ہے۔ وہ اصول دین کو اصول فلسفہ کے ساتھ تطبیق دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور غلات اور مفوضہ کے اقوال اور ان کی روایات کی تصحیح اور تاویل کے درپے رہتے ہیں اور باوجود اس کے وہ اپنے آپکو ان کے ان اقوال سے بری اور بیزار قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے ان اقوال ہی کی مثل اقوال کو اپنی زبان پر جاری رکھتے ہیں جو کفر اور زندیقیت پر ظاہراً دلالت کرتے ہیں اور انہیں اقوال کو

کو سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔ تاکہ طالبانِ حق کے لئے انجلاء کا باعث ہو۔

الکتاب منهاج البرعة شرح نهج البلاغة ج ۲ ص ۱۰۹ بحواله عيون اخبار الرضا عليه السلام. عن الرضا عليه السلام انه قال من زعم ان الله تعالى يفعل افعالنا ثم يعذبنا عليها فقد قال بالجبر ومن زعم ان الله فوض امر الخلق والرزق الى حججه فقد قال بالتفويض والقائل بالجبر كافر والقائل بالتفويض مشرك. نیز کتاب مرآة العقول ج ۱ ص ۱۹۲۔

ماحصل یہ ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ خود ہمارے افعال کو کرتا ہے۔ "یعنی ہم کچھ نہیں کرتے۔ وہی سب کچھ کرتا ہے" اور پھر ہمیں ان افعال کے باعث عذاب دے گا۔ تو یہ شخص جبر کا قائل ہے اور جو شخص یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے اور رزق دینے کو آئمہ علیہم السلام

انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا اور لباس ظاہر و باطن بنا رکھا ہے۔ کبھی کہتے ہیں علی نفس اللہ ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔ معرفت امام عین معرفت خدا ہے حالانکہ واجب الوجود اور ممکن الوجود کی معرفت میں اتحاد نہیں ہو سکتا اگر ہو سکتا ہے تو اسی صورت کہ واجب الوجود اور ممکن الوجود دیگر دو کی ذوات میں اتحاد فرض کیا جائے۔

کے سپرد کر دیا ہے، تو وہ تفویض کا قائل ہے۔ پھر فرمایا کہ جبر کا قائل کافر ہے۔ اور تفویض کا قائل مشرک۔

مقباس الهدایه ملحق به رجال مامقانی ج ۳۔ ص ۸۸-۸۹

۲۔ منہاج البراعتہ ج ۲ ص ۴۰۹ بحوالہ بحار الانوار رجال کشی سے منقول ہے۔

عن عبد الله بن شريك عن أبيه قال بينا علي عند امرأة له من عنزه وهي أم عمرو اذ اتاه قنبر فقال ان عشرة نفر بالباب يزعمون انك ربهم فقال ادخلهم فدخلوا عليه فقال لهم ماتقولون فقالوا انك ربنا وانت الذي خلقتنا وانت الذي رزقتنا فقال يا قنبر ائتني بالفعله فخرج قنبر فاتاه بعشرة رجال مع الزبل والمرود فأمر ان يحفروا لهم في الارض فلما حفروا اخدا أمر بالحطب والنار فطرح فيه حتى صار نارا تتوقد قال لهم توبوا قالوا لا نرجع فقذف علی بعضهم ثم قذف بقيتهم في النار قال عليه الصلواة والسلام اني اذا رايت شيئا منكرا اوقدت ناري ودعوت قنبرا۔

حالانکہ واجب الوجود کہ جو مخلوقات اور ممکنات کا ہم جنس ہونے سے پاک و پاکیزہ اور بلند و بالا ہے اس کی ذات اور ممکن الوجود کی ذات میں اتحاد حقیقت کے اعتبار سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور مجاز کے لحاظ سے

۲حاصل ایکہ عبد اللہ بن شریک نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جناب امیر المومنین علیہ السلام اپنی ایک زوجہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ اور وہ بی بی ام عمرو تھیں۔ کہ اتنے میں قنبر جناب امیر علیہ السلام کا غلام حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کیا کہ دس آدمی دروازے پر کھڑے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ "العیاذ باللہ" آپ ان کے رب ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا ان کو اندر لے آؤ۔ وہ اندر آ گئے۔ حضرت نے ان سے فرمایا تم کیا کہتے ہو۔ کہنے لگے۔ تو ہمارا رب ہے۔ تو نے ہی ہمیں پیدا کیا۔ تو نے ہی ہمیں رزق دیا۔ حضرت نے قنبر سے فرمایا کہ جائیے مزدوروں کا عملہ بلا لائیے۔ قنبر باہر چلے گئے اور دس آدمی آپ کی خدمت میں لائے۔ جنہوں نے کھدائی کے لئے ٹوکریاں اور ہتھیار اٹھا رکھے تھے۔ حضرت نے ان کو حکم دیا کہ زمین میں ایک گڑھا کھود دیئے۔ جب انہوں نے ایک خندق سی کھود ڈالی۔ تو حضرتؑ نے فرمایا اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ جلائی جائے چنانچہ آگ جلا دی گئی۔ حتیٰ کہ جب خوب دہکنے لگی تو حضرتؑ نے ان سے فرمایا کہ اپنے اس اعتقاد سے توبہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اعتقاد سے ہرگز نہیں ہٹ سکتے جب انہوں نے ضد کی تو حضرت نے پہلے ان میں سے بعض کو اس آگ میں جھونک دیا۔ اس کے بعد بقیہ کو بھی ان کی ہٹ دھرمی کے باعث اس آگ کا ایندھن بنا دیا۔ پھر فرمایا کہ جب بھی میں کوئی ایسا خلاف شرع امر دیکھوں گا۔ تو قنبر کو بلا کر اسی طرح آگ کا اہتمام کروں گا۔

بھی اس اتحاد کا حکم لگانا علی الاطلاق جائز نہیں۔ اور بعض متشابہات پر
قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اور کبھی یہ لوگ فعل خدا کو ایک ایسا خاص
جوہر مانتے ہیں۔ کہ جسے خلق عالم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ قرار

۲۔ منہاج البراعۃ ج ۲ صفحہ ۱۹۱ بحوالہ کتاب الاحتجاج للطبرسیؒ و کتاب عیون اخبار
الرضاؑ۔ عن علی بن احمد الدلال القمی قال اختلف جماعۃ من
الشیعۃ فی ان اللہ عزوجل فوض الی الائمۃ ان یخلقوا و یرزقوا
فقال قوم ھذا محال لا یجوز علی اللہ لان الاجسام لا یقدر
علی خلقھا غیر اللہ عزوجل وقال آخرون بل اللہ عزوجل اقدر
الائمۃ علی ذالک وفوض الیھم فخلقوا و رزقوا وتنازعوا فی
ذالک نزاعا شدیدا فقال قائل ما بالکم لا ترجعون الی ابی جعفر محمد
بن عثمان فتسئلونہ عن ذالک لیوضح لکم الحق فیہ فانہ
الطریق الی صاحب الامر فرضیت الجماعۃ بابی جعفر وسلمت
واجابت الی قولہ فکتبوا المسئلۃ وانفذوھا الیہ فخرج الیھم
من جھتہ توقیع نسختہ۔ ان اللہ تعالیٰ ھو الذی خلق الاجسام
وقسم الارزاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس
کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر فاما الائمۃ فانھم یسئلون اللہ
فیخلق ویسئلونہ فیرزق ایجابا لمسئلتھم واعظاما لحقھم۔
مرأۃ العقول ج ۱ صفحہ ۱۹۲ الاحتجاج للطبرسیؒ صفحہ ۲۶۴۔
علی بن احمد قمی دلال سے روایت ہے کہ کہا کہ ایک مرتبہ شیعہ کی ایک جماعت میں اس

دیتے ہیں۔ اور اس کا نام قدرۃ اللہ اور ارادۃ اللہ رکھتے ہیں۔ اور کبھی دین
کہ ائمہ علیہم السلام کو پیدا کرنے اور رزق دینے کا واسطہ قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے
ہیں خداوند ان کے ذریعہ اور ان کے واسطے سے خالق ہے۔ بلکہ ائمہ علیہم
السلام کو ہی خالق و رازق جانتے ہیں۔ اگرچہ کہ عدم استقلال کی تاویل علیل
ہی کے ساتھ اور کبھی ائمہ علیہم السلام کو مخلوقات کے لئے[۱] علل اربعہ و الاعتقاد
بشیخ احمد احسائی کا ہے؟ علل اربع قرار دیتے ہیں چنانچہ ان ذوات قدسیہ

کے متعلق اختلاف واقع ہو گیا۔ کہ آیا اللہ تعالیٰ نے عالم دنیا کے پیدا کرنے اور رزق
دینے کے معاملہ کو ائمہؑ کے سپرد کر دیا ہے یا نہیں؟ ایک گروہ نے کہا کہ یہ محال ہے
ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا معاملہ کسی کے سپرد کرے۔ کیونکہ سوائے
اللہ تعالیٰ کے کوئی ہستی اجسام کے پیدا کرنے پر قادر ہی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے
گروہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ علیہم السلام کو اس پر قادر کر دیا ہے۔ اور یہ
معاملہ ان کے سپرد کر دیا ہے۔ لہذا انہوں نے ہی "سب کچھ" پیدا کیا ہے۔ اور انہوں
نے ہی "سب کو" رزق دیا ہے۔ اس بارے میں ہر دو گروہوں نے باہم بڑا سخت
جھگڑا اور تنازع قائم کر دیا۔ تو کسی سمجھدار نے ان سے کہا کہ تم اس مسئلہ کے متعلق
حضرت صاحب الامرؑ کے وکیل جناب ابو جعفر محمد ابن عثمان کی طرف کیوں رجوع نہیں کرتے؟ ان سے سوال کیجئے
تاکہ وہ جو حق ہو اسے واضح کر دیں کیونکہ وہ ہی تو حضرت صاحب الامر امام زمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت تک
رسائی کا واسطہ و وسیلہ ہیں چنانچہ پوری وہ جماعت حضرت ابو جعفر محمد بن عثمان کے فیصلے پر راضی ہو گئی
اور ان کے ارشاد کو تسلیم اور قبول کرنے پر سب نے اتفاق کا اظہار کر دیا لہذا یہ مسئلہ تحریر کیا اور حضرت ابو جعفر
کی معرفت حضرت امام زمانؑ کی خدمت میں اسے ارسال کر دیا تو حضور صاحب زمانہ علیہ

کو وہ پیدا کرنے کا فاعل اور مخلوقات کا مادہ اور کائنات کی صورت اور
غایت کہتے ہیں حالانکہ مخلوقات کا مادہ بھی اور صورت بھی ان ہی
ذوات قدسیہ کو قرار دینے کی بناء پر ائمہ علیہم السلام کا باقی مخلوقات کے

والسلام کے دستخط مبارک اور مہر سے مصدقہ جواب آگیا۔ جس کے الفاظ یہ تھے۔
"صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات پاک ہے۔ جس نے تمام جسموں کو پیدا کیا۔ اور تمام رزقوں
کو تقسیم کیا ہے۔ کیونکہ وہ نہ جسم ہے۔ نہ ہی جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ اس کی شل کوئی
شئی نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔ رہی شان ائمہؑ کا بیان تو ان کی عظمت اور جلالت
قدر کی یہ شان ہے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کو پیدا کرنے یا کسی کو رزق دینے
کا سوال اور دعاء کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد نہیں کرتا بلکہ ان کے حق
کی عظمت اور شان کی بلندی کے باعث ان کی دُعاء کو شرف قبولیت سے مشرف
کرتا۔ اور مطلوبہ چیز کو پیدا کر دیتا۔ اور جس کے رزق کی دُعاء ہوتی ہے۔ اس
کو عطا کر دیتا ہے۔

حدیث ۱ سے یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ مفوضہ مشرک ہیں۔ اور
حدیث ۲ سے یہ ثمرہ حاصل ہوتا ہے کہ مفوضہ کی دنیا میں بھی سزا یہ ہے
کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے۔ حدیث نمبر ۳ سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ کوئی جسم
یا جسمانی طاقت جو کہ جسم میں حال ہوتی ہے۔ کسی جسم کو پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لئے
سوائے خدا کے اور کوئی ہستی کسی جسم کو پیدا کرنے پر قادر ہی نہیں ہو سکتی۔
اور جب سوائے خدا کے کوئی جسم کے پیدا کرنے پر قادر ہی نہیں ہو سکتا تو
پھر پیدا کرنے کے معاملہ کو ائمہؑ کے سپرد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

ساتھ اتحاد لازم آتا ہے۔" جو کہ بداہتہ باطل ہے۔ اور بعض اوقات بکواس
کرتے ہیں۔ کہ العیاذ باللہ امام ہر شئی کے وجود میں اسی طرح داخل
ہو جاتا اور حلول کر جاتا ہے۔ جیسے ابلیس ہر شئی میں داخل ہو جاتا ہے
اور اس میں سرایت کر جاتا ہے ان کے اس بکواس کے بطلان اور فاسد ہونے
سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے۔ تاہم انہوں نے اس تشبیہ میں جو بے ادبی

کیونکہ کوئی کام اسی شخص کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ جو اس کے کرنے پر قادر ہو۔
اور جب کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہو تو پھر اس کام کا سپرد کرنا عبث بے سود
اور بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا مفوضہ کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
عالم دنیا کو ائمہ علیہم السلام کے واسطے سے پیدا کیا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ ہر جسم کو
پیدا کرنے والی خود خدا کی ذات ہے۔ کیونکہ ان اللہ ھو الذی خلق الاجسام
کے جملہ میں "ھو" ضمیر فصل ہے۔ جو حصر کا فائدہ دیتی ہے۔
اور لفظ "الاجسام" پہ لام استغراق داخل ہے۔ کیونکہ اجسام جسم کی
جمع ہے اور جمع پر جب لام داخل ہو اور وہ عہد کا نہ ہو سکے تو وہ مسلّم طور پہ استغراق
کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا جملہ مذکور کا صراحتہً معنی یہ ہے۔ کہ بس خداوند عالم کی ذات
ہی وہ ذات پاک ہے۔ جس نے ہر ہر جسم کو پیدا کیا ہے۔ پھر "لانہ لیس بجسم
ولا حال فی جسم" کے الفاظ کے ذریعہ اس حکم کی علت بیان کی گئی ہے کہ
صرف خداوند عالم ہی ہر ہر جسم کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور اس تعلیل سے
صراحتہً یہ مطلب سمجھ آتا ہے کہ جو جسم رکھنے والی ہستی ہے۔ وہ جسم کو پیدا نہیں
کر سکتی۔ علیٰ ہذا القیاس کوئی جسمانی طاقت جسم کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی

اور بد تہذیبی اختیار کی ہے۔ وہ ان کی خباثت کے لئے کافی سے زیادہ ثبوت ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم لطیف اور روحانی کبھی ملائکہ کی طرح لطیف ہو جاتا تھا۔ اور کبھی کثیف بن جاتا تھا

لہذا ممکن ہی نہیں کہ کسی جسمانی طاقت سے کوئی جسم پیدا ہوا۔

اور "وقسم الارزاق" میں جس تقسیم کا تذکرہ ہے۔ وہ تقسیم ازلی ہے کیونکہ ازل سے اللہ تعالیٰ کو یہ علم حاصل ہے کہ ہر شخص اپنے رزق میں کیا کیا چیز اور کتنی مقدار حاصل کرے گا۔ اور اسی علم ازلی کے مطابق ہر شخص کو دنیا میں رزق عطا کیا جاتا ہے جو ہر شخص کی قسمت میں ہے۔ اس تقسیم سے دنیا میں ہر شخص تک رزق کو پہنچانا مراد نہیں۔ کیونکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے رزق کو اس تک پہنچانے کا ایسا کوئی اہتمام وانتظام نہیں فرمایا کہ کوئی خدا کا فرستادہ ہر شخص کا رزق اس تک پہنچا دیا کرے بلکہ ہر انسان شرعاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور اور مکلف ہے کہ وہ حلال طریقہ پر رزق کو کمانے کی کوشش کرے۔ ساتھ ہی مامور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے رزق اور اس کی وسعت وغیرہ کے لئے دعا کرے۔ تصدق۔ صلہ رحمی۔ نماز پنجگانہ کی پابندی۔ نماز تہجد وغیرہ اعمال صالحہ بجا لائے۔ کیونکہ کسب معاش کی کوشش۔ نماز صبح کے بعد تعقیبات کا بجا لانا دیگر عمل صالح وغیرہ منجانب اللہ رزق کے حاصل ہونے کے اسباب ہیں۔ ان اسباب ظاہرہ کے طفیل حصول رزق کے مخفی اسباب بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی مہربانی کے ساتھ حاصل اور میسر آجاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ حاوی ہے کیونکہ اسے ہر شئے کا علم حاصل ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی قسمت ازلی کے مطابق جس

اور ان کی ساری تمثیلات غالیوں اور مفوضہ کے کلام سے ماخوذ ہیں کہ جو خداوند عالم کو ایسا روحانی جانتے ہیں۔ جو ائمہ علیہم السلام کے اجسام لطافہ

سبب سے رزق حاصل ہونا ہوتا ہے۔ حاصل ہو جاتا ہے۔

اما الائمہ فانھم یسئلون اللہ الخ کے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام ہماری دعاؤں کی قبولیت کا وسیلہ ہیں۔ جب ہم ان کو اپنی دعا کی استجابت کے لئے وسیلہ بنائیں۔ اور وہ مقتضائے مصلحت کے مطابق دربار رب العزت میں سفارش اور شفاعت کر دیں۔ تو اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو قبول کر لیتا ہے۔ اور ہمارے حاجات پورے کر دیتا ہے۔ لیکن مفوضہ کا یہ اعتقاد درست نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ ائمہ[۳] کے سپرد کر دیا ہے۔ بس اب وہی نفوس مقدسہ اس ڈیوٹی کو اپنی صوابدید کے مطابق مستقل طور پر یا خداوند عالم کے وقتاً فوقتاً پہنچنے والے حکم کے مطابق انجام دیتے رہے۔ اور انجام دیتے رہتے ہیں۔

۳۔ منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغہ ج ۲ صہ ۱۰۲ بحوالہ عیون اخبار الرضا علیہ السلام۔ وعیون اخبار الرضاؑ ج ۲ صہ ۱۵۸

عن ابن باجیلویہ عن علی عن ابیہ عن یاسر الخادم قال قلت للرضا علیہ السلام ما تقول فی التفویض فقال ان اللہ تعالیٰ فوض الی نبیہ أمر دینہ فقال ما آتکم الرسول فخذوہ وما نھیکم عنہ فانتھوا فاما الخلق والرزق فلا ثم قال ان اللہ عزوجل خالق کل شئی فھو یقول عزوجل۔ اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم

سے متلبس اور ان میں حلول کر جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک روحانی چیز کا جسمانی چیز میں ظاہر ہونا قابل انکار نہیں۔ بلکہ جانب خیر و شر دونوں صورتوں میں ممکن ہے۔ جانب خیر کی مثال حضرت جبرائیل امین کا دحیہ

ثم یحییکم هل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شئ سبحانه وتعالی عما یشرکون پ۲۱ ع۴ الروم۔ آیت ۴۰۔

بسند مذکور یاسر خادم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تفویض کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا معاملہ تو اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا تھا چنانچہ ارشاد باری ہے۔ ما آتیکم الرسول الخ۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو چیز تمہیں عطا کریں وہ لے لو۔ اور جس چیز سے منع فرمادیں اس سے رک جاؤ۔ لیکن پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ کسی کے سپرد نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتا ہے۔ اللہ الذی خلقکم الخ۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر اس نے تمہیں رزق عطا کیا۔ پھر وہ تم کو موت دے گا۔ اور پھر وہی موت کے بعد تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے تجویز کردہ شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے۔ جو یہ مذکورہ کام کر سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک و پاکیزہ اور بلند تر ہے جسے وہ شریک کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ اللہ الذی خلقکم الخ۔ کے ساتھ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا استدلال کرنا اس کی دلیل ہے کہ مفوضہ کا یہ عقیدہ

کلبی کے جسم میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور جانب شر کی مثال جنوں کا دیگر انسانوں کے بدنوں میں ظاہر ہونا ہے۔ اور اسی قول پہ مبنی ہے۔ ان کا معراج اور معاد جسمانی کے معنی میں تصرف کرنا اور ان دونوں کا ذکر انشاء اللہ اپنے

ائمہ معصومین کے ارشادات و قرآن مجید ہر دو کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے اور رزق دینے وغیرہ کے معاملہ کو ائمہ علیہم السلام کے سپرد کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیات میں ان تولد کے پیدا کرنے کا استناد اپنی ذات کی طرف قائم کیا ہے۔ اور اصل استناد میں حقیقت ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ تمام اجسام و ارواح و اعراض (افعال عباد کے علاوہ) کا پیدا کرنے والا خود خداوند عالم ہے۔ یہ کام اس نے کسی کے سپرد نہیں کیا۔ قرآن مجید میں جس قدر آیات خلق واقع ہوئی ہیں۔ سب سے یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۵۔ پ۱ ع۳ البقرہ آیت ۲۱۔۲۲۔ یا ایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم فلا تجعلوا لله اندادا وانتم تعلمون۔ اے لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو۔ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اور ان تمام لوگوں کو بھی پیدا کیا ہے۔ جو تم سے پہلے گزر چکے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ یعنی اس رب کی عبادت کرو۔ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا۔ اور آسمان کو بمنزل چھت بنایا۔ اور آسمان کی جانب سے پانی نازل کیا۔ جس کے ذریعہ تمہارے رزق کے لئے بعض پھل پیدا کئے۔ لہذا یہ علم رکھتے ہوئے تم اس کے ہمسر اور شریک مت بناؤ۔

محل میں آجائیگا یہ سب کچھ باطل سفسطہ اور واضح مغالطہ ہے۔ ان کے رد کے لئے
اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کافی ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم پ ۱۶ ع ۳ الکہف آیت ۱۱۰

اس آیت پاک میں اس رب کی عبادت کا حکم ہے۔ جس نے انسانوں کو پیدا کیا
نیز زمین اور آسمان کو بھی پیدا کیا۔ اور پھر اس نے بارش نازل فرما کر اس کے ذریعہ
پھل اگائے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے کا معاملہ ائمہ کے سپرد کر دیا ہوتا۔ تو پھر
ہمیں ائمہ کی عبادت کرنا چاہیئے تھی۔ کیونکہ ہمارے پیدا کرنے والے پھر ائمہ ہوتے
اس لئے اس آیت کے رو سے ہمیں ان کی عبادت کرنے کا حکم تھا۔ اور وہ اس لائق
تھے۔ کہ ہم ان کی عبادت کریں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ۔ لا الٰہ الا اللہ کلمہ توحید
کا ادا کرنا اور اس کے معنی پہ ایمان رکھنا درست اور صحیح نہ ہوتا کیونکہ استحقاق
عبادت میں خدا کے ساتھ ائمہ بھی شریک ہو جاتے۔ اور اصول اسلام و ایمان
میں توحید کا شمار غلط ہو جاتا۔ گویا شجرہ اسلام جڑ سے اکھڑ کر ختم ہو جاتا۔ اور یہی
وجہ ہے کہ مفوضہ پر ائمہ علیہم السلام نے مشرک ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ کیونکہ ان
کا یہ عقیدہ فاسدہ مستلزم شرک ہے۔ اور عبادت غیر اللہ کے جواز کا باعث
بنتا ہے،

اس سے ظاہر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تفویض خواہ استقلالی ہو۔ خواہ غیر
استقلالی ہر دو صورتیں باطل اور مستلزم شرک ہیں یعنی خواہ تفویض بایں معنی
فرض کی جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خلق و رزق وغیرہ کے معاملات کو ائمہ کے سپرد کر
کے ان معاملات میں ان کو اختیار کلی دے دیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق
جیسے مناسب سمجھیں خلق و رزق و اماتت و احیاء وغیرہ کو انجام دیتے رہیں اسے تفویض

اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تمہاری ہی مثل انسان ہوں۔ نیز ارشاد پروردگار
ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا و للبسنا علیہم ما یلبسون
پ ۷ ع ۷ الانعام آیت ۹ یعنی اگر ہم نبی کو فرشتہ بناتے تو بھی ہم اسے

استقلالی کہا جاتا ہے۔ اور خواہ تفویض کا یہ معنی مراد لیا جائے۔ کہ خلق و رزق
وغیرہ پر خدا نے ائمہ کو قادر تو کر دیا اور اس کام پر ان کی ڈیوٹی بھی لگا دی
لیکن وہ ان کاموں کو انجام دینے میں حکم خدا کے محتاج اور منتظر رہتے ہیں۔ خدا
وند عالم جب اپنی مصلحت اور حکمت کے مطابق انکو کسی چیز کے پیدا کرنے یا مارنے
جلانے وغیرہ کا حکم دیتا ہے تو وہ تعمیل حکم کرتے ہوئے اس کام کو انجام دیتے
ہیں۔ اس کو تفویض غیر استقلالی کہتے ہیں۔

بہر حال تفویض کی دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی فرض کی جائے۔
بندوں کے خالق حقیقتہً ائمہ ہی قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا بنا بر تقدیر تفویض
آیت مبارکہ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم الخ۔ کا معنی یہی
بنتا ہے۔ کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ائمہ کی عبادت کریں۔ کیونکہ وہی ان
کے بھی اور ان سے ماقبل گزر جانے والے لوگوں کے بھی اس تقدیر پہ خالق بنتے ہیں
اور وہی زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے اور بارش برسا کر پھلوں کو پیدا
کرنے والے قرار پاتے ہیں۔ غرضیکہ تفویض کی کسی ایک صورت کو صحیح تسلیم کرنے
سے تمام ان آیات قرآنیہ کا مضمون غلط ہو جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ لائق عبادت
صرف اللہ تعالیٰ کی ذات قرار پاتی ہے۔ جیسے مثلاً۔ اللہ لا الٰہ الا ھو۔ انما
الٰھکم الٰہ واحد۔ وغیرہ۔

مردہی" کی شکل میں،، بنا کر بھیجتے اور پھر جس اشتباہ میں وہ اب پڑے ہیں۔ اسی شبہ میں ہم خود ان کو ڈال دیتے۔ نیز ارشاد پروردگار

اللہ خالق کل شئی وھو الواحد القہار۔ پ۱۳ ع۱ الرعد آیت ۱۶

اللہ تعالیٰ ہر شئے کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہ یکتا و یگانہ بے مثل و بے مثال

نیز ان تمام آیتوں کا مضمون بھی غلط ہو جاتا ہے۔ جن سے اجسام و ارواح کے پیدا کرنے کا اسناد بطور حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک سارے کا سارا صحیح مضامین پر مشتمل ہے۔ اور توحید اسلام کا رکن اعظم اور اصل اصیل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مفوضہ کا مزعومہ باطل اور تفویض استقلالی و غیر استقلالی ہر دو کا نظریہ قرآنی صواب نہیں۔ خلاف واقع ہے۔ اسلام نے توحید کی تعلیم پر بہت بڑا زور دیا ہے۔ اور ہر وقت اس کے ذہن نشین رہنے کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہے۔ کہ روزانہ اذان میں، اقامت میں، نماز کے تشہد میں اس کے ادا کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔

مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ نے متن کتاب میں جن آیات کو تحریر فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ بھی قرآن مجید ایسے آیات سے پر ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے تمام اجسام، ارواح اور سوائے افعال عباد کے دیگر اعراض کو پیدا کرنے والا اپنی ذات پاک ہی کو قرار دیا ہے۔

۶:۔ چنانچہ ارشاد ہے لا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن الآیۃ۔ پ۲ ع۲۸ البقرہ۔ آیت ۲۲۸ کہ مطلقہ عورتوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائے رکھنے کی کوشش کریں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے

اور ہر چیز پر غالب اور قادر ہے۔ نیز ارشاد قدرت واتخذوا من دونہ آلھۃ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون پ۱۸ ع۱ الفرقان آیت نمبر ۳۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے ایسے معبود بنا لئے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ اور وہ خود مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو رزق عطا کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا۔ پھر موت کے بعد وہ تمہیں زندہ کریگا نیز فرمان ربی۔ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ۔ پ۱۷ ع۱۴ الحج آیت ۷۳۔

ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ رحم مادر میں بچے کو پیدا کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے۔

۷:۔ نیز ارشاد پروردگار ہے۔ یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ الآیۃ۔ پ۴ ع۱۲ النساء آیت نمبر ۱۔ اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس "یعنی آدمؑ" سے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کو پیدا کرنے والی اللہ تعالیٰ ہی کی پاک ذات ہے۔

۸:۔ الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا بربھم یعدلون۔ ھو الذی خلقکم من طین الآیۃ۔ پ۷ ع۷۔ الانعام۔ آیت ۱، ۲ تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور نور اور تاریکیوں کو خلق فرمایا پھر بھی جو لوگ کافر ہیں۔ وہ اپنے رب کا ہمسر تجویز کرتے ہیں۔ وہی تو وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔

تم لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں سے دعائیں مانگتے ہیں وہ ایک مکھی تک بھی ہرگز نہیں پیدا کر سکتے۔ اگرچہ کہ سارے کے سارے اس کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ نیز یہ ارشاد پروردگار کافی ہے۔"

۱۹:۔ وھو الذی خلق السمٰوات والارض بالحق ویوم یقول کن فیکون۔ پ ۷ ع ۱۴ الانعام، آیت ۷۳۔ وہی تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اور جس دن پھر اشیاء کو حکم دے گا کہ پیدا ہو جاؤ تو مٹ جانے کے بعد پھر فوراً پیدا ہو جائیں گی۔

۲۰:۔ بدیع السمٰوات والارض انّی یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبۃ وخلق کل شیٔ وھو بکل شیٔ علیم ذالکم اللّٰہ ربکم ج لا الٰہ الا ھو ج خالق کل شیٔ فاعبدوہ الخ پ ۷ ع ۱۷۔ الانعام۔ آیت ۱۰۳۔

وہ تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے لئے اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اس کی بیوی ہی کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ وہ ہر شیٔ کا جاننے والا ہے۔ یہی اللہ ہے۔ جو تمہارا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر شیٔ کا خالق ہے۔ اس لئے تم اس کی عبادت کرو۔

۲۱:۔ ان ربکم اللّٰہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام الآیۃ پ ۸ ع ۱۴۔ الاعراف آیت ۵۴ بے شک تمہارا رب وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے زمین اور آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ نیز یہی آیت دیکھو پ ۱۱ ع ۶ یونس آیت ۳

اللّٰہ الذی خلق السمٰوات والارض وما بینھما پ ۲۱ السجدۃ آیت ۴۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

۱۲:۔ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا الآیۃ۔ پ ۹ ع ۱۴۔ الاعراف۔ آیت نمبر ۱۸۹ وہی تو ہے جس نے تم سب کو ایک نفس "حضرت آدمؑ" سے پیدا کیا۔ اور اس کی بچی ہوئی مٹی" سے اس کی زوجہ "حضرت حواؑ" کو پیدا کیا۔ تاکہ وہ ان کے ساتھ رہ کر سکون حاصل کرے۔

۱۳:۔ وھو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام الآیۃ پ ۱۲ ع ۱۔ ہود۔ آیت ۷ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔

۱۴:۔ الم تر ان اللّٰہ خلق السمٰوات والارض بالحق الآیۃ پ ۱۳ ع ۱۷۔ ابراہیم آیت ۱۹ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق یعنی مصلحت کے ساتھ پیدا کیا۔

۱۵:۔ اللّٰہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم پ ۱۳ ع ۱۸ ابراہیم آیت ۳۲ اللہ تعالیٰ وہی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور جس نے جانب آسمان سے پانی نازل کیا۔ اور پھر اس کے ذریعہ بعض پھل تمہارا رزق بنانے کیلئے پیدا کئے۔

۱۶:۔ خلق السمٰوات والارض بالحق تعالیٰ عما یشرکون خلق الانسان من نطفۃ الآیۃ۔ پ ۱۴ ع ۱ النحل آیت ۳ آسمانوں اور زمین

اور حضرت صادق آلِ محمد علیہم السلام نے عبداللہ بن سبا کی اولاد کے اس شخص کو دشمن خدا اور جھوٹا قرار دیا۔ جس کے متعلق زرارہ نے حضرت سے یہ بیان کیا تھا کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف محمد مصطفےٰؐ اور علیؑ کو معیت کے ساتھ اسی نے پیدا کیا۔ مشرک لوگ جو پیدا کرنے میں غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں۔ وہ اس اشتراک سے پاک اور بلند بالا ہے۔ اس نے ہی انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

۱۷:۔ واللہ اخرجکم من بطون امھٰتکم لا تعلمون شیئاً وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون۔ پ ۱۴ النحل آیت ۷۸۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کسی چیز کا علم نہیں رکھتے تھے۔ اور اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنا دیئے تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔

۱۸:۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلق السمٰوات والارض قادر علی یخلق مثلھم الآیۃ پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۹۹ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ اس پر بھی قادر ہے۔ کہ ان کی شکل اور پیدا کرے۔

۱۹:۔ وھو الذی خلق اللیل والنھار والشمس والقمر الآیۃ۔ پ ۱۷ الانبیاء آیت ۳۳ وہی اللہ تو وہ ہے۔ جس نے شب و روز اور آفتاب و ماہتاب کو پیدا فرمایا۔

۲۰:۔ وھو الذی انشا لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا

مرتضیٰ کو پیدا کیا۔ اور پھر ہر چیز کو پیدا کرنے وغیرہ امور کو ان دونوں بزرگواروں کے تفویض اور سپرد کر دیا۔ لہٰذا ان دونوں ہستیوں نے ہر شے کو پیدا کیا۔ اور انہوں نے ہی ہر ایک کو رزق عطا کیا اور انہوں نے ہی ہر میت

ما تشکرون وھو الذی ذرأکم فی الارض والیہ تحشرون۔ وھو الذی یحیی و یمیت و لہ اختلاف اللیل والنھار افلا تعقلون پ ۱۸ مومنون آیت ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ اور وہی تو وہ خدا ہے۔ جس نے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل پیدا کئے۔ مگر تم بہت کم شکریہ ادا کرتے ہو۔ اور وہی تو ہے۔ جس نے خود تم کو زمین میں پیدا کیا۔ اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا۔ اور وہی تو ہے۔ جو زندہ بھی کرتا ہے۔ اور موت بھی دیتا ہے۔ اور شب و روز کا اختلاف بھی تو اسی کا بنایا ہوا ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

۲۱:۔ واللہ خلق کل دابۃ من ماء الآیۃ پ ۱۸۔ النور آیت ۴۵۔ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پہ چلنے والے ہر جانور کو پانی سے پیدا فرمایا۔

۲۲:۔ الذی لہ ملک السمٰوات والارض ولم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا۔ پ ۱۸ الفرقان آیت ۲۔ اور وہی اللہ تبارک و تعالیٰ ہی تو ہے جس کو تمام آسمانوں اور زمین کی شاہی حاصل ہے۔ اور ممکن نہیں کہ وہ کسی کو اپنا فرزند بنائے اور ہو نہیں سکتا۔ کہ اس شاہی اور سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہو۔ اسی نے ہر شے کو پیدا کیا۔ اور اسے ایسے مناسب انداز سے بنایا جیسے بنانے کا حق تھا۔

۲۳:۔ وھو الذی ارسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ الآیۃ

پر موت طاری کی اور انہوں نے ہر زندہ کو زندگی بخشی حضرت صادق آل محمد علیہم السلام نے جواباً اسے دشمن خدا اور جھوٹا قرار دے کر زرارہ سے کہا کہ جب تم واپس اس کے پاس جاؤ تو سورہ رعد کی یہ آیت اس کے

پ ۱۹ ع ۱ الفرقان آیت ۴۸۔ اور وہی تو وہ ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت بارش سے پہلے خوشخبری کے طور پر چلایا۔

۲۴:۔ وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا۔ پ ۱۹ آیت ۵۳ ع ۲۔ اور وہی تو وہ خدا ہے جس نے دو سمندروں کو چلایا جن میں سے ایک معین شیریں اور میٹھا اور دوسرا معین کھاری اور بدمزہ ہے اور اسی خدا نے ان دونوں سمندروں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط فاصل پیدا کر دیا۔ اور وہی تو اللہ جل شانہ ہے۔ جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا۔ اور پھر اسے خاندان اور سسرال والا بنایا۔

۲۵:۔ ام من خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا ءالہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون۔ ام من جعل الارض قرارا وجعل خلالھا انھارا وجعل لھا رواسی وجعل بین البحرین حاجزا ءالہ مع اللہ بل اکثرھم لا یعلمون

پ ۲۰ ع ۱ النمل آیت ۶۰-۶۱۔

کیا تمہارے خود ساختہ شریک افضل ہیں۔ یا وہ خدا پاک افضل ہے

سامنے پڑھ دینا۔ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ الآیۃ پ ۱۳ ع ۲ الرعد آیت ۱۶ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایسے شریک بنائے ہیں۔ جنہوں نے مخلوق خدا کی مثل مخلوق پیدا کی ہے۔ اور اس وجہ سے ان

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان کی جانب سے پانی نازل کیا پھر اس کے ذریعہ پُر رونق اور خوشنما باغات پیدا کئے۔ تمہیں تو اتنا بھی ممکن نہ تھا کہ ان باغات کا کوئی درخت ہی پیدا کر دو۔ تو کیا تم "اللہ کے ساتھ ان چیزوں کے دوسرے خالق تجویز کر کے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود بنانے کی فکر میں ہو۔ بلکہ ایسا کرنے والے حقیقتاً ایسی قوم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور شریک بناتے ہیں پھر کہا کہ یا وہ ہستی افضل ہے۔ جس نے زمین کو جائے قرار بنایا۔ اور اس کے اندر دریا بنائے۔ اور اس میں بھاری بھرکم پہاڑ پیدا کئے۔ اور دو سمندروں کے درمیان انکے باہم اختلاط پذیر ہونے سے روکنے والی ایک حد فاصل پیدا کی تو کیا تم "دوسرے خالق تجویز کر کے" اللہ کے ساتھ معبود بنانا چاہتے ہو، حالانکہ ایسا ہرگز ممکن نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر جہالت اور لاعلمی کا شکار ہیں۔

۲۶:۔ خلق اللہ السموات والارض پ ۲۱ ع ۲ العنکبوت آیت ۴۴۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت کے مطابق پیدا فرمایا۔ یہی آیت دیکھو

پ ۲۵ ع ۱۷۔ الجاثیہ آیت ۲۲۔

۲۷:۔ ما خلق اللہ السموات والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمی پ ۲۱ ع ۸۔ الروم آیت ۸۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء کو بس مصلحت کے مطابق اور ایک مقررہ مدت

کے لئے مخلوقات میں اشتباہ واقع ہو گیا ہے اے نبی کہہ دیجئے کہ اللہ
تعالٰی ہر شئے کا خالق ہے۔ اور یکتا و یگانہ اور ہر شئے پر قادر اور
غالب ہے۔ اور ردِ مفوضہ کے متعلق محمد بن عرفہ کی روایت عنقریب

تمک کے لئے پیدا کیا ہے۔

۲۸۔ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا
الآیۃ۔ پ ۲۱ ع الروم۔ قدرت و علم خداوند عالم کے دلائل میں سے یہ چیز بھی ہے
کہ اس نے تمہارے ہی نفوس اور تمہاری ہی نوع سے تمہاری بیویاں پیدا
کی ہیں۔ تاکہ تم ان کے ساتھ آرام اور چین و سکون سے رہو۔

۲۹۔ خلق السموات بغیر عمد ترونہا والقی فی الارض رواسی
ان تمید بکم وبث فیہا من کل دابۃ وانزلنا من السماء ماء
فانبتنا فیہا من کل زوج کریم ھذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق
الذین من دونہ بل الظالمون فی ضلال مبین۔ پ ۲۱ ع ۱ لقمن آیت ۱۰-۱۱
اللہ تعالٰی نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے پیدا فرمایا جنہیں تم دیکھ سکو۔ اور زمین
میں بھاری بھاری پہاڑ پیدا کر دیئے تاکہ وہ تمہیں لیکر کشتی کی طرح پانی میں تیرنے
نہ لگے۔ اور زمین میں ہر قسم کے جاندار پیدا کر کے پھیلا دیئے۔ اور آسمانوں کی جانب
سے ہم نے ہی پانی برسایا۔ اس کے ذریعہ زمین میں ہر قسم کے عمدہ پھلوں کے جوڑے
پیدا کئے۔ یہ ہے خداوند عالم اللہ تعالٰی کی مخلوق اب مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے علاوہ
جو تم نے خالق تجویز کر رکھے ہیں۔ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے۔؟ بلکہ یہ ظالم
لوگ جو اللہ تعالٰی کے علاوہ اشیاء عالم کے دیگر خالق تجویز کئے پھرتے ہیں

آرہی ہے۔ ان توضیحات کے ذریعہ یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ غیر خداوند عالم نہ
دنیا کا خالق ہو سکتا ہے۔ نہ کلی مدبر۔ خواہ اس کا خالق ہونا بالاستقلال
فرض کیا جائے۔ اور خواہ اس طریقہ سے کہ خدا نے اسے قادر کر کے

یہ کھلی گمراہی کا شکار ہو چکے ہیں۔

۳۰۔ سبحان الذی خلق الازواج کلہا مما تنبت الارض و
من انفسہم ومما لا یعلمون۔ پ ۲۳ ع ۲ یٰسین آیت ۳۶۔ پاک ہے اللہ
تعالٰی کی ذات جس نے ہر قسم کے تمام جوڑے پیدا کئے۔ یعنی ان چیزوں سے بھی
جنہیں زمین اگاتی ہے۔ اور خود تمہارے نفوس میں سے بھی اور دیگر ان چیزوں
میں سے بھی جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔

۳۱۔ ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون
لہ اندادا۔ ذلک رب العالمین پ ۲۴ ع ۲ حٰم آیت ۹۔ کیا تم اس
اللہ تعالٰی جل شانہٗ کی ذات کا انکار اور کفر کرتے ہو۔ جس نے زمین کو دو دنوں میں
پیدا کر دیا۔ اور کیا تم ایسے وحدہٗ لاشریک خدا کے ہمسر اور شریک بناتے ہو۔ وہی زمین
اور دیگر تمام اشیاء عالم کو پیدا کرنے والا ہی رب العالمین ہے۔

۳۲۔ ولئن سألتہم من خلق السموات والارض لیقولن
خلقہن العزیز العلیم الذی جعل لکم الارض مہدا وجعل لکم
فیہا سبلا لعلکم تہتدون۔ پ ۲۵ ع ۱ الزخرف آیت ۹-۱۰۔ اور اگر تم
ان سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو ضرور کہیں گے کہ
انہیں اس ذات پاک پروردگار نے پیدا کیا ہے۔ جو ہر شئی پر غالب، قدرت

اس کام کو اس کے سپرد کر دیا ہے۔ اور یہ سب کچھ ضروریات دین میں سے ہے۔ اور اس کا منکر دین سے خارج ہے۔ لہٰذا خداوند عالم کے علاوہ کسی دیگر شخصیت کے متعلق علی الاطلاق یوں کہنا جائز نہیں۔ کہ وہ خالق

رکھنے والا اور علیم ہے۔ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا۔ اور اس میں تمہارے رستے بنائے۔ تاکہ تم منزل مقصود کی طرف ہدایت پا سکو۔

۳۳:- اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموات والارض ولم یعی بخلقھن بقدر علی أن یحیی الموتی بلی انہ علی کل شئ قدیر

پ ۲۶ ع ۴ محمد آیت ۳۳ کیا انہوں نے یہ نہیں غور کیا کہ وہ اللہ جل شانہ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور ان کے پیدا کرنے سے اسے کوئی تھکاوٹ تکلیف لاحق نہیں ہوئی وہ اس پر قادر ہے۔ کہ مرنے کے بعد پھر مُردوں کو زندہ کر دے۔ ہاں بے شک وہ ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر شئی پر قادر ہے۔

۳۴:- وخلق الجان من مارج من نار۔ پ ۲۷ ع ۱۱ الرحمٰن آیت ۱۵۔ اور اللہ تعالےٰ نے جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ہے۔

۳۵:- ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن پ ۲۸ ع ۱۷ التغابن آیت ۲۔ وہی تو وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر بعض تم میں سے کافر بن گئے۔ اور بعض مومن بنے۔

۳۶:- اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن پ ۲۸ ع ۱۹۔ التحریم آیت ۱۲۔ اللہ وہ ہے۔ جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا۔ اور زمینیں بھی انہیں آسمانوں کی مثل سات پیدا کیں۔

اور رازق ہے۔ اور نہ ہی یہ کہنا جائز ہے۔ کہ وہ شخصیت فعل خلق و رزق کے صادر ہونے کا واسطہ ہے۔ بایں معنی کہ اس شخصیت کے علاوہ جو کچھ پیدا ہوا ہے۔ وہ اس شخصیت اور اس واسطۂ خاصہ کے توسط سے پیدا ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس واسطہ اور اس شخصیت سے دیگر

۳۷:- الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور الذی خلق سبع سموات طباقا پ ۲۹ ع ۱ الملک آیت ۲۔ وہ اللہ جل شانہٗ صاحب برکت ہے۔ جس نے موت اور زندگی دونوں کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہارا امتحان لے اور آزمائے کہ تم میں سے سب سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔ اور وہ صاحب عزت و غلبہ اور مغفرت عطا کرنے والا ہے۔ اس نے ساتوں آسمان پیدا کئے۔ جو اوپر نیچے منطبق ہیں۔

۳۸:- الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا واللہ انبتکم من الارض نباتا ثم یعیدکم فیھا و یخرجکم اخراجا واللہ جعل لکم الارض بساطا لتسلکوا منھا سبلا فجاجا۔ پ ۲۹ ع ۹ نوح آیت ۱۵ تا ۲۰ کیا تم نے غور نہیں کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے سات آسمان جو باہم آپس میں اوپر تلے منطبق ہیں۔ کیسے پیدا کر دیئے ہیں۔؟ اور چاند کو ان میں نور اور سورج کو چراغ بنا دیا ہے۔ اللہ نے ہی تم کو زمین سے پیدا کیا پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹائے گا۔ پھر تمہیں وہ نکالے گا اللہ نے ہی تمہارے لئے زمین کا فرش بنایا۔ تاکہ تم اس کے وسیع راستوں پر آسانی سے چل پھر سکو۔

تمام اشیاء کو پیدا کرایا ہے۔ لہذا فلاسفہ کا یہ عقیدہ بھی شرک ہے۔
کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخلوقات پر وجود کے فیضان کا واسطہ عقل اول
ہے۔ بلکہ عقول عشرہ واسطہ ہیں۔ نیز زیر بحث یعنی شیخیہ گروہ کا یہ عقیدہ

۳۹۔ سبح اسم ربک الذی خلق فسوی۔ پ ۳۰۔ الاعلیٰ آیت
۱-۲۔ اپنے اس پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔ جس نے ہر شے کو پیدا کیا۔ اور نہایت
موزوں طریقہ پر اسے ٹھیک پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

۴۰۔ اقرا باسم ربک الذی خلق الانسان من علق
پ ۳۰۔ العلق آیت ۱-۲۔ اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھئے۔ جس نے
ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ انسان کو اس نے خون منجمد سے پیدا کیا۔

ان تمام آیات کے مضمون کا خلاصہ اور ماحصل یہی ہے کہ ہر شے کا پیدا کرنے
والا۔ اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر آیت میں جس بھی چیز کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ
نے ذکر فرمایا ہے۔ اس کے پیدا کرنے کا اسناد اپنی ذات کی طرف کیا ہے۔ اور
سابقاً بیان ہو چکا کہ اصل اسناد میں حقیقت ہوتی ہے۔ مجاز خلاف اصل ہے۔
جو محتاج دلیل اور قرینہ ہوتا ہے۔ لہذا ان تمام آیات سے یہ مسئلہ اظہر من الشمس
ہو رہا ہے۔ کہ عالم و دنیا کی ہر شئی کو خود اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ نبی یا ائمہ
کے سپرد کر کے ان سے پیدا نہیں کرایا۔ کیونکہ سارے قرآن میں ایک آیت
بھی ایسی وارد نہیں ہوئی جس سے یہ ثابت ہو سکے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا
کرنے کا معاملہ ائمہ کے سپرد کیا ہے۔ اور وہ کلی اختیارات حاصل ہونے کے
باعث یا حکم ربی نازل ہونے کی صورت میں ہر چیز کو پیدا کرتے رہتے ہیں۔

بھی شرک ہے کہ فعل اللہ اور قدرۃ اللہ اور عقل کلی یعنی نبی اور امام ان کی
اپنی ذوات مقدسہ کے علاوہ دیگر عالم و دنیا کے پیدا کرنے کا واسطہ
ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ فعل اللہ قدرۃ اللہ اور عقل کلی کے الفاظ سے نبی اور

حالانکہ برعکس اس کے یہ کہ ہر چیز کا خالق خداوند عالم ہے۔ اس کے متعلق جس
قدر آیات نقل کر دی ہیں۔ ان سے زیادہ رہ گئی ہیں۔ نقل کرتے کرتے تھک
کر مزید آیات کو سپرد قرطاس کرنے سے پہلو تہی کر لی گئی ہے۔ غرض سارا قرآن
اس مسئلہ کی زندہ دلیل ہے۔ کہ ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اسی وجہ سے اس
مسئلہ کو علماء کرام نے ضروریات دین میں سے شمار کیا ہے۔ اور اس کے منکر کو خارج
از دین قرار دیا ہے۔ جیسا کہ مصنف علامہ قدس سرہ نے بھی اس کی
تصریح فرمائی ہے۔

اور وجہ ظاہر ہے کیونکہ اس کا منکر وہی ہو سکتا ہے۔ جس کو حقانیت
قرآن پاک پہ ایمان نہ ہو۔ اور پھر جسے قرآن پاک پہ ایمان نہ ہو اسے اہلبیت
رسولؐ پہ بھی ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حدیث ثقلین اور دیگر نصوص
شاہد ہیں کہ اہل بیت رسولؐ اور قرآن پاک آپس میں جدا نہیں ہو سکتے
حتیٰ کہ دونوں حوض کوثر پہ رسول مقبولؐ کے پاس اکٹھے وارد ہوں گے۔
اور ظاہر ہے کہ جسے قرآن اور اہلبیت پہ ایمان نہیں اسے رسول پاک اور
خدا پہ بھی ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ ملعون کافر اور مشرک ہے
اور آتش جہنم کا ایندھن ہے۔ ائمہ ہدیٰ نے اس عقیدہ کا اپنانے والے فرقہ
مفوضہ کو علی الاطلاق مشرک قرار دیا ہے۔ جیسے کہ سابقاً ائمہ کے ارشاد نقل

امام کی ذات مراد لیتے ہیں" مترجم" اس گروہ نے اپنے اس عقیدہ کی یہ دلیل پیش کی ہے۔ وہ عجیب واہی اور ناقص مضمون پر مشتمل ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب عالم دنیا کی بنیاد اپنی

کئے جا چکے ہیں۔ اور ائمہؑ نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ تمام مخلوقات عالم کو اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

۴۱:۔ فطر الخلائق بقدرتہ۔ نہج البلاغہ پہلا خطبہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔

لہٰذا یہ عقیدہ آئمہ علیہم السلام کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ کہ خدا نے آئمہ علیہم السلام کو عالم دنیا کی اشیاء کو پیدا کرنے پر قادر کر دیا۔ اور پھر انہیں حکم دے دیا کہ تم پیدا کیجئے تو انہوں نے عالم دنیا کو پیدا کر دیا۔ یہی وہ مفوضہ ہیں۔ جن پر آئمہ علیہم السلام نے شرک و کفر کے فتوے صادر فرمائے ان سے تبرا اور بیزاری اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ اور علماء شیعہ کو حکم فرمایا کہ ان کے اعتقاد بد سے شیعہ کو روشناس کراتے رہیں۔ تاکہ شیعان علی و محبان آل رسول علیہم السلام کہیں دھوکے سے ان ملاعین کے دام تزویر میں نہ پھنس جائیں۔ کیونکہ یہ خبیث گروہ اپنے آپ کو شیعہ کہلاتا ہے۔ اسی لئے جاہل شیعہ ان کے پھندے کا شکار ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۴۲:۔ کتاب الاحتجاج للطبرسی علیہ الرحمہ صفحہ ۲۴۲۔۲۴۳ و کتاب الدمعۃ الساکبہ ج ۳۔ صفحہ ۵۹۔

حکمت کاملہ کے مطابق اسباب پر قائم کی ہے تو اس میں کوئی بعد نہیں کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے چند اشخاص منتخب کر لے اور ان کو اپنے تمام فیوض کا محل اور کل خیرات کا واسطہ اور سب تاثیرات کا مظہر بنا دے اور یہ

وقد روی عن ابی الحسن الرضاؑ من ذم الغلاۃ والمفوضہ و تکفیرھم وتضلیلھم والبرائۃ منھم وذکر علۃ ما دعاھم الی ذلک الاعتقاد الفاسد الباطل ما قد تقدم ذکر طرف منہ فی ھذا الکتاب وکذالک روی عن آبائہ وابنائہ فی حقھم الامر بلعنھم والبراءۃ منھم واشاعۃ حالھم والکشف عن سوء اعتقادھم کی لا یغتر بمقالتھم ضعفاء الشیعۃ ولا یعتقد من خالف ھذہ الطائفۃ ان الشیعۃ الأمامیۃ باسرھم علی ذلک نعوذ باللہ منہ وممن اعتقدہ وذھب الیہ۔

علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ غلاۃ اور مفوضہ کی مذمت ان کو کافر اور گمراہ قرار دینے ان سے تبرا و بیزاری کرنے اور جس چیز نے انہیں ان کے اس اعتقاد فاسد و باطل کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس کے بارے میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے جو ارشادات مروی ہیں ان کا ایک حصہ اسی کتاب الاحتجاج میں سابقاً گذر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے آباء و اجداد اور آپ کی اولاد علیہم السلام سے بھی ان غلاۃ اور مفوضہ کے متعلق احادیث مروی ہیں جن میں ان پر لعنت کرنے۔ ان سے تبرا اور بیزاری اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہ حکم دیا ہے کہ ان کے اعتقاد بد کو

برگزیدہ اشخاص عالم دنیا کی تمام اشیاء میں اذن خداوند عالم کے ساتھ تصرف تام کریں اور کلی تصرف کرنے پر وہ قادر ہوں۔

مخلوقات پہ واضح کیا جائے۔ اور ان کی حالت بد کو منظر عام پر ظاہر کیا جائے۔ تاکہ ضعفاء شیعہ ان کے اعتقاد کے بارے میں دھوکہ میں نہ رہیں۔ اور ان کے معتقدات کو صحیح نہ سمجھ بیٹھیں۔ نیز مخالفین مذہب حق یہ نہ سمجھ لیں کہ سارے شیعوں کا یہی اعتقاد ہے۔ جو یہ غلاۃ اور مفوضہ ظاہر کرتے ہیں۔ پھر حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس اعتقاد سے بھی اور اس اعتقاد کو اپنانے والوں اور اس کی طرف جانے والوں سے بھی مفوضہ ملاعین کا مذہب قرآن کریم اور تعلیمات آئمہ معصومین علیہ السلام کے ایسے مخالف ہے کہ ذرہ بھر واقفیت رکھنے والا اس میں شک نہیں کرسکتا۔ کیونکہ آئمہ کی تعلیم یہ ہے کہ سارے عالم کو پیدا کرنے والا صرف خدا ہے۔ دیگر کوئی عالم دنیا کی کسی شئی کو پیدا کرنے والا نہیں۔ مگر یہ ملاعین کہتے ہیں۔ خدا صرف محمد وآل محمد علیہم السلام کا خالق ہے۔ دیگر تمام دنیا کے پیدا کرنے والے آئمہ ہیں۔ اس بارے میں آئمہ کے مزید ارشاد ملاحظہ ہوں۔

۴۳:- عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۱۴۲ ۔ ویقول فی دعائہ یا من لا شبیہ لہ ولا مثال انت اللہ الذی لا الٰہ الا انت۔ ولا خالق الا انت۔ تفنی المخلوقین وتبقی انت الخ۔

آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک پیشگوئی میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا کہ میرا وہ فرزند اپنی دعا میں

ان کا یہ استدلال بالکل بودا اور واہی ہے۔ کیونکہ یہ ایک خیالی احتمال انہوں نے پیش کیا ہے۔ جس پر اصل دین کی بنیاد ہرگز قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ اصول دین کے لئے قطعی دلیل کارآمد ہوسکتی ہے۔ وہمی اور خیالی احتمالات فائدہ بخش نہیں ہوسکتے۔ اگر نگاہ ظاہری میں لیا رفع استبعاد کافی ہوتا تو ظاہر بین حضرات ان وسائط کے سجدہ کرنے

اللہ تعالٰی کو ان الفاظ سے خطاب فرمایا کرے گا کہ اے وہ ہستی جس کا نہ کوئی مثل ہے نہ شبیہ تو ہی وہ اللہ جل شانہ ہے۔ جس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہوسکتا۔ اور تو ہی وہ ہستی ہے۔ جس کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہوسکتا۔ تو ساری مخلوق کو فنا کرنے والا ہے۔ اور تو خود ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔

۴۴:- مفاتیح الجنان ص ۸۹ دعا جوشن کبیر فصل ۱۱ ارشاد ہے۔ یا خالق کل مخلوق۔ یا رازق کل رزوق۔ اے ہر مخلوق کو پیدا کرنے والا اللہ۔ اور ہر مرزوق کو رزق دینے والا اللہ۔ نیز مفاتیح الجنان ص ۹۸ یہی دعا جوشن کبیر فصل ۹۱ ارشاد ہے۔ یا من لا یخلق الخلق الا ھو کہ اے وہ ہستی جس کے علاوہ کوئی کسی مخلوق کو پیدا نہیں کرسکتا۔ اور جس کے علاوہ کوئی کسی کے رزق کو وسیع نہیں کرسکتا۔ اور وہ ہستی جس کے علاوہ کوئی مُردوں کو زندہ نہیں کرسکتا۔ نیز مفاتیح الجنان ص ۹۹ یہی دعا جوشن کبیر فصل ۹۵ یا محیی کل شیٔ ومُمیتہ یا خالق کل شیٔ ووارثہ۔ اے وہ ہستی جو ہر شئی کو زندہ کرنے والی اور ہر مرنے والے کو مارنے والی اور موت دینے والی اور جو ہر شئی کو پیدا کرنے والی اور اس کی مالک ہے۔ یہ کلیات اور یہ

بلکہ مطلقاً ان کی عبادت کرنے کو بھی جائز قرار دیتے۔ کیونکہ ان ظاہر
بینوں کی نگاہ میں اس امر میں کوئی بُعد نہیں ہو سکتا تھا کہ خداوند عالم
سیدالبشر اور آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کے سجدہ اور عبادت کو جائز
قرار دیتا کیونکہ یہ نفوس مقدسہ نوع بشر کی سب سے زیادہ فضیلت
رکھنے والی ہستیاں ہیں، آنحضرتؐ سب سے افضل اور ان کے بعد
آئمہ اثنا عشرہ سب سے افضل ہیں؛ بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ نے
حضرت آدمؑ کا سجدہ کرنے پر ملائکہ کو مامور کیا تھا؛ اور آئمہ علیہم
السلام تو حضرت آدم سے بھی افضل ہیں، لہذا ان کے سجدہ کرنے کا
تو بطریق اولیٰ حکم ہونا چاہیئے۔ حالانکہ شریعت اسلام میں سوائے

مشتمل بر حصر جملے شاہد صدق ہیں کہ خالق رازق، محیی اور ممیت اللہ
تعالیٰ کی ذات ہے، دوسری کوئی ہستی ان افعال پر قادر نہیں ہو سکی۔

ان تمام نصوص کے ہوتے ہوئے کون صاحب ایمان یہ عقیدہ رکھ
سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف محمد و آل محمد علیہم السلام کو پیدا کیا ہے۔
اور دیگر سارے عالم کو محمد و آل محمد علیہم السلام نے بالاستقلال یا
بغیر استقلال پیدا کیا ہے۔ نصوص دیگر بھی ایسے موجود ہیں۔ جو مذکورہ
بالا نصوص کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن جس قدر نقل کر دیئے ہیں۔ ان پر
مطلع ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص راہ راست کو اختیار نہیں
کرے گا تو اس بدبخت ازلی سے پھر کسی طرح صراط مستقیم پر آنے
کی توقع ہی نہیں ہو سکتی۔ (مترجم)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی دوسری شخصیت کو معبود برحق قرار
دینا کفر و شرک کی سب سے بڑی اور بنیادی قسم ہے۔ اور یہی حال
ہے۔ خلق و رزق کی تفویض کا کہ آئمہ علیہم السلام نے اس کے قائل کو
دشمن خدا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور نصوص میں ان کے مشرک ہونے
کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور تفویض آئمہ کی یہ دور راز کار تاویل کرنا

لہ:- سابقاً نصوص نقل کئے جا چکے ہیں۔ جن میں مفوضہ کے مشرک ہونے
کی تصریح موجود ہے۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ ان کے اس مذہب باطل سے شرک
لازم کس طرح آتا ہے۔؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" تمام اہل
اسلام کے نزدیک مسلّم طور پر کلمۂ توحید ہے، جو صراحتہً توحید فی العبادت پر
دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی وہ ہستی ہے
جو لائق عبادت ہے۔ دیگر کوئی شخصیت ایسی نہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہے کہ جسے
معبود ہونے کا ذرہ بھر بھی استحقاق حاصل ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا کمال ہے جو استحقاق معبودیت کا
سبب ہے۔ جس کے باعث اللہ تعالیٰ کو یہ استحقاق حاصل ہے۔ اور دیگر
کسی شخصیت کو وہ کمال نہ حاصل ہے نہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اسی کمال
کے حاصل نہ ہو سکنے کے باعث اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر کوئی ہستی معبودیت
کا استحقاق نہیں رکھ سکتی۔

تو آیات قرآنیہ اور ارشادات معصومین اس پر دلالت کرتے ہیں
کہ وہ کمال جس کے باعث اللہ تعالیٰ کو یہ استحقاق حاصل ہے۔ وہ ہے عالم

کہ اس سے مراد استقلال والی صورت کی تفویض ہے۔ یہ اسی طرح بیکار ہو
اور لائق سماعت نہیں۔ جس طرح کہ قریش۔ نصاریٰ اور یہود کے مشرکین
کی تاویل بے سود ہے۔ اور قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ صاحبان

دنیا و ما فیہا کا خالق ہونا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد پاک یا ایھا الناس
اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم الخ پ ۱ ع ۳ البقرہ
آیت ۲۱ کی اسی مطلب پر دلالت ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا
کہ جس رب نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اور تم سے پہلے گزر جانے والوں کو بھی
پیدا کیا ہے۔ اس کی عبادت کرو۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کا پیدا کرنا ہی اس
کا سبب ہے۔ کہ مخلوق اس کی عبادت کرے۔

نیز فرمایا۔ خالق کل شئی فاعبدوہ۔ پ ۷ ع ۱۹ الانعام آیت ۱۰۲
کہ وہ ہر شئے کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس لئے اس کی عبادت کرو۔ فائبیہ
صراحۃ اس مطلب پہ دلالت کرتی ہے کہ اس کا ہر چیز کے لیئے خالق ہونا
اس کا سبب ہے۔ کہ لوگ اس کی عبادت کریں۔

نیز چونکہ وہ ہر شئی کا خالق ہے۔ اس لئے وہی تمام ان چیزوں کا خالق
ہے۔ جو دنیا میں نعمت شمار ہوتی ہے۔ لہذا وہ منعم حقیقی ہے۔ بغیر کسی طمع و لالچ
اور بغیر کسی غرض و حاجت کے وہ ہر نعمت کا عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ فرمایا
یا ایھا الناس اذکروا نعمۃ اللہ علیکم ھل من خالق غیر اللہ
یرزقکم من السماء والارض۔ لا الٰہ الا ھو فانیٰ تؤفکون
پ ۲۲ ع ۱۴ الفاطر آیت ۳۔ کہ اے لوگو! اللہ نے جو تمہیں نعمتیں دی ہیں۔

ذرا غور و فکر اور سوچ بچار کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ عدم استقلال
جس کی تفسیر وہ اس طرح کرتے ہیں کہ ائمہ جو کہ واسطہ ہیں وہ اپنے خالق کی طرف

ان کو یاد رکھو۔ کیا اللہ تعالےٰ کے علاوہ کوئی اور ایسا پیدا کرنے والا ہو سکتا ہے۔
جو تمہیں زمین و آسمان سے رزق دینے والا ہو۔ اس لئے عبادت کے لائق اس
کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی
خالق ہے۔ جو کہ ہر قسم کی نعمتوں کو پیدا کر کے بندوں کو عطا کرنے والا ہے۔ لہذا وہی
خالق اور وہی منعم حقیقی ہے۔ اس طرح اس کا شکر بجا لانا لازم ہے۔ جو کہ اس
کی عبادت کے ذریعہ متحقق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خالق اور رازق کا تذکرہ
فرما کر یہ فرمایا کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ اور ساتھ یہ حکم دینا
کہ اس کی نعمتوں کو یاد رکھو۔ یہ اس کی دلیل ہے۔ کہ اس کی عبادت کا استحقاق
اسے اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ خالق و رازق اور منعم حقیقی ہے۔ جب یہ ثابت
ہوا کہ اس کا خالق و رازق اور منعم حقیقی ہونا ہی استحقاق عبادت کی علت
اور سبب ہے۔ اور علت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ کہ اس کا معلول اس سے
منفک نہیں ہو سکتا۔ تو اس لئے اگر کوئی دیگر ہستی بھی خالق و رازق اور
منعم حقیقی ہو تو اسے بھی یقیناً استحقاق عبادت حاصل ہو جائے گا۔ لہذا
اللہ تعالےٰ کے علاوہ کسی کو خالق قرار دینا گویا اس کو مستحق عبادت قرار دینا
ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ استحقاق عبادت صرف اللہ تعالےٰ کے ساتھ مختص
نہیں رہ جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے علاوہ جتنی شخصیتوں کو خالق مانا جائے گا۔
وہ سب کی سب استحقاق عبادت میں خداوند عالم کے ساتھ شریک ہو

محتاج ہوتے ہیں۔ جو غنی بالذات ہے۔ اور باقی مخلوق ان وسائط
یعنی ائمہ علیہم السلام کی طرف محتاج ہیں۔ یہ عدم استقلال بعینہ
انہیں مفوضہ والی تفویض ہے۔ جو ائمہ علیہم السلام کو باین معنی
مستقل قرار دیتے ہیں کہ انہیں اپنے خالق کی طرف بھی احتیاج نہیں

جائے گی۔ اور شرک متحقق ہو جائے گا۔ اور کلمہ توحید لا إلٰہ الا اللہ کی
حقانیت پر زد واقع ہو جائے گی۔

اور مفوضہ چونکہ آنحضرت نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور
جناب حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بلا ان کے ساتھ دیگر
ائمہ کو بھی خالق عالم قرار دیتے ہیں، اس لئے وہ بالفاظ دیگر ان نفوس مقدسہ
کو مستحق عبادت قرار دیتے۔ اور لائق عبادت جانتے ہیں۔ لہذا وہ اللہ
تعالےٰ کے ساتھ ان برگزیدہ ہستیوں کو استحقاق عبادت میں شریک کرتے
ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ علیہم السلام نے مفوضہ پر مشرک ہونے کا فتویٰ صادر
فرمایا کیونکہ ان کا یہ عقیدہ مستلزم شرک ہے۔ ان کا یہ عقیدہ اس امر کا مقتضی ہے کہ مستحق عبادت کے بیان
میں صرف یوں نہیں کہنا چاہیے لا الٰہ الا اللہ بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ لا الٰہ
الا اللہ و محمد و علی " اور جو لوگ تمام ائمہ کو خالق عالم جانتے
ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق یوں کہنا چاہیے "لا الٰہ الا اللہ و محمد
و علی و اولادہ المعصومون" کہ لائق عبادت اللہ محمد مصطفےٰ، علی مرتضیٰ
اور ان کے گیارہ معصوم فرزندان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ کیونکہ ان کے اعتقاد
کے مطابق اللہ تعالےٰ کے بعد یہ تمام معصومین خالق ہیں۔ غرض ان ملاعین کا

ہوتی۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالےٰ نے چند صفات اور طاعات کو اپنی ذات
کبریا کے لئے ایسا مخصوص قرار دیا ہے۔ کہ ان میں کسی ہستی کی شرکت کو
جائز قرار نہیں دیا ہے۔ خواہ وہ ہستی مقرب بارگاہ ایزدی ہو اور خواہ
غیر مقرب ہو تو پھر ائمہ علیہم السلام کو کس طرح عالم دنیا کا خالق، رازق

عقیدہ مستلزم شرک فی العبادۃ ہے۔ بلکہ مستلزم شرک فی الافعال بھی ہے۔
کیونکہ خلق عالم مخلوقات کو رزق پیدا کر دینا۔ موت طاری کرنا زندگی عطا کرنا
یہ خدا کے افعال ہیں۔ جن میں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ مگر یہ بد اعتقاد خدا کے
ساتھ ائمہ کو بھی ان افعال میں شریک کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے
ان نفوس قدسیہ کو پیدا کر کے ان تمام افعال پر قادر کیا ہے۔ اور پھر انہیں کے
واسطے سے یہ سارے افعال دنیا میں واقع کرا رہا ہے۔ بلکہ ان کا یہ قول مستلزم
شرک فی الصفات بھی ہے۔ کیونکہ عالم دنیا کو خلق کرنا اور دیگر افعال مذکورہ
خداوند عالم کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ جو عین ذات باری ہے۔ مگر
یہ مفوضہ ملاعین ان افعال کو معصومین کے لئے ثابت کرنے کے ذریعہ گویا ان
کے لئے خداوند عالم کی قدرت کی مثل قدرت ثابت کرتے ہیں۔ یعنی وہ ان کے
لئے ایسی قدرت ثابت کرتے ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے عالم دنیا کو پیدا کیا
لہذا ان کا یہ عقیدہ اس کا مقتضی ہے کہ ائمہ بھی ایسی قدرت رکھتے ہیں۔ جیسی
قدرت خدا رکھتا ہے۔ اس لئے ان کا یہ عقیدہ شرک فی الصفات کو
بھی مستلزم ہے۔

اس توضیح سے بخوبی سمجھ آجاتا ہے۔ کہ ائمہ علیہم السلام نے مفوضہ پر مشرک

پیدا کرنے والا، بنانے والا اور مدبر کل قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ یہی تو وہ صفات ہیں جو ذات باری تعالیٰ جلت عظمتہ کے ساتھ خاص ہیں حالانکہ ائمہ علیہم السلام خود ہمیشہ اپنی عبودیت اور عجز کے معترف رہے۔

ہونے کا فتویٰ کیوں لگایا ہے۔ پھر واضح باد کہ شرک کی اسی طرح چار قسمیں ہیں جس طرح کہ توحید کی چار قسمیں ہیں۔ شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی الافعال، شرک فی العبادۃ ان کے مقابلہ میں توحید کی یہ چار قسمیں ہیں توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی الافعال، توحید فی العبادۃ۔ مفوضہ کا عقیدہ باطلہ شرک کی مؤخر الذکر تینوں قسموں کو مستلزم ہے۔ اعاذنا وجمیع المؤمنین من ذلک

پھر مصنف علامہ قدس سرہ نے جو فرمایا ہے کہ تفویض عدم استقلالی بھی اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو تفویض استقلالی ہی بن جاتی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ تفویض استقلالی کا عقیدہ ہو یا عدم استقلالی کا ہر دو قسمیں شرک کی مذکورہ تینوں قسموں کو مستلزم ہیں۔ کیونکہ استلزام شرک کا دارومدار ائمہ کو خالق عالم ماننے پر ہے۔ اور تفویض استقلالی ہو یا غیر استقلالی ہر دو میں ائمہ علیہم السلام کو خالق عالم مانا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ استقلالی والے کہتے ہیں کہ ائمہ کو خداوند عالم نے خلق عالم پر قادر کرنے کے بعد مختار کل بنا دیا ہے۔ اور تمام اختیارات ان کو سونپ دیئے ہیں۔ جس طرح مناسب سمجھیں پیدا کریں۔ اور جس وقت چاہیں جس مقام پر چاہیں۔ جسے چاہیں پیدا کریں۔ لیکن غیر استقلالی والے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق عالم پر

پھر مزید بر آں بات یہ ہے کہ اس زیر بحث جماعت نے محض تفویض پر اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے اعتبار سے یہ ادعا کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال میں واسطہ کی ضرورت اور احتیاج ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے۔ الخلق والتاثیر لیس من شان اللہ القدیر ذات کلما صدق

ائمہ کو قادر فرما کر عالم و دنیا کے پیدا کرنے پر ائمہ کی ڈیوٹی تو لگائی ہے لیکن ہمہ تن ان کو خود مختار نہیں کیا۔ بلکہ اپنے حکم کا پابند بنایا ہے۔ لہٰذا وہ حکم خدا کے محتاج رہتے ہیں۔ جب حکم خدا ہوتا ہے اور جس طرح کا ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق ائمہ پیدا فرماتے ہیں۔ اور اسی کے مطابق عالم دنیا کی ہر طرح کی کارگزاری کو انجام دیتے ہیں۔ خدا کا کام صرف حکم کرنا ہے۔ ائمہ علیہم السلام کا کام ہر امر کو عملی حیثیت سے انجام پذیر کرنا ہے۔

غرض تفویض استقلالی و غیر استقلالی میں فرق صرف حکم خدا کی طرف محتاج ہونے اور نہ ہونے کے لحاظ سے ہے۔ رہا ائمہ کا خالق عالم ہونا یہ تفویض کی ہر دو قسموں میں مشترکہ حیثیت سے مانا جاتا ہے۔ لہٰذا شرک تفویض کی ہر دو قسموں پر مساوی حیثیت سے لازم آتا ہے۔ کیونکہ استلزام شرک کی بنیاد ائمہ علیہم السلام کو خالق عالم ماننے پر ہے۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ یہ ہے۔ وہ وجہ جس کے باعث مصنف علامہ نے فرمایا کہ تفویض غیر استقلالی بعینہ تفویض استقلالی ہی ہے۔ اور چونکہ کوئی عقلمند یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ائمہ وجود میں تو محتاج خدا ہیں لیکن پیدا کرنے کی قدرت میں وہ مستقل ہیں۔ یعنی محتاج خدا نہیں لہٰذا تفویض استقلالی کو اس معنی پر محمول کرنا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ (مترجم)

علیہ اسم شئ حادث من ای عالم کان بواسطہ المشیئۃ لان الذات لاتحدث شیئا الا بالفعل۔ الی قولھم فوجب فی خلق الاشیاء من توسط الفعل لامتناع تعلق القدرۃ بالمحال۔ کہ پیدا کرنا اور اثر ایجاد کو صادر فرمانا، یہ اللہ تعالےٰ کی شان سے ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ جو اللہ تعالےٰ صاحب قدرت ہے۔ اور ہر وہ شئے جس پر حادث کا لفظ صادق آئے خواہ وہ جس عالم میں ہو۔ وہ مشیئت کے واسطے سے صادر ہوگی۔ کیونکہ ذات خداوند عالم

لہ :- ان جہلاء کے اسی کلام میں تناقض ہے۔ مگر ان کو اپنی جہالت کے باعث پتہ ہی نہیں چل سکا۔ تناقض اس لئے ہے کہ اوپر وہ اللہ تعالےٰ کی ذات والا صفات کو لفظ "قدیر" سے متصف کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے۔ کہ وہ قادر مطلق ہے۔ اور جو قادر مطلق ہو۔ خلق وتاثیر یقیناً اس کی شان سے ہے۔ لہذا یہ جہلاء اللہ تعالےٰ کو قدیر کہہ کر تو اعتراف کر رہے ہیں۔ کہ خلق و تاثیر سے وہ بذاتہ متصف ہو سکتا ہے۔ اور پھر فیصلہ یہ دے رہے ہیں۔ کہ خلق اور تاثیر اس کی شان سے نہیں ہے۔ لہذا ایک ہی جملہ میں جس چیز کی نفی کر رہے ہیں۔ اسی کا اثبات بھی کر رہے ہیں۔ یہ ہے تناقض جس کا انہیں پتہ ہی نہیں چل سکا۔ اور ایسے جاہل جن کو اپنے کلام کا مطلب سمجھ نہ آئے۔ وہ اگر خداوند عالم کو واسطہ کا محتاج بنا ڈالیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایسے جاہلوں سے حقیقت فہمی کی توقع ہی نہیں ہو سکتی۔ (مترجم)

کسی چیز کو فعل کے واسطے کے بغیر پیدا ہی نہیں کر سکتی ہے لفظ مشیئت اور فعل سے مراد ان کے نزدیک آئمہ علیہم السلام ہیں جیسا کہ سابقاً گذر چکا۔ مترجم۔ ؟

سے :- یہ تصور کہ اللہ تعالےٰ عالم دنیا وغیرہ موجودات کو پیدا کرنے میں واسطہ کا محتاج ہے۔ بغیر احتیاج واسطہ وہ کسی چیز کو پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ عقلاً و نقلاً باطل ہے۔ قرآن کریم، احادیث معصومین علیہم السلام اور عقل سلیم اس کے بطلان کے لئے شاہد صدق ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں اللہ تعالےٰ کا غنی مطلق اور ہر ممکن پر علی الاطلاق قادر ہونا مثل روز روشن ثابت ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ کو کسی چیز کی طرف محتاج قرار دینا قرآن پاک اللہ تعالےٰ، رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی مخالفت اور نافرمانی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔

۱ :- واللہ غنی حلیم پ۳ ع۳۴ البقرہ آیت ۲۶۳ کہ اللہ غنی مطلق ہے ہر احتیاج سے بلند و بالا اور حلیم ہے۔ نیز فرمایا۔

۲ :- واعلموا ان اللہ غنی حمید۔ پ۳ ع۳۴ البقرہ آیت ۲۶۷ یقین کیجئے کہ بلاشک وشبہ اللہ تعالےٰ غنی مطلق، ہر احتیاج سے پاک و پاکیزہ اور لائق حمد وثنا ہے۔

۳ :- ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔ پ۴ ع۱ آل عمران آیت ۹۷ جو شخص کفران اختیار کرے تو اس سے خداوند عالم کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کسی کا محتاج نہیں وہ تمام عالمین

تا آنکہ ان لوگوں نے یوں کہہ دیا کہ اشیاء عالم کو پیدا کرنے کے لئے واجب ہے کہ فعل "یعنی" "امر" کا واسطہ ہو کیونکہ قدرت کا تعلق محال کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے مغالطہ دینے کیلئے

سے بے نیاز ہے۔

۴:۔ وربک الغنی ذوالرحمۃ۔ پ۸ ع الانعام آیت ۱۳۳ کہ تیرا رب ہر احتیاج سے پاک اور ہر چیز سے بے نیاز غنی ہے۔ جو کہ مہربان اور رحیم ہے۔

۵:۔ وقالوا اتخذ اللہ ولدا سبحانہ ھو الغنی پ۱۱ ع یونس آیت ۶۸۔ انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ یہ بالکل بکواس ہے۔ کیونکہ وہ تمام نقائص سے پاک و پاکیزہ ہے۔ اور ہر طرح سے وہ بے نیاز اور غنی ہے۔

۶:۔ وقال موسیٰ ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعا فان اللہ لغنی حمید۔ پ۱۳ ع ابراہیم آیت ۸، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم بھی اور جتنی مخلوقات زمین میں موجود ہے۔ وہ بھی سب کے سب کفران کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ وہ ہر شخص سے بے نیاز اور ہر احتیاج سے پاک ہے۔ اور لائق حمد و ثنا ہے۔

۷:۔ ما فی السموات وما فی الارض وان اللہ لھو الغنی الحمید پ۱۷ ع الحج آیت ۶۴ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی جو کچھ زمین میں ہے وہ بھی اسی کا پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر شئی

فعل کا مصدری معنی مراد نہیں لیا۔ بلکہ فعل اللہ سے ایک امر جوہری مراد لیا ہے۔ اور اس امر جوہری کے وجود کو تمام وجودات سے قوی تر جانتے اور اسے عالم کائنات میں مؤثر مانتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ مشیئت خدا کی ذات نفس ذات کی طرف نگاہ کی جائے۔ تو وہ ایک ایسی شئے ہے جو متحقق اور بالاصالت اس طرح ثابت ہے کہ کوئی دوسری

سے بے نیاز اور لائق حمد ہے۔

۸:۔ ومن کفر فان ربی غنی کریم۔ پ۱۹ ع النمل آیت ۴۰ اور جو کفران کرے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بے شک میرا رب ہر شخص اور ہر چیز سے بے نیاز اور غنی ہے۔ اور مہربان ہے۔

۹:۔ من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ غنی عن العلمین۔ پ۲۰ ع العنکبوت آیت ۶۔ جو شخص جہاد کرے گا۔ وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کے جہاد اور امداد کا محتاج نہیں وہ تمام عالمین سے بے نیاز اور غنی ہے۔

۱۰:۔ للہ ما فی السموات والارض، ان اللہ ھو الغنی الحمید پ۲۱ ع لقمٰن آیت ۲۶۔

۱۱:۔ یا ایھا الناس انتم الفقرآء الی اللہ۔ واللہ ھو الغنی الحمید پ۲۲ ع۔ الفاطر آیت ۱۵۔ کہ اے لوگو تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہر طرح غنی ہے۔ اور لائق حمد ہے۔

۱۲:۔ ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم پ۲۳ ع الزمر آیت ۷

شے اس کی مثل ثابت نہیں وہ اپنے خارجی وجود اور ثبوت میں تمام اشیا سے اعلیٰ اور اثبت ہے۔ اور وہ ایسی کیوں نہ ہو جبکہ وہ تمام ذاتوں کو خارج میں ذات بنانے والی اور ہر شی کو شی بنانے والی ہے۔ حالانکہ تمام عقلا کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ ہر موثر کا اس شے سے قوی تر ہونا ضروری ہے

اگر تم سب کے سب کفران کرو تو بھی خدا کا کچھ نہیں بگڑ سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز اور غنی و بے احتیاج ہے۔

۱۳ :- واللہ الغنی وانتم الفقراء۔ پ ۲۶ ع ۸، محمد آیت ۳۸۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص سے بے نیاز ہے۔ اور تم سب کے سب اس کی طرف محتاج ہو

۱۴ :- ومن یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید پ ۲۷ ع ۱۹۔ الحدید آیت ۲۴۔ جو شخص روگردانی کرے تو کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی احتیاج سے غنی ہے۔ اور لائق حمد و ثنا ہے۔ نیز دیکھو آیت ہذا پ ۲۸ ع ۱ المتحنۃ آیت ۶۔

۱۵ :- اللہ الصمد پ ۳۰ ع ۳۔ الاخلاص آیت ۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ اور اس سے کوئی بے نیاز نہیں سب اس کی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔

۱۶ :- ان اللہ علی کل شئی قدیر۔ پ ۱ ع ۲ البقرہ آیت ۲۰ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ اس آیت کے مضمون کو قرآن پاک میں جا بجا ادا کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پ ۱ ع ۱۳ البقرہ آیت ۱۰۶، پ ۲ ع ۲ البقرہ آیت ۱۴۸ پ ۳ ع ۳ البقرہ آیت ۲۵۹۔ پ ۳ ع ۸ البقرہ آیت ۲۸۴، پ ۳ ع ۱۰ آل عمران آیت

جس میں وہ اثر کرتا ہے۔ لہٰذا فعل خدا کا ایسا ذہنی امر ہونا کیسے مقصود ہو سکتا ہے۔ جو ایک اعتباری اور خارج میں تحقق نہ رکھنے والی شے ہو حالانکہ اس کے آثار زمین، آسمان، جن انسان کی ایسی چیزیں ہوں جو واقع میں ثابت اور متحقق ہیں۔

یہیں سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ ان لوگوں کے نزدیک عالم دنیا میں موثر اور اس کا مدبر غیر اللہ ہے۔ خداوند عالم صرف واسطے کو

۲۹، پ ۴ ع ۲ آل عمران آیت ۱۶۵ دیگر بہت سے مقامات میں بھی اس آیت کا مضمون وارد ہے خوف طوالت کے باعث اسی پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

غرض قرآن کریم سے مثل الشمس فی نصف النہار واضح اور روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے۔ اور اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ عالم دنیا وغیرہ موجودات کو پیدا کرنے میں واسطے کا محتاج ہے۔ بغیر واسطے کے پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کا انکار ہے۔ اور قرآن پاک کی اس قدر آیات نقل کر دینے کے بعد اب احادیث کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

رہا یہ امر کہ اللہ تعالیٰ کا خلق عالم میں واسطہ کا محتاج ہونا عقلاً بھی باطل ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے واسطہ ہونے کی طرف اللہ تعالیٰ کے محتاج ہونے کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے۔ وہ شے واجب الوجود تو ہو نہیں سکتی ورنہ توحید اللہ جل شانہ باطل ہو جائے گی اس لئے وہ ممکن الوجود ہوگی۔ اور اس کا خالق اللہ جل شانہ ہوگا۔ اور ضروری ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بغیر واسطے کے پیدا کیا ہو ورنہ واسطہ کا تسلسل لازم آئے گا۔ جو کہ باطل ہے۔ اور پھر جو خدا واسطہ کو بغیر واسطہ

کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا ہے۔ لہذا ان لوگوں نے گویا اللہ تعالےٰ کے ارشاد پاک کل یوم ہو فی شان سے چشم پوشی کر لی ہے۔

ان لوگوں نے جو تصریح کر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ سے بغیر وسائط کے واسطہ کے کسی شئے کا صادر ہونا محال ہے۔ یعنی واسطہ کے توسط کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی چیز پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ اس تصریح پر مطلع ہونے کے بعد اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ انہوں نے جو اپنے بعض فارسی رسالوں میں حقیقت حال کو مخفی رکھنے کی بنا پر لکھا ہے وہ تدلیس اور تلبیس ہے۔ یعنی انہوں نے جو بعض فارسی رسالوں میں اظہار کیا ہے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ قادر مطلق اللہ تعالےٰ نے ائمہ علیہم کو حکمت کے تقاضا کے مطابق واسطہ بنایا ہے۔ اس وجہ سے واسطہ

کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ دیگر اشیاء کو بھی بغیر واسطے کے پیدا کر سکتا ہے لہذا دیگر اشیاء کے لئے واسطہ کی احتیاج باطل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خلق عالم کے لئے اللہ تعالےٰ کا واسطہ کی طرف محتاج ہونا عقلاً و نقلاً باطل ہے۔ (مترجم۔)

سا ۔۔ ان کا یہ قول بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنا حکمت خلق اشیاء کے لئے واسطہ قائم کیا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی حکمت ہوتی تو قرآن کریم اور احادیث معصومین علیہم السلام میں خلق اشیاء عالم کا اسناد خداوند عالم کی طرف نہیں واسطہ کی طرف ہونا لازم تھا۔ کیونکہ خلق عالم کا حقیقی فاعل اس تقدیر پر خداوند عالم نہ تھا۔ بلکہ حقیقی فاعل وہ واسطہ تھا جس نے براہ راست اشیاء کو پیدا کیا۔ کیونکہ وہ واسطہ فاعل مختار ہے۔ لہذا۔ خلق اشیاء کا اسناد خدا کی طرف قرینہ مجازیت کے بغیر جائز نہ

نہیں بنایا۔ کہ اللہ تعالےٰ مجبور تھا۔ اور اس واسطے کے بغیر کسی چیز کو پیدا ہی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کا یہ قول کتمان حقیقت پر مبنی ہے۔ اصل ان کا مذہب یہی ہے۔ کہ خداوند عالم واسطے کے بغیر کوئی چیز پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کے ان الفاظ "نوجب فی خلق الاشیاء من توسط الفعل" سے فعل کا واسطہ ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اشیاء کو پیدا کرنے کے لئے فعل کا واسطہ ہونا ضروری ہے۔ اور واجب ہے۔ لہذا ان کے اعتقاد کا ماحصل یہی بنتا ہے۔ کہ اس جوہر کے بغیر خداوند عالم کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا۔ جو ان کے ہاں فعل اللہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور یہ کہ خداوند عالم کو کسی طرح قادر علی الاطلاق نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی مجبوری

ہوتا۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ خلق اشیاء عالم کا اسناد ہوئے قرآن پاک میں واسطہ کی طرف واقع ہی نہیں ہوا۔ جہاں بھی اشیاء عالم کے خلق کرنے کا تذکرہ آیا ہے۔ وہیں خداوند عالم کی طرف اسناد کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ کہیں بھی اس اسناد کے مجاز ہونے کا کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا۔ اور سابقاً ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اصل اسناد میں حقیقت ہوتی ہے۔ لہذا لازماً تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ خلق اشیاء کا اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد حقیقت ہے۔ مجاز نہیں۔ لہذا یہ خیال ایک فرضی اور خلاف واقع خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور خلق عالم کے درمیان واسطہ قائم کیا ہے۔ اور اس واسطہ کا قیام حکمت پر مبنی ہے۔ مترجم۔

نہیں ہو سکتی کہ خداوندِ عالم صرف ایک فعل کو پیدا کرے۔ اور دیگر کسی شئے کو پیدا نہ کر سکے۔ اور برعکس اس کے فعل اللہ اور مشیئۃ اللہ جو چاہے کرے۔ اور جس چیز کو چاہے پیدا کر دے۔ مگر خدا صرف فعل اللہ و مشیۃ اللہ کو پیدا کر کے بیکار ہو جائے۔

اچھا وہ لوگ یہ تو فرما دیں کہ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ اور اس تفرقہ کا سبب کیا ہے۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ کو اس امر یعنی فعل کے علاوہ دیگر کسی غیر اللہ کی طرف محتاج فرض کیا جائے تو پھر تو حتماً خداوندِ عالم کو اس احتیاج سے بلند و بالا اور بری تسلیم کرنا لازم اور اس سے اس کو پاکیزہ قرار دینا ضروری ہے۔ لیکن جس امر کی طرف محتاج ہونے کے یہ لوگ خود قائل ہیں۔ اس کے باعث قدرت و عظمت خداوندِ عالم میں کسی قسم کا کوئی نقص اور کوئی رخنہ کیوں لازم نہیں آتا۔ آخر اس تفرقہ کی وجہ کیا ہے ؟

مختصر یہ کہ ان لوگوں کے کلمات نہایت گرے ہوئے، لغو اور ساقط ہیں۔ اور چند ایسے احمق لوگ جو کلام کے حقائق اور دقائق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ ان لوگوں کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔

ے :۔ اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے کہ کسی بھی قسم کی احتیاج شان واجب الوجود کے منافی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو خلق عالم میں واسطہ کا محتاج قرار دیتے ہو۔ اور اس احتیاج کو شان خلاق عالم اللہ جل شانہ کے خلاف قرار نہیں دیتے۔ ؟ مترجم۔

خلاصہ :۔ حق یہ ہے کہ بندوں کے افعال اختیاریہ کے علاوہ کہ جو حرکت اور سکون میں منحصر ہیں۔ دیگر تمام موجودات یعنی اجسام جسمانیات اور نفوس و ارواح کو سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ اشیاء اللہ کے غیر سے صادر نہیں ہو سکتیں۔ آئمہ علیہم السلام اور دیگر تمام ممکنات نہ بذات خود اجسام و دیگر جواہر کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ درست ہے۔ کہ خداوندِ عالم نے ان نفوس مقدسہ صلواۃ اللہ علیہم السلام کو قادر کر کے ان چیزوں کے پیدا کرنے اور رزق دینے کو ان کے سپرد کر دیا ہے۔ نہ یہ عقلاً ثابت ہو سکتا ہے نہ شرعاً اور اپنی طرف سے من گھڑت طور پر کسی اختراعی چیز کو ان ذوات قدسیہ کی صفت قرار دینا جائز نہیں۔ خصوصاً جبکہ ان لوگوں کے عقیدۂ باطلہ کے خلاف اجماع قطعی اور نصوص محکمہ[1] قائم ہیں اور بالغرض اگر کوئی شاذ[2] روایت یا خبر واحد ایسے عقیدہ کا وہم ڈالنے والی واقع بھی ہو، تو وہ اس وجہ سے مطروح قرار دی جائے گی۔ یا اس کی صحیح

لہ :۔ نصوص محکمہ سے مراد وہ آیات اور احادیث ہیں جو متشابہات کے مقابلہ میں ہوتی ہیں۔ اور متشابہات وہ ہوتی ہیں جن کے مطالب اور معانی کے متعلق متعدد احتمالات راہ پا سکتے ہوں۔ بنا بریں محکمات سے مراد وہ آیات و احادیث ہوں گی۔ جن کا معنی مراد معین اور حتمی ہو۔ اور اس کے معنی مراد کے متعلق مختلف احتمالات پیدا نہ ہو سکتے ہوں۔

لہ :۔ شاذ روایت سے مراد یہاں پر شاذ کی وہ قسم ہے۔ جس کا نام علما اصول

تاویل کی جائے گی، کیونکہ وہ آیات واحادیث محکمات کے معارض ہے اور
مجملات ومتشابہات غیر مبینہ بلکہ مطلقاً اخبار آحاد اصول اعتقاد میں

حدیث و درایت کے نزدیک "شاذ مردود" ہے۔ واضح ہو کہ صاحب مقباس الہدایۃ کتاب ہذا کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ اہل درایت و حدیث کے ہاں جو بکثرت اظہر و اشہر ہے۔ اس کی بنا پر "الشاذ ما رواہ الثقۃ مخالفا لما رواہ جماعۃ ولم یکن لہ الا اسناد واحد" شاذ وہ حدیث ہے جسے ثقہ راوی نے روایت کیا ہو مگر وہ ایسی حدیث کے خلاف ہو جسے ایک جماعت نے روایت کیا ہو۔ نیز شاذ کے لئے شرط ہے۔ کہ اس کا ایک ہی اسناد ہو۔ اور وہ حدیث جسے شاذ کے مقابلہ میں ایک جماعت روایت کرتی ہے اسے "محفوظ" کہتے ہیں۔

صاحب مقباس الہدایۃ بعد کو لکھتے ہیں۔ ان کان راوی المحفوظ احفظ و اضبط و اعدل من راوی الشاذ سمی ذلک الشاذ بالشاذ المردود لشذوذہ ومرجوحیتہ لفقدہ للاوصاف الثلاثۃ انتہی بقدر الحاجۃ۔ کہ اگر محفوظ حدیث کا راوی شاذ کے راوی کی نسبت قوت حفظ ضبط اور عدالت میں زیادتی رکھنے والا ہو۔ یعنی اس کی نسبت وہ احفظ، اضبط اور اعدل ہو تو اس شاذ کا نام مردود رکھا جاتا ہے کیونکہ ایک تو یہ راوی اس روایت میں منفرد ہوتا ہے۔ اور محفوظ کے اسناد متعدد ہوتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ محفوظ کے راوی میں تین ایسے صفات پائے جاتے ہیں جو شاذ کے راوی میں مفقود ہوتے ہیں۔ لہذا روایت شاذ مرجوح ہو جاتی ہے۔

محل اعتماد نہیں ہو سکتیں۔ لہذا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس روایت کی طرف استناد اور اس پر اعتقاد کی بنیاد رکھنا بجائے "خلق الله المشیئة بنفسها ثم خلق الاشیاء بالمشیئة" کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مشیئت کو بنفسہا بغیر کسی واسطے کے پیدا کیا۔ اور بعد کو دیگر تمام چیزوں کو مشیئت اور ارادہ کے واسطہ سے پیدا فرمایا۔ انتہی ملخصاً

اس روایت کے ظاہری مفہوم پر ان کے عقیدہ باطلہ کی بنیاد رکھنا اس لئے جائز نہیں کہ حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کی غرض انکے اس فرمان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق عالم کا نظام اس طرح قرار دیا ہے کہ ہر شئی ارادہ کے ذریعہ پیدا کی ہے۔ اور ارادہ کے معنی کا علم اسے پہلے حاصل تھا۔ حضرت کی غرض اس فرمان سے یہ ہرگز نہیں کہ مشیئت اور ارادہ ایک مستقل وجود رکھنے والی چیز ہے۔ کہ جو خالق وحدہ لاشریک اور اس کی مخلوقات کے درمیان آلہ اور واسطہ ہے۔ جس کا نام مشیئت اللہ

اس لئے مردود کہلاتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہاں روایت شاذ سے مراد شاذ مردود ہے۔

جس پر مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ کے یہ الفاظ دال ہیں "لیس مطرح خبرا مردودا او لمعارضته بالمحکمات"۔ معلوم ہوا کہ اس شاذ سے وہ شاذ مراد ہے۔ جو آیات و احادیث محکمات کے معارض ہو اور ظاہر ہے کہ روایت بھی محکمات میں ہی شمار ہو گی جس کا راوی شاذ کی نسبت احفظ، اضبط اور اعدل ہو اور آیات محکمات کی سند تو ہے ہی۔ قطعی۔ اس میں تو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس شاذ سے مراد شاذ مردود ہے۔ مترجم۔

اور قدرۃ اللہ ہے۔ جیسے کہ یہ لوگ وہم کرتے ہیں۔ یہ ہے غرض حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کی۔ اور اس طرح کیسے نہ ہو، جبکہ محمد بن عرفہ کی اس روایت میں وارد ہوا ہے، جو اس نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء عالم کو قدرت کے واسطے سے پیدا کیا ہے یا بغیر قدرت کے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ گویا تو نے قدرت خدا کو ایک ایسی چیز قرار دے رکھا ہے جو ذات خداوند عالم سے علیحدہ ایک مستقل وجود سے موجود ہے۔ اور اس کو تو نے ایک اور واسطہ قرار دے رکھا ہے کہ جس کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے دیگر اشیاء کو پیدا کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ شرک ہے لہذا ایسا کہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔" انتھی محصل الروایۃ۔

"تردید استدلال بر روایت نزلونا عن الربوبیۃ الخ"

لہ۔ صفات خداوند عالم ذات خداوند عالم سے الگ مستقل وجود سے موجود نہیں بلکہ صفات خداوند عالم عین ذات باری تعالیٰ ہیں۔ بایں معنی کہ ذات پاک پروردگار ان صفات کے انتزاع کا منشاء ہے۔ اس ذات پاک سے یہ صفات منتزع ہوتی ہیں۔ اور یہ صفات انتزاعیہ ہیں۔ صفات انضمامیہ نہیں کہ جو ظرف اتصاف میں وجود موصوف سے الگ اور مستقل وجود رکھتی ہیں۔ کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ صفات انضمامیہ ہیں۔ جو کہ مستقل وجود سے موجود ہیں تو خداوند عالم جل شانہ کا العیاذ باللہ جہل و عجز لازم آتا ہے۔ جو کہ محال اور باطل ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا وجہ التزام یہ ہے کہ اس صورت مفروضہ

اسی طرح اس روایت سے تمسک کرنا بھی سراسر بے جا ہے۔ "نزلونا عن الربوبیۃ وقولوا فینا ما شئتم" کہ ہمیں درجہ ربوبیت سے پست رکھو، بعد ازاں جو چاہو ہمارے متعلق کہتے رہو۔ اس روایت سے استدلال اولاً تو اس لئے غلط ہے کہ یہ روایت اخبار آحاد میں سے ہے۔ لہذا اصول اعتقاد میں استدلال کے قابل نہیں۔ اور ثانیاً اس لئے غلط ہے کہ مراد رب سے مالک، خالق اور رازق ہے۔ لہذا ربوبیت سے مراد خالق اور رازق ہونا ہے۔ جیسا کہ تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں وارد ہے۔ لہذا ائمہ علیہم السلام کی طرف خلق و رزق کی نسبت اور انہیں خالق و رازق قرار دینا درجہ ربوبیت سے پست رکھنے کے منافی ہے۔ کیونکہ جب انہیں خالق و رازق کہہ دیا تو رب معبود قرار

کی تقدیر پہ یہ صفات ممکنۃ الوجود ہوں گی۔ کیونکہ واجبۃ الوجود تو ہو نہیں سکتی۔ ورنہ واجب الوجود اللہ جل شانہ کی توحید پہ زد پڑتی اور معاذ اللہ توحید باطل ہو جاتی ہے۔ جس کا استحالہ اظہر من الشمس ہے۔ اور جب ان صفات کا ممکنۃ الوجود ہونا ضروری ہے تو پھر لازم ہے کہ یہ حادث ہوں کیونکہ یہ قدیم ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ اور یہ اس لئے کہ ان کا موجد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دیگر ہستی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا اپنی صفات میں غیر کی طرف احتیاج لازم آتی ہے۔ جو کہ کسی طرح ممکن نہیں، ورنہ وہی توحید کا بطلان لازم آتا ہے۔ اور جب ضروری ہوا کہ ان کا موجد غیر اللہ نہیں ہو سکتا۔ تو ثابت ہوا کہ قدیم نہیں ہو سکتی حادث ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے۔ اور فاعل مختار کا ہر فعل ارادہ اور اختیار

دے دیا۔ اور ثانیاً اس روایت سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ بر تقدیر تسلیم بھی اس حدیث سے استدلال اس کے عموم سے تمسک کرنے کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اپنے عموم پر باقی نہیں کیونکہ قاعدہ ما من[ل] عام الا و قد خص الکی تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔

کے بعد ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو فعل ارادہ اور اختیار کے بعد واقع ہو۔ وہ حادث ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس تقدیر پر صفات خدا حادث ہونگی اور حادث وہ ہوتا ہے۔ جو نہ ہونے کے بعد پیدا ہوا ہو۔ لہذا لازم آئے گا کہ صفات خداوند عالم علم و قدرت مثلاً ایک وقت میں موجود اور متحقق نہ ہوں۔ اور جب العیاذ باللہ علم خداوند عالم مفقود ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آئیگا۔ اور جب اس کی قدرت متحقق نہ ہوگی تو اس کا عجز لازم آئے گا۔ جس کا بطلان اظہر من الشمس فی نصف النہار ہے کیونکہ عاجز کسی چیز کو پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ توپھر اس نے قدرت کو کیسے پیدا کردیا۔ اسیطرح علم کیسے پیدا کر دیا؟ لہذا ثابت ہوا کہ خداوند عالم کی قدرت مثل اس کی دیگر صفات کے ایسا مستقل وجود رکھنے والی چیز نہیں جو ذات خداوند عالم سے الگ ہو بلکہ وہ ایک صفت انتزاعیہ ہے۔ اور جب وہ مستقل وجود رکھنے والی چیز ہی نہیں تو یہ تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ قدرت خدا خلق عالم اور خداوند عالم کے مابین واسطہ ہے۔ واسطہ بننے کا تصور اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جبکہ قدرت خدا مثل ذات خدا واجب الوجود ہو جو کہ شرک صریح ہے۔ اور توحید کا بطلان ہے۔ جیسے کہ حضرت امام علی رضاؑ نے اس عقیدہ کے شرک ہونے کی تصریح فرمائی۔ مترجم۔

[ل]؎ یعنی کوئی عام ایسا نہیں جو خاص نہ ہو گیا ہو۔ ہر عام کا کوئی نہ کوئی مخصص ایسا پایا جاتا ہے۔ جو اس کے بعض افراد سے مختص ہو جانے کا موجب ہوتا ہے۔

جس طرح کہ حدیث پاک من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کا عموم تمام اسلامی فرقوں کی نجات کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس حدیث کے عموم سے بھی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ غرض حدیث نزلونا عن الربوبیۃ "اپنے عموم پر باقی نہیں" مخصص ہے۔ اور مخصص کیسے نہ ہو جبکہ ائمہؑ کو ان صفات سے خالی سمجھنا واجب ہے۔ جو ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسے قدیم ہونا مثلاً نیز ان کو نبوت سے بھی خالی قرار دینا واجب ہے۔ "کیونکہ اس حدیث کا عموم تو چاہتا ہے کہ ائمہؑ کو نبوت سے بھی متصف کیا جا سکے۔ حالانکہ ایسا ہرگز جائز نہیں" لہذا اس حدیث میں قولوا ما شئتم کے الفاظ سے مراد ائمہؑ کی ایسی مدح و ثنا ہے۔ جو اصول شرعیہ کے موافق ہو۔ یہ ہرگز مراد نہیں کہ اپنی طرف سے اور من گھڑت طور پر جو امور واقعیہ یا غیر واقعیہ ائمہ علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے رہیں۔ وہ سب کچھ جائز سمجھا جائے۔

فرقہ مفوضہ کی تردید میں ابو الحسن دلال کی روایت

سے :۔ اس حدیث پاک کا ظاہر مفہوم عام یہ ہے کہ جو شخص لا الٰہ اللہ کا قائل ہو گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ لیکن مفہوم عام مراد اور مقصود نہیں کیونکہ اس سے تمام اسلامی فرقوں کا جنتی ہونا لازم آتا ہے۔ جو کہ قطعاً صحیح نہیں۔ دوسری احادیث مسلمہ کے یہ مفہوم منافی ہے۔ جیسے کہ مثلاً آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری امت کے تہتر[۷۳] فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک جنتی ہوگا۔ باقی سب جہنمی ہوں گے۔ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے۔ جو حدیث من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے

ابوالحسن احمد بن دلال نے روایت کی ہے۔" سابقاً اس روایت کا اصل عربی متن کتاب منہاج البراعۃ ج ۲ صفحہ ۱۰۹ و مراۃ العقول شرح اصول الکافی ج ۱ صفحہ ۱۹۲ - الاحتجاج للعلامۃ الطبرسی صفحہ ۲۶۲ اور کتاب عیون اخبار رضا علیہ السلام کے حوالے سے درج کی جا چکی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو، سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۷۶، لیکن اصل عبارت میں ابوالحسن احمد بن دلال کی بجائے یوں لکھا ہے۔ عن علی بن احمد الدلال القمی۔ یعنی علی بن احمد دلال قمی نے روایت کی ہے۔، مترجم "کہ شیعہ فرقوں کی ایک جماعت نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے اور رزق دینے کے معاملات کو آئمہ علیہم السلام کے سپرد کر دیا ہے۔ یا نہ، ایک جماعت نے کہا کہ یہ محال ہے، کیونکہ خالق انام اللہ جل شانہٗ کے علاوہ اجسام کے پیدا کرنے پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا۔ اور بعض نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ان کو ان امور پر قادر کر دیا ہے اور یہ امور ان کو تفویض کر دیئے ہیں۔ لہٰذا آئمہ ہی نے سارے عالم کو پیدا کیا ہے۔ اور انہوں نے ہی رزق دیا ہے۔ اس مسئلہ میں ان کا اختلاف اور جھگڑا طول پکڑ گیا تو مومنین میں سے ایک سمجھ دار نے ان سے کہا کہ تم اس خصوصی مسئلہ کے متعلق حضرت محمد بن عثمان کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے۔ کہ جو حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے وکیل ہیں۔؟

مخصصات ہیں، بلکہ یہ حدیث من قال لا الٰہ الا اللہ الخ تو دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جنتی ہے۔ جو توحید کا قائل ہو۔ خواہ وہ آنحضرت نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا ہی منکر کیوں نہ ہو لہٰذا اس حدیث کے عموم کے اعتبار سے تو یہود،

چنانچہ حضرت محمد بن عثمان کی طرف رجوع کرنے کے متعلق سب راضی ہو گئے۔ اور اس مسئلہ کو لکھ کر انہوں نے محمد بن عثمان کی معرفت حضرت صاحب الامر علیہ و علی آبائہ الکرام آلاف الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیج دیا تو حضور صاحب الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توقیع رفیع الشان یعنی جناب کا فرمان واجب الاذعان محمد بن عثمان کے ذریعہ برآمد ہوا۔ جو ان الفاظ پر مشتمل تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جو ہر ہر جسم کو پیدا کرنے والی

نصاریٰ، مجوس، اور اہل ہنود کے بھی وہ تمام فرقے جنتی ہو جاتے ہیں۔ جو توحید پروردگار کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ یقیناً باطل ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ حدیث من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ اپنے عموم پر باقی نہیں بلکہ مخصوص بالبعض ہے۔ اسی طرح حدیث نزلونا عن الربوبیۃ۔ بھی بر تقدیر تسلیم مخصوص بالبعض ہے۔ اپنے عموم پر باقی نہیں۔ مترجم۔

لے :۔ اس توقیع مبارک میں پہلا جملہ بزبان عربی یہ ہے۔ ان اللہ ھو الذی خلق الاجسام وقسم الارزاق۔ اس جملہ میں لفظ "ھو" ضمیر فصل ہے۔ جو حصر پر دلالت کرتی ہے۔ اور لفظ "الاجسام" اور "الارزاق" میں لام استغراق کا ہے۔ لہٰذا اس جملہ کا معنی یہ بنتا ہے۔ کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جس نے ہر ہر جسم کو پیدا کیا ہے۔ اور ہر ہر رزق کو تقسیم کیا ہے۔ جس سے یہ مطلب بخوبی واضح ہے کہ کوئی دیگر ہستی ایسی نہیں ہے۔ جس نے کسی جسم کو پیدا کیا ہو یا کسی رزق کو تقسیم کیا ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو ان دونوں افعال کی فاعل ہے۔ خلق اجسام کی فاعل بھی رہی ہے۔ اور تقسیم ارزاق کی فاعل بھی رہی ہے۔ اور

اور ہر ہر رزق کو تقسیم کرنے والی ہے کیونکہ وہ نہ جسم رکھنے والی ہستی ہے، نہ جسم میں حلول کرنے والی، اس کی مثل کوئی شئی نہیں۔ وہ سمیع اور بصیر ہے لیکن ائمہ علیہم السلام خداوند عالم سے سوال کرتے ہیں تو وہ پیدا کر دیتا ہے۔

خداوند عالم کے مقسم رزق ہونے کا یہ معنی نہیں کہ جس طرح ایک تبرک اور نیاز تقسیم کرنے والا مسجد یا امام بارگاہ میں یا کسی دوسرے مقام میں تبرک تقسیم کرتا ہے اور ہر شخص کا حصہ اس تک پہنچاتا اور اسے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح خداوند عالم ہر شخص کے رزق کو اسی طرح تقسیم کرتا ہے کہ ہر بندے کو اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے بغیر کوئی تکلیف کرنے کے اللہ تعالیٰ اسے اس کا رزق پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ یہ معنی نہ صرف مشاہدہ کے خلاف ہے۔ بلکہ آیات اور احادیث کے بھی مخالف ہے آیات اور احادیث سے جو کچھ ثابت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارزاق عباد کو پیدا کرتا ہے۔ اور بندوں کو اس نے مامور کیا ہے کہ وہ جائز طریقہ پر رزق حاصل کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی سے جانتا ہے کہ کتنی مقدار کس کا رزق ہوگا۔ اور وہ اسے کس کس طریقہ سے حاصل کرے گا۔ اور علم او تعالیٰ چونکہ صحیح ہے اس لئے ہر شخص کا جو رزق علم الٰہی میں آچکا ہے اتنا ہی وہ حاصل کرے گا۔ اسی کا نام ہر شخص کی قسمت ہے۔ اور یہی اللہ کی طرف سے رزق کی تقسیم ازلی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا الخ۔ پ ۲۵ ع ۲ الزخرف آیت ۳۲ کہ ہم نے بندوں کے درمیان ان کی روزی کو تقسیم کیا ہے۔ اور یہی وہ تقسیم ارزاق ہے جس کا تذکرہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی مذکورہ بالا توقیع میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔ ان اللہ ھو الذی خلق الاجسام

اور اگر اس سے رزق عطا کرنے کا سوال کرتے ہیں۔ تو وہ روزی عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ اسے ان کے شان کی عظمت مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ان کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ شرف قبولیت سے مشرف فرماتا ہے۔ یعنی ائمہ ؑ بندوں کی دعاؤں کی قبولیت کا وسیلہ ہیں اور

وقسم الارزاق کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے۔ جس نے ہر ہر جسم کو پیدا کیا اور ہر ہر رزق کو تقسیم کیا ہے یعنی ہر شخص کی جو قسمت ازل سے بنی ہے۔ اس کے مطابق وہ دنیا میں اپنا رزق حاصل کرتا ہے۔ البتہ حلال یا حرام طریقہ اختیار کرنا بندے کے اپنے اختیار میں ہے۔ جو حلال طریقہ سے اپنے رزق مقسوم کو حاصل کرتا ہے۔ وہ خدا کا فرمانبردار ہے۔ جو حرام طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ وہ خداوند عالم کا نافرمان قرار پاتا ہے اور ساتھ ہی جتنی مقدار وہ حرام کی حاصل کرتا ہے اتنی مقدار اس کی رزق حلال سے بند ہو جاتی ہے۔

پھر انسان کے اعمال کو انسان کے رزق کے کم و بیش ہو جانے میں دخل ہوتا ہے بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کے باعث رزق تنگ ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے باعث رزق وسیع ہو جاتا ہے۔ جیسے مثلاً تصدق فی سبیل اللہ وسعت رزق کا باعث ہوتا ہے۔ اور نماز مغربین کے درمیان سونا رزق کی کمی کا باعث ہوتا ہے۔ کتاب سفینۃ البحار ج ۲ ص ۶۴۳ بحوالہ مکارم الاخلاق حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کی ایک حدیث منقول ہے جس میں یہ جملہ موجود ہے۔ والنوم بعد العصر حمق وبین العشائین یحرم الرزق کہ نماز عصر کے بعد سونا حماقت ہے۔ اور مغربین کے درمیان نیند کرنا رزق سے

یہ امر بے شک ایسا حق ہے کہ جو لائق اتباع ہے۔ لہذا خلق و رزق کی تفویض کا مضمون بالکل من گھڑت اور مصنوعی ہے۔ ہاں اظہار معجزہ کے لئے خاص خاص مقامات پر اللہ تعالیٰ آئمہ علیہم السلام کے دستہائے مبارک پر کچھ ایسے امور ظاہر فرماتا رہتا ہے جو عالم دنیا

محروم ہونے کا باعث ہوتا ہے۔

نیز سفینۃ البحار ج ۲ ص ۴۲ بحر البصائر الدرجات تحریر ہے۔ عن ابی حمزہ قال کنت عند علی بن الحسین علیہ السلام وعصافیر علی الحائط قبالتہ یصحن فقال یا ابا حمزہ اتدری ما یقلن قال یتحدثن ان لھن وقتا یسألن فیہ قوتھن یا ابا حمزۃ لا تنامن قبل طلوع الشمس فانی اکرھھا لک ان اللہ یقسم فی ذلک الوقت ارزاق العباد و علی ایدینا یجریھا۔ ابو حمزہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا اور آپ کے سامنے ایک دیوار تھی جس پر کچھ چڑیاں بیٹھی چوں چوں کر رہی تھیں۔ اور انہوں نے شور مچا رکھا تھا۔ تو حضرت نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ چڑیاں کیا کہہ رہی ہیں۔؟ پھر فرمایا کہ آپس میں باتیں کرتی ہوئی کہہ رہی ہیں کہ ان کے لئے خاص ایسا وقت مقرر ہے جس میں وہ اپنی خوراک کے متعلق اللہ تعالےٰ سے سوال کرتی ہیں۔ اے ابو حمزہ طلوع شمس سے پہلے تم ہرگز سویا نہ کرو۔ اس وقت کی نیند کو میں تمہارے لئے مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ اللہ تعالےٰ اس وقت میں بندوں کے رزق تقسیم کرتا ہے۔

کی عادت مستمرہ اور طریقہ جاریہ کے خلاف ہوتے ہیں۔

معجزہ فعل خُدا ہوتا ہے

اور یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں کہ معجزہ اللہ تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ پیغمبر یا امام کی تصدیق کے لئے ان کے ہاتھوں پر صادر فرماتا ہے۔ جیسا کہ علماء علم کلام نے تصریح فرمائی ہے۔ اور

اور اس وقت وہ ہم بندوں کی دعاؤں کو بہت جلد قبول کرتا ہے۔ اور اس وقت رزق کے متعلق دعا اس قدر سریع الاجابہ ہوتی ہے۔ کہ گویا اس وقت کی دعا کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ رزق کو ہمارے ہاتھوں پر جاری کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک سونا نہیں چاہیئے۔ بلکہ دعا اور تعقیبات میں انسان کو مشغول رہنا چاہیئے۔ اسی کے باعث انسان کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت رزق کے متعلق دعا بہت جلد شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔ اور اس کا اثر اس قدر جلدی مرتب ہوتا ہے۔ اور اسباب رزق اس کثرت سے فوری طور پر مہیا ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا بندوں کے ہاتھوں پر رزق جاری ہو جاتا ہے۔

ازالۂ غلط فہمی

اس حدیث میں "و علی ایدینا یجریھا" کے الفاظ سے بعض صاحبان

حضرت امام علی رضا علیہ السلام علیہ التحیۃ والثناء نے اس پر نص کی ہے
چنانچہ آپ نے غالیوں کی رد کرتے ہوئے فرمایا۔ لما ظہر من علیٍّ الفقر و
الفاقۃ دل علی ان من ھذہ صفاتہ وشارکہ فیھا الضعفاء والمحتاجون
لا تکون المعجزات فعلہ فعلم بھذا ان الذی اظھرہ من المعجزات

نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ بندوں کے رزق آئمہ معصومین علیہم السلام کے دستہائے مبارک
سے جاری کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس جملہ کا یہ معنی مراد لینا قرین صواب نہیں۔
ان صاحبان نے اپنے اس عقیدہ باطلہ کی طرف اس جملہ کو کھینچنے کی کوشش کی
ہے۔ کہ بندوں کا رزق پہلے آئمہ علیہم السلام کے ہاتھوں میں آتا ہے۔ اور پھر
آئمہؑ ہر شخص کا رزق اس تک پہنچاتے ہیں۔ یہ درحقیقت تفویض رزق
کی ترجمانی ہے۔ جو کہ نہ عقلاً ثابت ہے۔ نہ نقلاً۔ عقلاً اس لئے ثابت نہیں
کہ یہ امر مشاہدہ کے خلاف ہے۔ کہاں سارے انسان آئمہؑ کے ہاتھوں سے
اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ ہر شخص تو اپنے رزق کو اپنے کسب وغیرہ کے
ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ عقلائے زمانہ اس وہمی خیال کو کیسے قبول کریں گے۔
کہ ہر شخص کو امام زمانہ اپنے ہاتھوں سے آکر اس کا رزق پہنچا جاتے ہیں۔
یا ہر آدمی دونوں وقت ان کی خدمت میں پہنچ کر اپنا رزق ان کے ہاتھوں
سے حاصل کرتا ہے۔ عقلائے زمانہ کے سامنے اگر اس نظریہ کو پیش کیا جائے
تو وہ اسے ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دیں گے۔ حالانکہ
مذہب شیعہ اتنا پختہ اور محکم مذہب ہے کہ اس کا ہر نظریہ اور ہر عقیدہ
صحیح عقل کے مطابق ہے۔ اور عقل کی کسوٹی پہ اس طرح پورا اترتا ہے۔ کہ

فعل القادر الذی لا یشبہ المخلوقین لا فعل المحدث
المحتاج المشارک للضعفاء فی صفات الضعف" یہ روایت قبل ازیں
الاحتجاج صہ ۳۴ : ۲ اور تفسیر قمی تفسیر آیت غیر المغضوب
علیھم کے تحت سے نقل کی جا چکی ہے۔ مترجم۔

کوئی عقلمند اسے رد نہیں کر سکتا۔

اور نقلاً یہ مفہوم اس لئے غلط ہے کہ یہ تمام آیات واحادیث کے خلاف
ہے۔ کیونکہ آیات واحادیث کا خلاصہ جیسے کہ سابقاً تحریر ہو چکا ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے رزق کو دنیا میں پیدا کیا ہے۔ بندوں کو اس کے حاصل کرنے پر
قادر کیا ہے۔ اور مامور کیا ہے۔ کہ وہ حلال طریقے پر طلب رزق کرکے اسے
حاصل کریں۔ اور پھر چونکہ ہر مؤثر کے اثر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت پر
مبنی کیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے بعض اعمال کو اسباب رزق
کے میسر آنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ جن اعمال میں سے ایک عمل صبح کی نماز
کے بعد دعا اور تعقیبات بھی ہیں۔

حدیث زیر بحث میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے ابو حمزہ
کو بعد از نماز صبح تعقیبات میں مصروف رہنے کی تعلیم دی ہے۔ اور یہ فرمایا کہ
اس وقت کی دعا کا اور تعقیبات کا یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ بندوں کے لئے رزق
کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسباب رزق بکثرت مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ
خداوند عالم کا لطف اور مہربانی ہے۔ کہ اس نے اپنے لطف وکرم سے اس
وقت کی دعا کو دو قسم کے فوائد کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ایک عبادۃ خدا اور دوسرے

عبارت ہذا کا ماحصل یہ ہے کہ جب علی علیہ السلام سے فقر و فاقہ اور احتیاج کا اظہار ہوا تو اس سے اس امر پر دلالت قائم ہو گئی کہ جس شخص کی ایسی صفتیں ہوں کہ جن میں اس کے ساتھ ضعفاء اور محتاجین شریک ہوں معجزات اس کا فعل نہیں ہو سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ

وسعت رزق کے اسباب مہیا ہونے کا باعث ہونا اور یہ مفہوم دوسرے بہت سے احادیث سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

سفینۃ البحار ج ۲ صہ ۶۲۴، ۶۲۵ بحوالہ کتاب الاحتجاج و تہذیب الاحکام تحریر ہے۔ قال صادقؑ نومۃ الغداۃ مشومۃ تطرد الرزق وتصفر اللون وتغیرہ وتقبحہ وھو نوم کل مشئوم ان اللہ یقسم الارزاق ما بین طلوع الفجر الی طلوع الشمس وایاکم بتلک النومۃ وکان المن والسلوی ینزل علی بنی اسرائیل من طلوع الفجر الی طلوع الشمس فمن نام تلک الساعۃ لم ینزل نصیبہ وکان اذا انتبہ فلا یری نصیبہ احتاج الی السوال والطلب۔

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا کہ صبح یعنی طلوع شمس سے پہلے کی نیند منحوس ہوتی ہے۔ انسان کے رزق کو زائل کر دیتی ہے۔ رنگ کو زرد کر دیتی ہے۔ اور متغیر کر دیتی ہے۔ چہرے کی رونق کو بگاڑ کر قبیح بنا دیتی ہے۔ وہ ہر ایسے شخص کی نیند ہے جو بدبخت ہو۔ اللہ تعالے طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک رزقوں کو تقسیم فرماتا ہے۔ لہٰذا تمہیں اس نیند سے بچنا چاہیئے۔

جناب امیرؑ نے جو معجزات ظاہر کئے تھے وہ اس قادر مختار اللہ جل شانہٗ کا فعل تھے۔ جو مخلوق سے مشابہت نہیں رکھتا وہ اس حادث شخصیت کا

بنی اسرائیل پر من و سلویٰ طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہی نازل ہوتے تھے اور جو شخص اس وقت سو جاتا تھا۔ اس کا حصہ نازل نہیں ہوتا تھا۔ جب وہ بیدار ہوتا اور دیکھتا کہ اس کا حصہ نازل نہیں ہوا۔ تو وہ پھر سوال کرنے اور طلب کرنے کی طرف محتاج ہو جاتا۔ نیز سفینۃ البحار ج ۲ صہ ۲۰۸۔

عن الصادقؑ قال التعقیب ابلغ فی طلب الرزق من الضرب فی البلاد یعنی بالتعقیب الدعاء بعقب الصلوۃ۔ حضرت صادق آل محمدؑ نے فرمایا کہ تعقیبات کا بجا لانا وسعت رزق کے متعلق شہر بہ شہر سفر کرنے سے بھی زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اور تعقیب سے مراد نماز کے بعد دعا کرنا ہے۔ نیز سفینۃ البحار ج ۲ صہ ۲۰۹۔ عن النبیؐ قال من ادی للہ صلوۃ مکتوبۃ فلہ فی اثرھا دعوۃ مستجابۃ۔ کہ نبی پاک نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نماز فریضہ ادا کرے۔ اس نماز کے بعد اس کی دعاء مستجاب ہوتی ہے۔ ان تمام احادیث سے بخوبی واضح ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اور بالخصوص نماز صبح کے بعد رزق کے متعلق دعاء کو فوری طور پر قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک جو وقت ہے۔ اسے اللہ تعالے نے بالخصوص یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ اس میں انسان کی روزی کے متعلق قسمت کھلتی ہے۔ اور اس وقت کی دعا سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت ہر شخص کو بیدار رہ کر دعاء

فعل نہیں ہو سکتے۔ جو ایسا محتاج ہو کہ جو ضعیفوں کے ساتھ صفات
ضعف میں شرکت رکھنے والا ہو۔

پُر از فائدہ نصیحت

واضح ہو کہ غلات، مفوضہ اور صوفی شیعہ کا نقصان اور ضرر اہل حق

میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اور دیگر وظائف وغیرہ کو بجا لانا چاہیئے۔ نیند
نہیں کرنا چاہیئے۔

اس وضاحت سے بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ حکم تمام بندوں کے لئے
ہے۔ صرف ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ خاص نہیں۔ لہٰذا "علی ایدینا
یجریها" میں ضمیر جمع متکلم "سے تمام بندے مراد ہیں۔ جن میں حضرات ائمہ
معصومین علیہم السلام بھی داخل ہیں۔ اور دیگر تمام لوگ بھی اس ضمیر متکلم سے
مراد صرف ائمہ ہی علیہم السلام کے نفوس مقدسہ ہی مراد نہیں کیونکہ اس وقت
دعا میں مشغول رہنے کا حکم تمام بندوں کے لئے ہے۔ اور سب کی دعائیں اس وقت
مستجاب ہوتی ہیں۔ یہ حکم یعنی اس وقت نیند سے اجتناب صرف ائمہ معصومین
علیہم السلام سے خاص نہیں تاکہ ضمیر متکلم سے مراد صرف ائمہؑ کے ذوات مقدسہ
لئے جائیں۔ لہٰذا وہ صاحبان جنہوں نے صرف ائمہؑ کی ذوات مقدسہ مراد لی
ہیں اور معنی حدیث کا یہ کیا ہے کہ تمام بندوں کا رزق ائمہؑ کے ہاتھوں پر
جاری ہوتا ہے۔ یہ ان کے ذاتی توہم کی ترجمانی ہے۔ جسے انہوں نے اپنا عقیدہ

کے لئے، کفار، منافقین اور مخالفین کے ضرر سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ
غلات، مفوضہ اور یہ صوفیہ اپنے آپ کو شیعہ محب آل رسولؐ اور موالی
کہلواتے ہیں۔ اور ائمہ معصومینؑ کی مدح و ثنا حد سے زیادہ کرتے ہیں
اس لئے شیعہ عوام اشتباہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ان کو اپنا شیعہ ہی
شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔ اور وہ محبت

بنا رکھا ہے۔ حدیث کے الفاظ کا یہ معنی نہیں جو انہوں نے کیا ہے۔
اور وقت مذکور میں اللہ تعالیٰ کے رزق تقسیم کرنے کا یہ معنی ہے۔ کہ
اللہ تعالیٰ اس وقت دعا اور تعقیبات بجالانے والوں کی قسمت کو کھولتا اور استجابت
دعا کے ذریعہ ان کے رزق کی وسعت کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ پانی کی طرح رزق
کو جاری کرنا مقصود نہیں کہ جو پر نالے کی طرح بہتا ہوا۔ لوگوں کے یا ائمہ علیہم السلام
کے ہاتھوں پر جاری ہو۔ جیسا رزق سے مجازاً حصول رزق مراد ہے "علی ایدینا
سے ان تمام بندوں کے ہاتھ میں رزق کا پہنچنا مراد ہے جو دعا کرنے والے ہوتے
ہیں۔ دلیل یہی ہے کہ تمام بندوں کو طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک سونے سے
منع کیا گیا۔ اور دعا وغیرہ تعقیبات میں مصروف رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو
تمام بندوں کے رزق کی تقسیم کی خبر دی ہے۔ نیز ائمہ علیہم السلام کو بالخصوص مراد لینا اس تفویض کے اثبات کا
موجب ہے جس کی دیگر احادیث اور آیات سے نفی ثابت ہے اس لئے ائمہ علیہم السلام کے ہاتھوں میں
پہنچ کر لوگوں تک رزق کے پہنچنے والے معنی سے آیات قرآنیہ اور دیگر احادیث معصومین علیہم السلام
کا انکار لازم آتا ہے لہٰذا یہ معنی مراد لینا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں ہر شخص کو اپنی دعا میں ائمہ
معصومین علیہم السلام سے توسل کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن پاک اور ارشادات معصومینؑ میں

آلِ رسولؐ کے پردہ میں اپنے باطل عقائد کی تبلیغ کرتے انہیں مشہور کرتے اور رواج دیتے ہیں اس وجہ سے جاہل اور غافل شیعہ ان کے اس مکر وفریب کے باعث دھوکہ کھا جاتے اور ان کے کلام پر یقین کر لیتے ہیں۔

اس توسل کا حکم فرمایا گیا ہے۔ جو کہ دعا کی مقبولیت کے لیے انتہائی تاثیر رکھتا ہے آئمہ معصومین علیہم السلام ہی دربار رب العزت کا وسیلہ ہیں چنانچہ ارشاد قدرت ہے

یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ الخ پ ۶ المائدہ آیت ۳۵۔ اے ایمان لانے والو! اللہ تعالٰے سے ڈرو اور اس کے دربار کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

تفسیر صافی صفحہ ۱۲۹ بحوالہ کتاب عیون اخبار رضا علیہم السلام۔

عن النبیؐ ھم الائمۃ من ولد الحسینؑ من اطاعھم فقد اطاع اللہ ومن عصاھم فقد عصی اللہ ھم العروۃ الوثقٰی والوسیلۃ الی اللہ۔ آنحضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ وسیلہ سے مراد وہ آئمہ معصومینؑ بھی ہیں۔ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے جو شخص ان کی اطاعت کرے گا وہ خداوند عالم کا مطیع قرار پائے گا۔ اور جو ان کی نافرمانی کرے گا وہ اللہ تعالٰے کا نافرمان شمار ہوگا۔ وہی عروہ وثقیٰ اور وہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا وسیلہ ہیں۔

تفسیر البرہان ج ۱ صفحہ ۲۸۶ بحوالہ مناقب ابن شہر آشوب قال امیر المومنین علیہ السلام فی قولہ تعالٰی وابتغوا الیہ الوسیلۃ انا وسیلتہ۔ حضرت جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہم السلام نے اللہ تعالٰے کے فرمان وابتغوا

حالانکہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام نے مفوضہ اور غلات سے پُر زور طور پر برأت اور بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ اور ان کی روایات کی تصدیق سے اور

الیہ الوسیلۃ کی تفسیر میں فرمایا کہ میں اللہ تعالٰے کا وسیلہ ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کی دعائیں بھی آئمہ علیہم السلام کے توسل اور استشفاع کے ذریعہ شرف قبولیت حاصل کرتی رہیں۔ چہ جائیکہ دیگر مخلوق ان کو اپنا وسیلہ بنائے۔ چنانچہ بحار الانوار میں انبیاء کی دعاؤں کے متعلق ایک مستقل باب ان الفاظ سے باندھا گیا ہے۔ باب ان دعاء الانبیاء استجیب بالتوسل والاستشفاع بھم علیھم السلام۔ یعنی اس امر کا باب کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا بھی آئمہ علیہم السلام کو وسیلہ بنانے اور ان کی سفارش حاصل کرنے کی کوشش سے مستجاب ہوتی رہی۔ سفینۃ البحار ج ۲ صفحہ ۲۴۸۔

بہر حال یہ ایک امر مسلّم ہے کہ آئمہ علیہم السلام کو استجابت دعا کے لئے وسیلہ بنا نا قرآنی تعلیم اور انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے۔ جس کی تفصیل کے لئے یہ مقام نہیں۔ اس وقت صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ حدیث زیر بحث میں واقع شدہ جملہ " وعلی ایدینا یجری بھا " کا ایسا معنی کرنا ہرگز جائز نہیں۔ جس سے تفویض رزق لبوئے آئمہؑ لازم آئے کیونکہ یہ نہ صرف عقلاً باطل ہے۔ بلکہ قرآن پاک اور خود ارشادات معصومین علیہم السلام کے منافی ہے۔

توقیع حضرت صاحب الامر علیہ السلام کا دوسرا جملہ ہے۔ لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم۔ اس جملے کے ذریعہ سابق جملے کے مضمون کی وجہ اور علت بیان فرمائی ہے کہ چونکہ اللہ تعالٰے نہ ہی جسم ہے۔ اور نہ ہی امر جسمانی اس لئے وہ ایسی ہستی ہے جس نے ہر ہر جسم کو پیدا کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جسم کسی جسم کو پیدا نہیں کر سکتا۔

اللہ کے ساتھ ہمنشینی اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان کی زبان اور ان
کے ہاتھوں سے تنگ آکر ان کے خلاف بددعا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت
امام علی رضا علیہ السلام کی بددعا کے بعض فقرات گذر چکے ہیں۔ لہذا محبان
اہل بیت اطہار کو چاہیئے کہ ان بروں کی برائی اور شر سے اپنے آپ کو بچانے

اور وہ جسمانیات بھی کسی جسم کو پیدا نہیں کر سکتیں، جو کہ جسم میں حلول ہوتی ہیں۔ اور ظاہر
ہے کہ ائمہ علیہم السلام جسم و جسمانیات سے مبرا نہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ کسی جسم کو
پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ اور جب قادر ہی نہیں تو عالم اجسام کے پیدا کرنے کو ان کے
تفویض کرنے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ائمہ تو ہماری دعاؤں کی قبولیت کا وسیلہ
ہیں۔ جیسا کہ اس توقیع کے آخری جملہ کا مفہوم ہے۔

حدیث ابوطاہر بن بلال سے مذہب مفوضہ ثابت نہیں ہو سکتا،

کتاب جواہر الاسرار صہ ۴۵ بحوالہ کتاب الغیبۃ للشیخ الطوسی صہ ۲۵۲۔ ابوطاہر بن بلال کی
ایک حدیث منقول ہے۔ جس کے بعض جملوں کے باعث ممکن ہے کہ کسی کو مذہب مفوضہ
کے صحیح ہونے کا توہم ہو۔ حالانکہ اس حدیث کو مذہب مفوضہ کے اثبات سے کوئی
تعلق نہیں۔ ذیل میں حدیث مذکور کو درج کر کے اس کے مضمون کی وضاحت کی
جاتی ہے۔

اخبرنی الحسین بن عبید اللہ عن ابی عبد اللہ البزوفری، حدثنی
الشیخ حسین بن روح رضی اللہ عنہ قال اختلف اصحابنا فی التفویض
وغیرہ فمضیت الی ابی طاہر بن بلال فی ایام استقامتہ فعرفتہ

اور دور رکھنے کی کوشش کریں کیونکہ عقلاء کا مقولہ ہے کہ گھریلو دشمن سے
بچ کر رہنا چاہیئے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ حق پوشی، اخفاء حقانیت، مکاری
اور فریب کاری اس فرقہ کی عادت ہے۔ اس چیز کے شواہد اور دلائل

الخلاف فقال أخرنی فاخرته ایاما فأخرج ألی حدیثا باسنادہ ألی
ابی عبد اللہ قال اذا اراد اللہ أمرا عرضہ علی رسول اللہ ثم علی امیر
المومنین واحدا بعد واحد ألی ان ینتھی ألی صاحب الزمان ثم
یخرج ألی الدنیا واذا اراد الملائکۃ ان یرفعوا ألی اللہ عملا عرض علی
صاحب الزمان ثم یخرج ألی واحد واحد ألی ان یعرض علی رسول
اللہ ثم یعرض علی اللہ فما نزل من اللہ فعلی ایدیھم وما عرج ألی
اللہ فعلی ایدیھم وما استغنوا عن طرفۃ عین۔

ہم کو حسین بن عبد اللہ نے خبر دی۔ انہوں نے حسین بن علی البزوفری سے روایت
کی ہے انہوں نے حسین بن روح سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب
میں تفویض وغیرہ کے متعلق اختلاف ہوا۔ پس میں ابو طاہر علی بن بلال کے طرف گیا۔ جن
ایام میں وہ راہ حق پر قائم تھے۔ اور ان کے پاس میں نے اپنا اختلاف بیان کیا۔ انہوں
نے فرمایا چند روز ٹھہر جائیں تاکہ میں اس معاملہ کی تحقیق کر لوں چند روز بعد میں ان
کے پاس گیا تو انہوں نے اپنے اسناد سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث
پیش کی کہ جب اللہ کسی امر کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ تو پہلے اس کو رسول اللہ پر پیش کرتے
پھر امیر المومنین پر پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہ اطہار پر یہاں تک کہ اس کو امام
زمانہ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا میں نافذ کرتا ہے۔ اور جب فرشتے چاہتے

ہیں سے ایک یہ ہے۔ کہ کشی علیہ الرحمۃ نے اپنے اسناد کے ساتھ یونس سے
اور اس نے ہشام بن حکم سے روایت کی ہے کہ اس نے حضرت امام جعفر صادق
علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا مغیرہ بن سعید
دیدہ و دانستہ میرے والد ماجد پر دروغ گوئی اور اتہام تراشی کیا کرتا تھا۔

ہیں کہ کسی عمل کو اللہ کے پاس پیش کریں۔ تو وہ پہلے امام زمانہ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔
پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہ کے پاس یہاں تک کہ وہ رسولؐ خدا کی خدمت میں پیش
ہوتا ہے۔ اور پھر خدا کے پاس پیش ہوتا ہے۔ پس جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے
وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہار کے ہاتھوں پر نازل ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اللہ کی طرف جاتا ہے
وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہار کے ہاتھوں سے جاتا ہے۔ اور وہ چشم زدن کی دیر بھی اللہ
سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ انتہی ما فی جواہر الاسنی بقدر الحاجۃ۔

اس حدیث میں جملہ "فما نزل من اللہ تعلی ایدیھم" سے ممکن ہے کہ
کسی کو یہ توہم ہو کہ مذہب مفوضہ صحیح ہے۔ لیکن یہ توہم درست نہیں کیونکہ اس جملہ
میں لفظ "وما نزل من اللہ الخ" سے مراد ان امور کا علم ہے۔ جو اللہ کی طرف سے
دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ہوتے ہیں۔ ہذا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالے جس
امر کو دنیا میں نافذ اور واقع کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے متعلق پہلے جناب
رسولؐ خدا اور پھر یکے بعد دیگرے تمام ائمہ کو آگاہ فرماتا ہے۔ اور پھر اس امر کو خدا دنیا
میں واقع کرتا ہے۔ اور مفوضہ کو علم سے نہیں اشیاء دنیا کے پیدا کرنے میں اختلاف
ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ دنیا میں من جانب خدا جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ خدا وند عالم کی قدرت
سے نہیں ائمہ علیہم السلام کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس حدیث سے یہ ثابت نہیں

اس کے اصحاب پدرم بزرگوار کے اصحاب میں مخفی اور پوشیدہ طور پر ملے
رہتے تھے۔ والدم ماجد کے اصحاب سے پوشیدہ طور پر کتاب حاصل کر لیتے
تھے۔ اور جا کر مغیرہ کو دے آتے تھے۔ وہ مخفی طور پر ان کتابوں میں اپنے
کفر اور زندیقیت کو درج کرتا اور پھر اسے والدم ماجد علیہ السلام کی طرف

ہوتا۔ بلکہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا کہ جس امر کو خدا نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق پہلے
آنحضرتؐ اور ائمہ علیہم السلام کو آگاہ اور مطلع کر دیتا ہے۔ اور اس میں کلام نہیں۔ لہذا
مذہب مفوضہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ حدیث ان آیات اور احادیث
کے معارض ہی نہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ عالم دنیا کے اجسام و ارواح اور افعال عباد
اختیاریہ کے علاوہ تمام اعراض کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اسی کی قدرت سے یہ تمام چیزیں
پیدا ہوئیں۔ اور پیدا ہو رہی ہیں۔ اس نے ان چیزوں کو پیدا کرنے پر کسی کو قادر نہیں
کیا۔ یہ حدیث اس مضمون کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ تاکہ مفوضہ کا مذہب اس سے ثابت
ہو سکے۔ بلکہ اگر کسی حدیث کی دلالت بظاہر اس مضمون کی نفی پر ہو بھی تو بھی اس کی ایسی
تاویل کی جائے گی۔ جو اس مضمون کے مطابق ہو کیونکہ یہ مضمون ضروریات دین میں
سے ہے۔ اور اگر کسی حدیث کی تاویل بھی نہ ہو سکے۔ تو اسے ترک کر دیا جائے گا اس کے
ظاہری مفہوم پر ایمان نہیں رکھا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس کے متعلق یہی کہا جائے
گا کہ اس کی صحیح تاویل کا علم خود ائمہ کو ہوگا۔ ہمیں اس کی تاویل کا پتہ نہیں چل سکا۔
ایسا ہرگز جائز نہیں کہ کسی مبہم روایت کی وجہ سے انسان ضروریات دین میں شک
و شبہ کو راہ دے دے۔ اور انہیں مشکوک نگاہ سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ ضروریات
دین پر یقین رکھا جاتا ہے۔ ان کے متعلق شک و شبہ جائز نہیں۔ حتی کہ آیات متشابہات

منسوب کرتا اور پھر وہ کتاب اپنے اصحاب کو دے دیتا اور ان کو حکم دیتا کہ وہ اس کتاب کو شیعوں کے اندر مشہور اور منتشر کرے لہذا پدرم بزرگوار کی کتابوں میں جو غلو کے مضامین موجود ہیں اسی مغیرہ کی کارستانیوں کا نتیجہ اور ثمر ہے کہ وہ مضامین غلو اس ملعون نے میرے والد ماجد کی کتابوں میں داخل کر دیئے۔

اس حدیث سے دو فائدے واضح طور پر حاصل ہو رہے ہیں۔
ایک یہ کہ تدلیس و تلبیس اور مکاری و فریب کاری اس گروہ کی عادت ہے، لہذا اس گروہ کے معاملات میں دقت نظر سے کام لینا چاہیئے۔
دوسرے یہ کہ جو روایت ائمہ علیہم السلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا لائق اعتماد ہونا ضروری نہیں، ایسا نہیں جیسا کہ

کی بھی جب ایسی صحیح تاویل معلوم نہ ہو سکے جو ضروریات دین کے مطابق ہو تو اس کے علم کو بھی راسخین فی العلم، ائمہ علیہم السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ضروریات دین پر یقین رکھنے سے دست برداری اختیار نہیں کی جا سکتی۔ متشابہات و مبہمات خواہ آیات ہو یا احادیث جب ان کی صحیح تاویل معلوم نہ ہو سکے تو ان کے متعلق یہی عقیدہ رکھا جاتا ہے۔ کہ علم ائمہ میں اس کی کوئی صحیح ایسی تاویل ہوگی جو ضروریات دین کے مطابق ہوگی۔ لیکن ہمیں اس کا علم نہیں، اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ ایسا ہرگز جائز نہیں کہ متشابہات، مبہمات اور مجملات کی کوئی من گھڑت ایسی تاویل تیار کر لی جائے جو ضروریات دین کے منافی ہو۔ مترجم۔

ماضی قریب میں پیدا ہونے والی اس جماعت کا خیال ہے کہ بالخصوص فضائل کے بارے میں جو روایت ائمہ علیہم السلام کی طرف منسوب ہو، اس کا انکار کفر ہے۔ ان کا ائمہ اطہار کی روایات کے متعلق قبولیت اور عدم انکار کے دائرہ کو اس قدر وسعت دینا گویا اس کی تمہید ہے کہ لوگ غلو کی روایتوں کا انکار نہ کریں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہر روایت کو قبول کرنا بھی تو غلو اور حد سے تجاوز ہے۔ اور فرمان پروردگار: ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا[1] پ ۲۶ ع ۱۳ الحجرات آیت نمبر ۶۔ اور حدیث معصوم فمن صدقهم فقد کذبنا[2] کی مخالفت ہے کیونکہ یہ امر بذات خود واضح ہے کہ فضائل کی جن روایات کا انکار کرنا ممنوع ہو

---

[1] :۔ اے ایمان کا اعتراف کرنے والو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ آیت کا مدلول یہ ہے کہ فاسق کی خبر بلا سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کئے قبول کر لینا جائز نہیں۔ بلکہ انسان مامور ہے کہ اس کی تحقیق کرے۔ بعد از تحقیق اگر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو اسے قبول کرلے۔ ورنہ رد کر دے لہذا فضائل کے متعلق ہو یا دیگر کسی امر کے متعلق فاسق کی خبر کے متعلق تحقیق ضروری ہے۔ یونہی آنکھیں بند کر کے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

[2] :۔ مصنف علامہ اعلی اللہ مقامہ نے یہ جملہ جس حدیث سے لیا ہے وہ کتاب عیون اخبار رضا علیہ السلام ج ۱ حدیث ۹ میں موجود ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہے۔ کہ جس نے غلاۃ کی تصدیق کی اس نے ہماری تکذیب کی۔ پوری حدیث کا متن یہ ہے۔

ان سے وہ فضائل مراد ہیں جو کہ پایۂ ثبوت کو پہنچے ہوئے برحق ہیں کہ جن کا انکار خارج از ایمان ہوجانے کا باعث ہوتا ہے ان فضائل کا انکار مراد نہیں جن کے فضائل ہونے میں اختلاف ہے جیسے غالیوں کے

یابن خالد انما وضع الاخبار عنا فی التشبیہ والجبر الغلاۃ الذین صغروا عظمۃ اللہ تعالیٰ فمن احبھم فقد ابغضنا ومن ابغضھم فقد احبنا۔ ومن والاھم فقد عادانا ومن عاداھم فقد والانا ومن وصلھم فقد قطعنا ومن قطعھم فقد وصلنا ومن جفاھم فقد برنا ومن برھم فقد جفانا۔ ومن اکرمھم فقد اھاننا ومن اھانھم فقد اکرمنا ومن قبلھم فقد ردنا ومن ردھم فقد قبلنا ومن احسن الیھم فقد اساء الینا ومن اساء الیھم فقد احسن الینا ومن صدقھم فقد کذبنا ومن کذبھم فقد صدقنا ومن اعطاھم فقد حرمنا ومن حرمھم فقد اعطانا۔ یابن خالد من کان شیعتنا فلا یتخذن منھم ولیا ولا نصیرا۔ نیز الاحتجاج للطبرسی ج ۲ ص ۲۲۸

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے حسین بن خالد سے فرمایا کہ فرزند خالد تشبیہ اور جبر کے بارے میں ان غالیوں نے حدیثیں وضع کرکے ہم اہل بیت سے جھوٹ اور افتراء کے طور پر نقل کی ہیں، جنہوں نے اللہ جل شانہ کی عظمت اور شان کو گھٹایا ”تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے اوصاف سے متصف کیا جائے“ لہذا جو شخص ان غالیوں سے محبت رکھے اس نے ہم اہل بیت سے عداوت اور بغض اختیار کیا، اور جس نے ان سے عداوت اور بغض رکھا اس نے ہم سے محبت کی اور جس نے

روایات اور نہ ہی ان فضائل کا انکار مراد ہے جو اصول قطعیہ کے خلاف ہونے کے باعث اصلاً فضائل ہی شمار نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی ان روایات کا انکار مقصود ہے، جو شاذہ ہیں۔ ثابت ہی نہیں کیونکہ یہ روایات اگر قابل انکار نہ ہوں تو لائق اعتقاد اور اقرار بھی نہیں ہو سکتیں۔ ان ہی کے من جملہ شلمغانی کی حکایت بھی ہے، کیونکہ شہید ثانی کتاب روضہ بہیہ

ان سے دوستی اختیار کی اس نے ہم سے دشمنی کی۔ اور جس نے ان سے دشمنی اختیار کی اس نے ہم سے دوستی کی اور جس شخص نے ان سے اپنے تعلقات قائم کئے اس نے ہم سے قطع تعلق کی اور جس نے ان سے قطع تعلق کی اس نے ہم سے اپنے تعلقات وابستہ کئے۔ اور جو شخص ان سے جفا اور سختی سے پیش آئے گا، وہ ہم سے نیکی کریگا۔ اور جو ہم سے نیکی کرنا چاہے گا۔ وہ ضرور ان سے جفا کشی اور سختی کا مظاہرہ کرے گا۔ اور جو شخص ان کی عزت و اکرام کرے، وہ یہ سمجھے کہ اس نے ہماری توہین کی اور جو شخص ان کو رسوا اور ذلیل کرے، وہ یوں سمجھے اس نے ہماری عزت اور اکرام کیا ہے۔ اور جس شخص نے ان کو رد کیا اس نے گویا ہمیں قبول کیا۔ اور جس نے ان کو قبول کیا اس نے ہمیں رد کیا۔ جس نے ان سے احسان کیا اس نے ہم سے برائی کی۔ اور جس نے ان سے اچھائی نہ کی۔ اس نے ہم پر احسان کیا۔ اور جس نے ان کی تصدیق کی اس نے ہمیں جھٹلایا۔ اور جس نے ان کو جھٹلایا۔ اس نے ہماری تصدیق کی جس نے ان کو کوئی شئے عطا کی۔ اس نے ہمیں محروم رکھا اور جس نے انہیں محروم رکھا اس نے گویا ہمیں عطیہ دیا۔ اے فرزند خالد جو ہمارا شیعہ ہو۔ وہ ان غالیوں میں سے کسی کو ہرگز نہ اپنا دوست بنائے نہ مددگار۔ (مترجم)

میں فرماتے ہیں کہ جو شخص شیعہ کی طرف سے نقل کرے۔ کہ قول مدعی کی وجہ سے
شاہد گواہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ مدعی برادر ایمانی ہو۔ اور وہ اسے
اچھی طرح پہچانتا ہو۔ تو یہ نقل کنندہ خطاکار ہے۔ کیونکہ ہمارے علماؒ نے
اس امر پہ اجماع کیا ہے۔ کہ بغیر یقین اور اطلاع کے محض قول مدعی کے
باعث گواہی دینا جائز نہیں۔ ہاں یہ مذہب محمد علی شلمغانی کا ہے کہ جو
غالیوں میں سے تھا۔ خدا اس پہ لعنت کرے۔ اور اس محمد علی شلمغانی
کے قول کو شیعہ کی طرف نسبت دینے اور ناقل کو اشتباہ لاحق ہونے کی
وجہ یہ ہے کہ یہ مرد ملعون پہلے شیعہ تھا۔ ایک کتاب بھی اس نے شیعہ طریق
پر لکھی۔ جس کا نام اس نے کتاب تکلیف رکھا۔ اور اس مسئلہ کو بھی اس نے
اس میں درج کیا۔ اس کے بعد غلو کے کلمات اور ایسے جملے اس سے ظاہر
ہوئے۔ جو لائق انکار تھے۔ لہذا شیعہ نے ان سے بیزاری اختیار کر لی اس
کی مذمت میں بارگاہ حضرت صاحب الامر سے کچھ توقیعات بھی ظاہر
ہوئیں۔ تو بادشاہ نے اسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ لہذا جن لوگوں نے
اس کی کتاب کی ابتداء دیکھی کہ وہ اصول شیعہ کے مطابق لکھی گئی ہے۔ تو
ان کو یہ وہم لاحق ہو گیا کہ یہ شخص شیعوں میں سے تھا۔ اور اس نے یہ
گمان کیا کہ یہ قول شیعہ علماء کا ہے۔

انہیں میں سے وہ ہے جسے عالم باعمل فاضل کامل سید نظام الدین
حسین مرحوم بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک جزیرے میں ایک مرد عابد
سے میری ملاقات ہوئی۔ جو شیعہ ہونے کا اظہار کرتا۔ اور اہل بیت اطہا

ی محبت اور موالات کا دم بھرتا تھا۔ تو مجھے یہ گمان ہوا کہ یہ شخص ہم میں سے
ہی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے ساتھ دوستی کے تعلقات استوار کیے۔ بعدازں
جب عالم خلوت میں مجھے اس کے حالات پر اطلاع ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ
شخص تو مفوضہ کا سردار ہے۔ تو میں نے اس سے دوری اور بیزاری اختیار
کر لی۔

اس جماعت مفوضہ کے تلبیس و تدلیس اور مکاری کے طور پر خفیہ رہنے
کے کچھ حالات جب بیان ہو چکے تو پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دیندار اور
تقویٰ شعار علماء نے اس فرقے کے کچھ علامات بیان کیے ہیں تاکہ جس شخص
میں وہ سارے علامات یا بعض یا ان کی مثل پائے جائیں تو مومنین اپنے دین
کو محفوظ رکھنے کے لئے ان کے اعتقادات کے متعلق جستجو اور جانچ پڑتال
کے درپے ہوں اور ان کی اس حالت سے خوف زدہ رہیں۔ اور ان کی
شر سے ڈرتے رہیں۔ نیز بعض روایات میں جو وارد ہوا کہ انسان کو اپنے
سب سے زیادہ قابل اعتماد بھائی سے بھی ڈرتے رہنا چاہیے۔ تو وہ ایسے
ہی مقامات پر محمول کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب انسان اس طرح خطرہ محسوس
کرتا رہے گا۔ تو وہ خود کو بھی اور اپنے دیگر کمزور مومن بھائیوں کو بھی ایسے
برے لوگوں کی برائی سے محفوظ رکھ سکے گا۔ جو مومنین کو گمراہ کرنے کی
کمین گاہ میں چھپے رہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایسے خطرناک انسانوں کے جو
افعال و اقوال ظاہر اسلام کے مطابق ہوں۔ ان کو انسان صحت پر محمول
کرنے کے باعث ان کو مومن قرار دے دے۔ اور پھر ان کے ان کلمات

کی تاویل کرنا شروع کر دے، اور ان کی اصلاح کے درپے ہو جائے۔ جو انہوں نے شرع شریف کی مخالفت میں کیے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ جلیل شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ علیہ الرحمۃ اپنی کتاب اعتقادات میں فرماتے ہیں کہ غلات اور

بعض بے جا تاویلات کا ازالہ

بعض حضرات نے بعض روایات کی ایسی بے جا تاویلات کی ہیں۔ جن سے مذہب مفوضہ کی تقویت حاصل ہوئی ہے۔ لہذا ان کا ازالہ ضروری ہے۔

سفینۃ البحار ج ا تتمہ ص ۳۳ تحریر ہے، کنز الکراجکی، ذکران اباحنیفۃ اکل طعاما مع الامام الصادق جعفر بن محمد علیہما السلام فلما رفع علیہ السلام یدہ من أکلہ، قال الحمد للہ رب العالمین اللهم هذا منك ومن رسولك فقال ابوحنیفۃ یا اباعبد اللہ اجعلت مع اللہ شریکا فقال لہ ویلك، ان اللہ تعالیٰ یقول فی کتابہ، وما نقموا الا ان اغناهم اللہ ورسولہ من فضلہ ویقول فی موضع آخر ولو انهم رضوا ما آتاهم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ . انا الی اللہ راغبون، الآیۃ، فقال ابوحنیفہ واللہ لکانی ماقرأتهما قط من کتاب اللہ ولا سمعتهما الا فی هذا الوقت، فقال ابوعبد اللہ بلی قد قرأتهما وسمعتهما ولکن اللہ انزل فیك وفی اشباهك ام علی قلوب اقفالها وقال بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون۔

مفوضہ کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ لوگ کافر ماثر ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں، تا آنکہ آپ نے فرمایا کہ ان ملاعین کی علامت یہ ہے کہ علماء قم شریف کو جو علماء حق ہیں۔ یہ ملاعین انہیں تقصیر کی طرف نسبت

صاحب بحار الانوار نے بحوالہ کنز الفوائد علامہ کراجکی اعلی اللہ مقامہ تحریر کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ کھانا تناول کیا۔ حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کھانے سے فارغ ہوئے تو حضور نے فرمایا الحمد للہ رب العالمین اللھم ھذا منك ومن رسولك۔ کہ سب تعریفیں اللہ جل شانہ کے لئے ثابت ہیں۔ کہ جو رب العالمین ہے۔ اے پروردگار یہ رزق تیری طرف سے اور تیرے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اس پر ابوحنیفہ بولے کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا؟ تو حضرت نے فرمایا تیری یہ حالت لائق افسوس ہے "کہ تو میری اتنی بات کو بھی نہیں سمجھ سکا۔ کہ اسے شرک قرار دے رہا ہے۔ یہ شرک نہیں ہے۔ کیونکہ" اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔ پ ۱۰ التوبہ آیت ۷۴۔ انہوں نے صرف اسی وجہ سے انتقام لینے کی کوشش کی کہ ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے غنی کر دیا۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ ولو انھم رضوا الآیۃ پ ۱۰ توبہ ۵۹۔ کہ یہ لوگ اگر اس پر ہی راضی رہتے۔ جو اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول نے ان کو

دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء قم ولاء اہل بیت علیہم السلام میں مقصر ہیں
شیخ صدوق رحمۃ کے کلام میں علماء قم کا تذکرہ گویا اس زمانہ کے فرد اظہری صورت
اور تمثیل کے طریقہ پر ہو گیا ہے۔ ورنہ ان قائلین کی بہ نسبت قم کے علماء تو

دیا تھا۔ اور کہتے کہ ہمیں خدا کافی ہے عنقریب اللہ تعالے اور اس کا رسول اپنی مہربانی سے
مزید عطا کرے گا ہم تو بس اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں تو یہ ان کے لئے
مناسب تھا۔ حضرت کا یہ کلام حق ترجمان سن کر ابو حنیفہ نے کہا کہ قسم بخدا ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ یہ دونوں آیتیں میں نے قرآن پاک میں پڑھی ہی نہیں اور ان دونوں کو
میں نے اس وقت سے پہلے کبھی سنا ہی نہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ بے شک یہ تو
نے دونوں آیتیں پڑھی بھی ہیں اور سنی بھی ہیں۔ لیکن اللہ تعالے نے تیرے متعلق اور
تجھ جیسے دوسرے اشخاص کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ ام علی قلوب اقفالھا
کہ ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ فرمایا ہے کہ ان کے کرتوتوں کے باعث
ان کے دلوں پر سیاہی چڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے ان کو حقائق سمجھ نہیں آسکتے

بعض حضرات نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس فرمان انا ھم
ھذا ملک ومن رسول ملک سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت کا یہ فرمان
بالکل واضح کر رہا ہے کہ رزق رسول اللہ صلعم کے دست حق پرست سے جاری
ہو کر دنیا تک پہنچتا ہے۔ حالانکہ ان حضرات کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ ان
کے ان الفاظ کا تو مطلب یہ بنتا ہے کہ تمام مخلوقات کو رزق رسول صلعم کے ہاتھ سے
ملتا ہے۔ اور اس سے مفوضہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ یہی کہتے ہیں
کہ پیدا کرنے اور رزق دینے کے معاملات اللہ تعالے نے ائمہ علیہم السلام اور رسول صلعم

مختص نہیں کیونکہ یہ تمام علماء حق کو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ شیخ صدوق علیہ
الرحمۃ پھر فرماتے ہیں کہ غلات میں سے حلاجیہ کی علامت یہ ہے کہ

خدا کے سپرد کر دیئے ہیں۔ لہٰذا وہی تمام مخلوق کو رزق دیتے ہیں حالانکہ قرآن پاک
اور احادیث معصومین پر اطلاع رکھنے والا اور عقل سلیم سے کام لینے والا شخص تو
کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ ہر شخص کا رزق رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر جاری ہوتا
اور ہر شخص کو رسول اللہ رزق تقسیم کرتے ہیں اگر ایسا ہو تو پھر ان آیات اور
احادیث کا کیا مطلب ہوگا۔ جن سے یہ ثابت ہے کہ ہر شخص پر بطریق حلال رزق کا
حاصل کرنا واجب ہے۔ اور ناجائز طریقہ سے حاصل کرنا حرام ہے۔

ارشاد قدرت ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض
وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون پ ۲۸ ع
الجمعہ آیت ۱۰ کہ جب نماز جمعہ ادا کر دی جائے تو پھر تم زمین میں پھیل
جاؤ اور فضل خدا رزق حلال کو طلب کیجئے اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرتے
رہیئے۔ تاکہ تم فلاح اور نجات پا جاؤ۔

پ ۲ ع البقرہ آیت ۱۸۸۔ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الآیۃ
کہ آپس کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔

پ ۴ ع آل عمران آیت ۱۳۰۔ یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوٰ
الآیۃ۔ اے ایمان کا اعتراف کرنے والو سود نہ کھاؤ۔

پ ۴ ع النساء آیت ۲۔ وآتوا الیتامیٰ اموالھم ولا تتبدلوا
الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا

وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے اعظم کی معرفت اور حق کے کشف وانکشاف کا
دعویٰ کرتے ہیں اور یہ دعوے کرتے ہیں کہ ولی جب ان کے مذہب

یتیموں کو ان کے اموال دے دو۔ مال حلال کے بدلے حرام خبیث کو اختیار مت
کرو اور ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ کیونکہ یہ بہت بڑا
گناہ ہے۔

پ ۸ الانعام آیت ۱۱۸ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایاتہ مومنین
اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہو تو اس ذبیحہ کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ
تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

پ ۲ البقرہ آیت ۱۶۸ یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض
حلالا طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن۔ اے لوگو! زمین میں جو
اشیاء موجود ہیں۔ ان میں سے عمدہ اور حلال چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے نقش
قدم پر مت چلو۔

پ ۲۔ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل
لغیر اللہ۔ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مردار کو اور خون اور
خنزیر کے گوشت اور اس چیز کو حرام کیا ہے۔ جس کو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح
کیا گیا ہو۔

پ ۳ آیت ۲۷۵ البقرہ۔ واحل اللہ البیع وحرم الربو۔ اللہ
تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا۔ اور سود کو حرام کیا۔

وسیلۃ النجاۃ ج ۲ ص ۸ مصنفہ آقا سید ابوالحسن

کا عارف اور مخلص ہو جاتا ہے تو وہ انبیاء سے افضل ہو جاتا ہے
نیز ان کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ علم کیمیا رکھنے کا

الاصفہانی، ۲ سفینۃ البحار ج ا ص ۴۲

عن النبیؐ العبادۃ سبعون جزء افضلہا طلب الحلال
نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ عبادت کی ستر قسمیں ہیں ان سب
میں سے افضل عبادت رزق حلال کا طلب کرنا ہے۔

وسیلۃ النجاۃ صفحہ مذکور۔

عن مولٰنا امیر المومنینؑ ان اللہ عزوجل یحب المحترف
الامین۔ حضرت جناب امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے
محبت رکھتا ہے۔ جو کسی صنعت وحرفت کے ذریعہ روزی کمانے والا ہو۔ اور امین ہو

وسیلۃ النجاۃ صفحہ مذکور۔

عن مولٰنا الباقرؑ من طلب الدنیا استعفافا عن الناس وسعیا
علی اھلہ وتعطفا علی جارہ لقی اللہ عزوجل یوم القیٰمۃ ووجھہ مثل
القمر لیلۃ البدر۔ حضرت باقر العلوم جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی
ہے کہ جو شخص دنیا کو اس لئے طلب کرے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال
دراز کرنے سے بچ جائے۔ اور اپنے بیوی بچوں کو رزق حلال کی روزی دے اور
اپنے ہمسایہ پڑوسی حاجت مند کی حاجت روائی اور اس سے ہمدردی کر
سکے۔ تو وہ شخص بروز قیامت اللہ تعالیٰ سے اس شان سے ملاقات کرے
گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے ماہ کامل کی طرح روشن اور تاباں ہوگا۔

دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جھوٹ فریب کے علاوہ کچھ نہیں جانتے
انتہی ملخص کلامہ۔

وسیلۃ النجاۃ صفحہ مذکور۔

عن مولانا امیر المومنینؑ اتجروا بارک اللہ لکم فانی سمعت رسول اللہؐ یقول الرزق عشرۃ اجزاء تسعۃ اجزاء فی التجارۃ و واحد فی غیرھا۔ حضرت جناب امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگو: تجارت کرو کیونکہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ رزق کے دس حصے ہیں۔ نو حصے ان میں سے تجارت میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ اور صرف ایک حصہ دیگر کمائی کے طرق میں رکھا گیا ہے۔

وسیلۃ النجاۃ صفحہ مذکور۔

عنہؑ تسعۃ اعشار الرزق فی التجارۃ والجزء الباقی فی السابیا یعنی الغنم ثم الزرع والغرس وافضلہ النخل۔

جناب امیر علیہ السلام سے ہی مروی ہے کہ رزق کے نو حصے تجارت میں رکھے گئے ہیں۔ اور ایک حصہ بکریوں بھیڑوں میں اس کے بعد کاشت کاری میں اور درخت لگانے اور باغبانی کے کام میں رکھا گیا ہے۔ اور درختوں میں افضل شجر خرما ہے۔

وسیلۃ النجاۃ صفحہ مذکور۔

عن مولانا الباقرؑ قال کان ابی یقول خیر الاعمال الحرث تزرع فیاکل منہ البر والفاجر الی ان قال و یاکل منہ البھائم

اور یہ جماعت کہ اس زمانہ میں جن کا کلمات غلات سے انس رکھنا ظاہر ہوا ہے گویا ان تمام صفات کے جامع ہیں اور اپنے متعلق گمان

والطیر۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میرے والد ماجد امام زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے کہ بہترین عمل ہے کاشتکاری کیونکہ اس کا پھل ہر نیک انسان بھی کھاتا ہے۔ اور ہر برا بھی کھاتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا اور چوپائے بھی کھاتے اور پرندے بھی کھاتے ہیں۔

وسیلۃ النجاۃ مذکور۔

عن مولانا الصادق علیہ السلام ازرعوا واغرسوا فلا واللہ ما عمل الناس عملا احل واطیب منہ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کاشت کاری کرو اور درخت لگاؤ کیونکہ قسم بخدا بندوں کا کوئی دیگر عمل ایسا نہیں جو اس سے زیادہ طیب اور زیادہ حلال ہو۔

وسیلۃ النجاۃ صفحہ مذکور۔

عنہؑ الزارعون کنوز الانام یزرعون طیباً اخرجہ اللہ تعالیٰ وھم یوم القیمۃ احسن مقاما واقربھم منزلۃ یدعون مبارکین۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق ہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کاشتکار خلق خدا کے خزانے ہیں۔ وہ کاشت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی کاشت کردہ چیز کو طیب ہونے کی حالت میں پیدا کرتا ہے۔ بروز قیامت ان کا مقام تمام لوگوں سے اچھا ہوگا۔ اور ان کی

کرتے ہیں کہ انہوں نے ولاء اہل بیت علیہم السلام میں دوسرے علماء کی نسبت سبقت حاصل کر لی ہے۔ دوسرے علماء ان مدارج تک

منزلت خوشنودی خدا کے قریب تر ہوگی۔ انہیں بروز قیامت مبارک کے نام سے پکارا جائے گا۔ مبارک اسے کہتے ہیں۔ جو بابرکت ہو۔

عنہٗ الکیمیا الاکبر الزراعۃ ثم اقتناء الاغنام للاستفادہ فان فیھا البرکۃ وسیلۃ النجاۃ مذکور۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سب سے بڑا کیمیا زراعت ہے۔ اور اس کے بعد بھیڑ بکری پالنے کا درجہ ہے۔ کیونکہ ان میں اللہ تعالےٰ نے برکت رکھی ہے۔

عن مولٰنا الصادق اذا ما اتخذ اھل بیت شاۃ اتاھم اللہ برزقھا وزاد فی ارزاقھم وارتحل عنھم الفقر مرحلۃ فان اتخذوا شاتین اتاھم اللہ بارزاقھما وزاد فی ارزاقھم وارتحل عنھم الفقر مرحلتین وان اتخذوا ثلاثۃ اتاھم اللہ بارزاقھا وارتحل عنھم الفقر راسا وسیلۃ النجاۃ مذکور۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق ہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جب کسی گھر والے ایک بھیڑ پالیں تو اللہ تعالےٰ ان کو اس کا رزق بھی عطا کرتا ہے۔ اور ان کے اپنے رزق میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ اور فقر و احتیاج ان سے ایک منزل دور ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ دو بھیڑیں پالیں تو اللہ تعالےٰ ان کو ان کی خوراک کا خرچ بھی دیتا ہے۔ اور خود ان کے رزق میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ اور فقر و احتیاج دو منزل تک

پہنچنے سے قاصر اور مقصر ہیں جن کا نام یہ مدارج سلمانیہ رکھتے ہیں اور ثانیاً یہ کہ یہ اپنے آپ کو معارف باطنیہ اور بواطن اسرار کا عالم جانتے ہیں۔

ان سے دور ہو جاتا ہے اور اگر وہ تین بھیڑیں پالیں تو اللہ تعالےٰ ان کو ان بھیڑوں کا خرچہ خوراک بھی مرحمت کرتا اور ان کے رزق میں بھی اتنا اضافہ کر دیتا ہے۔ کہ فقر و احتیاج ان سے بالکل دور ہو جاتا ہے۔ اور کوچ کر جاتا ہے۔

وسیلۃ النجاۃ صفحہ مذکور۔

عنہٗ ما من اھل بیت تروح علیھم ثلاثون شاۃ الا لم تزل الملائکۃ تحرسھم حتی تصبحوا ثم اقتناء البقر فانھا تغدو بخیر وتروح بخیر واما الابل فقد نھی عن اکثارھا فعن النبیؐ ان فیھا الشقاء والجفاء والعناء۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسا گھر نہیں کہ جس کے مالکوں کے پاس ان کی تیس بھیڑیں شام کو ان کے پاس آتی ہوں۔ مگر یہ کہ ملائکہ اس گھر والوں کی صبح تک حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ بھیڑوں کے بعد گائے کا رکھنا شرف کا باعث ہے۔ کیونکہ وہ صبح بھی خیر آنے کا باعث ہوتی ہیں۔ اور شام کو بھی۔ لیکن اونٹوں کے بکثرت رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ شقاوت، جفاء قلب اور تکلیف و تکان کا باعث ہوتے ہیں۔

جبکہ ان تمام آیات اور احادیث اور ان کے ایسے دیگر بہت سے نصوص کے ذریعہ مثل روز روشن واضح ہے کہ رزق ہر انسان کو نبی پاک کے دست مبارک سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر شخص رزق کو کسی دیگر طریقہ سے حاصل کر کے کھاتا ہے کیونکہ

اور اپنا نام مومن ممتحن رکھتے ہیں اور ادعائے کشف کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ مرتبہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ جان چکے کہ غیر معصوم جب کشف و الہام کا دعویٰ کرے۔ وہ اس کے غیر پر بلکہ خود اس کی ذات

رزق کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کر دیا ہے۔ اور ہر شخص کو مامور کیا ہے کہ وہ حلال طریقہ سے حاصل کر کے کھائے۔ تو پھر معلوم ہوا کہ آیت مبارکہ مانقموا الا اغناهم الله ورسوله من فضله۔ اور ارشاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اللهم هذا منك ومن رسولك۔ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کا رزق رسول پاک کے دست حق پرست پر جاری ہوتا ہے۔ باین معنی کہ رسول پاک ہر شخص کا رزق تقسیم کرتے اور اسے عطا کرتے ہیں کیونکہ اس معنی کو اگر صحیح اور متحقق فرض کیا جائے تو گذشتہ تمام آیات و احادیث اور دیگر اس مضمون کی بہت سی نصوص کا انکار اور العیاذ باللہ ان کا بطلان لازم آتا ہے۔ کیونکہ اگر رسول پاکؐ رزق کو تقسیم کرتے ہوتے تو لوگوں کو یہ حکم دینے کا کوئی معنی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ حلال طریقہ پر حاصل کر کے کھائیں لہذا ماننا پڑے گا کہ اس آیت اور حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کے اس ارشاد کا تعلق ان اموال سے ہے جو از قسم مال غنیمت و مال زکوٰۃ وغیرہ تھے۔ کہ جو اموال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک سے تقسیم ہوتے تھے۔ اور انہیں اموال کے ذریعہ وہ منافق لوگ غنی ہوئے تھے۔ جنہوں نے جنگ تبوک سے واپسی پر جناب رسول خداؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ نیز ان ہی اموال کے ذریعہ وہ لوگ بھی غنی ہوئے تھے جنہوں نے جناب رسول خداؐ کی ذات ستودہ صفات پر زبان طعن کو دراز کیا تھے

پر بھی حجت نہیں ہو سکتا۔ کشف رحمانی بھی ہو سکتا۔ اور کشف شیطانی بھی ہو سکتا ہے۔ اور ان دونوں میں عمومی آدمی تمیز نہیں کر سکتا۔ اور قرآن کریم اور احادیث معصومینؑ کے ظاہر سے استدلال بواطن کو واضح

سے انکار نہیں کیا تھا کہ آپ نے تقسیم مال میں انصاف سے کام نہیں لیا کیونکہ قرآن پاک کا سیاق سباق دال ہے کہ یہ آیات مذکورہ ان منافقوں ہی کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ یہ آیتیں تمام انسانوں کے حق میں نازل نہیں ہوئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ وما نقموا الا الخ۔ جو آیت میں واقع ہے وہ پوری آیت اس طرح ہے۔ یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمة الکفر وکفروا بعد اسلامهم وهموا بما لم ینالوا وما نقموا الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کا کلمہ کہا تھا۔ اور وہ مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے ایک ایسے غلط اور ناجائز امر کا ارادہ کیا تھا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے اور اس ناجائز امر کی جرأت ہی تو انہوں نے کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے ان کو غنی کر دیا تھا۔

آیت وما نقموا الا الخ کا شان نزول

تفسیر البرهان ج ۱ ص ۳۳۵ - تفسیر کافی ص ۱۹۹

علی بن ابراهیم قال نزلت فی الذین تحالفوا فی الکعبة ان لا یردوا هذا الامر فی بنی هاشم وهی کلمة الکفر، ثم قعدوا لرسول الله فی

العقبۃ وھموا بقتلہ وھو قولہ تعالیٰ وھموا بما لم ینالوا۔ علی بن ابراہیم قمی علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ جنہوں نے خانہ کعبہ میں باہم مل کر قسمیں اٹھائی تھیں۔ کہ اس امر خلافت کو بنی ہاشم میں نہیں رکھیں گے۔ اور یہ کلمہ کفر کا کلمہ تھا۔ پھر وہ رہی تو تھے جو رسولؐ خدا کو قتل کرنے کے لئے گھاٹی میں بیٹھ گئے۔ الغا انہوں نے آپ کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن وہ اپنی مراد کو پا نہ سکے ہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک سے وھموا بما لم ینالوا۔

نیز تفسیر البرہان ج ۱ ص ۴۳۵ شیخ صدوق علیہ الرحمتہ نے مسند طور پر حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے۔

انہ قال الذین نفروا برسولؐ اللہ ناقتہ فی منصرفہ من تبوک اربعۃ عشر ابو الشرور وابو الدواھی وابو المعازف وابوہ وطلحہ وسعد بن ابی وقاص وابو عبیدہ وابو الاعور والمغیرہ وسالم مولیٰ ابی حذیفۃ وخالد بن ولید وعمرو بن العاص وابو موسیٰ الاشعری وعبدالرحمن بن عوف وھم الذین انزل اللہ فیھم وھموا بما لم ینالوا۔

حضرت حذیفہ نے کہا کہ جن لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کو ڈرانے کی اس وقت کوشش کی تھی جبکہ آپ جنگ تبوک سے واپس آ رہے تھے وہ چودہ آدمی تھے۔ (۱) ابو الشرور (۲) ابو الدواہی (۳) ابو المعازف (۴) اس کا باپ (۵) طلحہ (۶) سعد بن ابی وقاص (۷) ابو عبیدہ (۸) ابو الاعور (۹) مغیرہ (۱۰) سالم حذیفہ کا

آزاد کردہ۔ (۱۱) خالد ابن ولید (۱۲) عمرو بن العاص (۱۳) ابو موسیٰ اشعری (۱۴) عبدالرحمن بن عوف، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت۔ وھموا بما لم ینالوا۔ نازل کی ہے کہ انہوں نے اس برائی کا ارادہ کیا تھا۔ جسے وہ پا نہ سکے اور اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

معلوم ہوا کہ یہ آیت مبارکہ منافقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وما نقموا الخ کے الفاظ میں ضمیر جمع منافقوں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لہذا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اموال غنیمت اور زکوٰۃ وغیرہ کے ذریعہ ان منافقوں کو غنی بنا دیا تھا۔ جس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ رسولؐ خدا اور اللہ جل شانہ کا شکریہ ادا کرتے لیکن غنی ہو جانے کے باعث یہ غرور وتکبر میں پڑ گئے۔ اور بجائے شکریہ کے انہوں نے کفران کیا۔ کیونکہ وہ رسولؐ خدا کے قتل کے درپے ہو گئے۔

غرضیکہ یہ آیت عامۃ الناس سے تعلق ہی نہیں رکھتی۔ تاکہ یہ احتمال پیدا ہو سکے کہ تمام انسانوں کا رزق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر جاری ہو کر آتا ہے۔ اور ہر شخص تک آپ کے ہاتھوں سے پہنچتا ہے۔ لہذا اس آیت سے اس مطلب پر دلیل قائم کرنا غلط ہے۔ اور آیت کریمہ کے متعلق تحریف معنوی کا ارتکاب ہے۔ جو ہرگز جائز نہیں۔

دوسری آیت بھی ان منافقوں کے متعلق ہی نازل ہوئی ہے۔ جو بعد کو خارجی بن گئے۔ چنانچہ پوری آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ ومنھم من یلمزک فی الصدقٰت

ان سے کوئی چیز دیکھی نہیں جاتی اور عوام شیعوں کو کہ جو محبان اہلبیت ہیں ولائے اہل بیت اور ان کی مداح خوانی کے پردہ میں اپنی طرف مائل کرتے

فان اعطوا منها رضوا وان لم یعطوا منها اذا هم یسخطون ولو انهم رضوا ما اعطاهم الله ورسوله قالوا حسبنا الله ورسوله انا الی الله راغبون پ ع التوبه ۵۹:۵۸ ان منافقین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو "تقسیم" صدقات یعنی زکوٰۃ کے بارے میں آپ کو الزام کا مورد قرار دیتے ہیں اور حالت ان کی یہ ہے کہ اگر ان کو کچھ عطا کیا جائے تو پھر وہ راضی ہو جاتے ہیں۔ اور اگر صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے۔ تو ناگاہ وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا کیا تھا۔ اور "حسبنا اللہ" کہہ دیتے یعنی کہتے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ خدا ہمیں کافی ہیں۔ تو ضرور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ان کو اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا کر دیتے۔ ہم تو بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

ان ہر دو آیات کا مضمون واضح کرتا ہے کہ ان میں جن اموال کا تذکرہ ہے وہ اموال زکوٰۃ اور غنیمت وغیرہ تھے۔ جو رسولؐ خدا بحکم خدا اہل اسلام میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ اور آپ ان اموال سے منافقوں کو بھی حصہ دیتے تھے۔ اور ان کے باعث ہی وہ غنی بھی ہو گئے تھے۔ لیکن منافقین نے شکریہ کی بجائے کفران نعمت کیا۔ مگر رسول پاک کا یہ عطیہ خارج از بحث چیز ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف تو اس میں ہے کہ عالم دنیا کی ساری مخلوق کا رزق کیا رسولؐ خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے ہاتھوں پر جاری ہوتا ہے۔ اور ہر شخص جو کچھ کھاتا

ہیں۔ اور اہل دنیا کو علم کیمیا کے حیلہ سے اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اس مکر و فریب کے ضمن میں خلاف مذہب شیعہ پریشان کلمات اپنی زبان پر اجراء

ہے۔ وہ ان نفوس مقدسہ کے ہاتھوں پر جاری ہو کر آتا ہے۔ تو یہ مطلب ان آیات سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ لہذا جو شخص اس مطلب پر ان آیات سے استدلال کرتا ہے۔ اسے اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں کہ وہ اپنی جہالت کو طشت ازبام کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر صافی صد ۱۹۴۔ آیت مبارکہ "ومنهم من یلمزک فی الصدقات الخ" کے تحت تحریر ہے۔

فی المجمع عن الباقر بینا رسول الله اذ جاءه ابن ذی الخویصرة التمیمی وهو حرقوص بن زهیر اصل الخوارج فقال اعدل یا رسول الله فقال ویلک من یعدل ان لم اعدل الحدیث

کہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ کہ اتنے میں ابن ذوالخویصرہ تمیمی آ گیا اور یہی شخص حرقوص بن زہیر ہے۔ جو کہ خارجیوں کا اصل اصیل اور ان کا سب سے بڑا گرو تھا۔ اس نے آتے ہی رسولؐ خدا سے کہا کہ یا حضرت انصاف کیجئے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تجھ پر نفرین اور پھٹکار ہو۔ اگر میں عدل نہیں کرتا تو پھر اور کون عدل و انصاف کرے گا۔

واضح باد کہ تفسیر صافی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں مندرجہ بالا الفاظ ہیں۔ لیکن تفسیر مجمع البیان کی اصل عبارت اور تفسیر صافی کی مذکورہ بالا عبارت میں قدرے اختلاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناقل کی غلطی سے کچھ الفاظ رہ گئے ہیں۔

کرتے ہیں۔ اور پھر جب گرفت کی جائے تو ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف اڑتے نظر آتے ہیں۔ اور اپنے کلام میں ایسے تشابہ کا ادعاء

مجمع البیان ج ۲ صفحہ ۳۰ میں اصل عبارت اس طرح ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال بینا رسول اللہ یقسم قسما وقال ابن عباس کانت غنائم ھوازن یوم حنین اذ جاء ابن ابی ذی الخویصرہ التمیمی وھو حرقوص بن زھیر اصل الخوارج فقال اعدل یا رسول اللہ فقال ویلک ومن یعدل اذا لم اعدل۔ انتھی بقدر الحاجۃ۔ کہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے۔ اور حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ وہ اموال جنگ حنین میں قبیلہ ہوازن سے حاصل کردہ اموال غنیمت تھے۔ اتنے میں ابن ابی ذی الخویصرہ آگیا۔ اور اس نے آنحضرتؐ کی ذات ستودہ صفات پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے اعتراض کیا کہ یا حضرت انصاف کیجئے، تو حضرت نے فرمایا کہ نفرین ہو تجھ پر جب میں انصاف نہ کروں گا تو پھر اور کون انصاف کرے گا۔

تفسیر البرہان ج ۱ صفحہ ۳۲۹، عن سماعۃ عن ابی عبد اللہ وابی الحسن علیھما السلام قال ذکر احدھما ان رجلا دخل علی رسول اللہ یوم غنیمۃ حنین وکان یعطی المولفۃ قلوبھم یعطی الرجل منھم مأۃ راحلۃ ونحو ذلک وقسم رسول اللہ حیث أمر فاتاہ ذلک الرجل قد ازاغ اللہ قلبہ فقال لہ ما عدلت حین قسمت فقال رسول اللہ ویلک ما تقول ألم تر قسمت الشاۃ

کرتے ہیں کہ ان کے اقوال سے امان مرتفع رہتی ہے۔ اور مکر و فریب کے آثار انکے کلمات میں واضح اور ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ انہوں نے صوم صلوۃ زکوۃ

حتی لم یبق معی شاۃ أو لم أقسم البقر حتی لم یبق معی بقرۃ واحدۃ أو لم اقسم الابل حتی لم یبق بعیر واحد فقال بعض اصحابہ لہ اترکنا حتی نضرب عنق ھذا الخبیث فقال لا ھذا یخرج فی قوم یقرؤن القرآن لا یجوز تراقیھم یلی قاتلھم غیری،

سماعۃ نے حضرت جناب امام جعفر صادق اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ ان دونوں امامین ھمامین علیہما السلام۔ میں سے کسی ایک نے فرمایا جنگ حنین کے اموال غنیمت تقسیم ہونے کے دن ایک شخص جناب رسول خداؐ کی خدمت عالی مرتبت میں حاضر ہوا حضور مؤلفۃ القلوب کو مال غنیمت عطا فرما رہے تھے۔ ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ اور اس کی مثل عطا فرما رہے تھے۔ اور اس تقسیم میں ان لوگوں کو عطا فرما رہے تھے۔ جن کو عطا کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا وہ شخص جو آیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق کو سلب کر لیا تھا اور خذلان کا شکار ہونے کے باعث اس کا دل ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ اس نے حضرتؐ کی ذات والاصفات پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا حضورؐ نے فرمایا تیرا برا ہو کیا کہہ رہا ہے؟ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ میں نے گوسفند تقسیم کئے، تو سب کے سب ہی تقسیم کر دیئے۔ حتیٰ کہ میرے پاس ایک بکری بھی نہیں رہی، اور پھر گائے بھینسیں تقسیم کیں تو ان میں بھی میرے پاس ایک گائے تک بھی نہیں رہی پھر

اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے نام رکھے ہوئے ہیں۔ اور توحید، فعل اللہ
ارادۃ اللہ، قدرۃ اللہ، علم بالصلح اور اسماء حسنیٰ انہوں نے موجودہ اشخاص

اونٹ تقسیم کئے تو بھی ایک اونٹ تک میرے پاس نہ رہ گیا۔ سب تقسیم کر دیئے اب
بھی تو زبان طعن دراز کر رہا ہے؟ "حضور کے ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور ہمیں
اجازت دیجئے کہ ہم اس خبیث کی گردن اڑا دیں، حضور نے فرمایا، نہیں
میں اجازت نہیں دیتا، کیونکہ یہ "ابھی زندہ رہے گا" پھر "ایک ایسی قوم
میں خروج کرے گا جو قرآن پاک کو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے
نہیں اترے گا۔ ان کا قاتل میں نہیں ان کا قاتل ایک اور شخص ہوگا۔

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا، کہ اس حدیث اور ان آیات سے مراد
اموال صدقات اور اموال غنیمت ہیں، عمومی اموال مراد نہیں اور ان کا تقسیم
کرنا بھی مقصود نہیں، اس سے عمومی اموال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم
کے دست حق پرست پر جاری ہو کر مخلوق تک پہنچنا ان آیات واحادیث
سے مراد نہیں ہو سکتا، اور آنحضرت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ
فرمان "اللھم ھذا منک ومن رسولک" بھی اس معنی پر دلالت نہیں کرتا کہ
تمام تر رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب رسولؐ خدا اور ائمہ کے دست حق
پرست پر تمام لوگوں کو جاری ہو کر آتا ہے۔

اور اگر تنزلاً تسلیم بھی کیا جائے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے
جس مال کے متعلق یہ فرمایا "اللھم ھذا منک ومن رسولک" وہ اموال بالخصوص
اموال غنیمت یا اموال زکوٰۃ نہیں تھے، بلکہ عمومی اموال میں سے تھے تو

قرار دے رکھے ہیں۔ اور علم خدا کو اشیاء کے ساتھ حادث سمجھتے ہیں اور توحید کے
مراتب ایک ہزار سے بھی زیادہ شمار کرتے ہیں، بعض چیزوں کو سینہ کے ساتھ اور
بعض کو دل کیساتھ تعلق پذیر جانتے ہیں اور علماء اصول کلام میں بعض کے
کلام کو مکر و فریب کے طریقہ پر اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بھی یہ مفہوم ہرگز نہیں ثابت ہوتا کہ تمام اموال ائمہ علیہم السلام کے ہاتھ جاری ہو کر
مخلوق تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ عمومی اموال کے ساتھ آنحضرتؐ اور دیگر ائمہ
معصومین علیہم السلام کو جو رابطہ حاصل ہے۔ وہ علت غائیہ کا ہے۔ علت
فاعلیہ کا نہیں۔ کیونکہ پیدا کرنے والا خود خداوند عالم ہے جس نے ہر شے کو پیدا
کیا ہے۔ لیکن چہاردہ معصومینؑ کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان نفوس
مقدسہ کو پیدا نہ کرتا تو کسی چیز کو پیدا نہ کرتا۔ اور جب تک ان کا ایک فرد
غائب ہے۔ دنیا قائم اور باقی ہے۔ لہذا تمام مخلوق جناب رسولؐ خدا کے
ہی تصدق سے ہر قسم کا رزق کھا رہی ہے۔ لیکن یہ مطلب ہرگز ثابت نہیں
ہو سکتا کہ ہر شخص کا رزق امام علیہ السلام کے ہاتھ میں پہنچ کر ہر شخص کو پہنچتا
ہے۔ لہذا امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ
پروردگارا یہ اموال تیرے اور تیرے رسولؐ کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ تو نے
پیدا کئے۔ اور اصلاً رسولؐ خدا کی خاطر پیدا کئے۔ اس لئے سب لوگ ان کے
باعث کھا رہے ہیں۔ غرض رزق کے متعلق آیات واحادیث میں جو کچھ وارد
ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مرزوقات کو خداوند عالم نے ہی پیدا کیا
ہے۔ کیونکہ عالم کے تمام اشیاء یعنی اجسام وارواح اور بندوں کے افعال اختیاریہ کے

تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ ان کا طریقہ اہل حق کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اور اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بھید اور راز کو زیادہ تظاہر نہیں کرتے کیونکہ دیوار بھی کان رکھتی ہے۔ اگر ان کا طریقہ وہی طریقہ ہے۔ جو ہمارے علماؑ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ تو پھر وہ اپنے آپ کو معرفت اسرار کے ساتھ مختص کیوں کرتے ہیں۔ اور علماؑ مذہب حق سے لے پوشیدہ کیوں رکھتے ہیں۔؟ انہوں نے وہ اسرار کہاں سے معلوم کر لئے ہیں؟ کیا کوئی ایسی دلیل ان کے پاس موجود ہے۔ جو سمعاً متواتر ہو؟ یا کوئی دلیل عقلی اس پر انہوں نے قائم کی ہے؟ جو کچھ ان کے رسالوں میں دیکھا گیا ہے۔ وہ تو مغالطہ اور سفسطہ کے علاوہ کچھ نہیں، بمطابق "الاناء یترشح بما فیہ"۔ جو کچھ ان سے ظاہر ہوا ہے۔

علاوہ تمام اغراض کو پیدا کرنے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور رزق کے حاصل ہونے کے تمام اسباب کو پیدا کرنے والا اور مہیا کرنے والا بھی وہی پاک پروردگار ہے ہر سبب اور موثر کی تاثیر کا ترتب اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا وہی منعم حقیقی اور حقیقۃً عطا کنندہ ہے۔ اس لئے اس معنی میں رازق ہونا اسی کی ذات بابرکات سے مختص ہے۔ ورنہ رزق بمعنی عطا کرنے کو اگر عام معنی میں لیا جائے تو پھر عطا کرنا خداوند عالم کی ذات سے مختص نہیں بلکہ عطا کنندگان اس معنی کے اعتبار سے صرف متعدد ہی نہیں بلکہ بکثرت متحقق ہیں۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "واللہ خیر الرازقین" پ۲۸ ع الجمعۃ ۱۱" کہ اللہ تعالیٰ تمام عطا کنندگان میں سے بہتر عطا کنندہ

اس کی حالت تو یہی ہے۔ جو بیان ہوئی اور ان کے اسرار پوشیدہ کا نمونہ یہی ہے۔ جو پیش کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم اور طریق قویم کی ہدایت کرے۔ ہم نے مقصد کو واضح کرنے کی خاطر اور مخلوقات خدا میں سے جو عقل و فہم رکھنے والے طالب حق ہیں ان کو تنبیہ کرنے کے لئے یہاں کلام کو طول دے دیا ہے۔

صفات سلبیہ میں سے دوسری صفت نفی صفات

صفات سلبیہ میں سے دوسری صفت نفی صفات ہے حضرت

ہے۔ غرض لفظ "رازق" کا جو معنی خداوند عالم کی ذات سے مختص ہے وہ یہی ہے کہ وہ تمام اشیاء خوردنی کو پیدا کرنے والا، نیز ان کے حصول کے مخفی اسباب کو مہیا کرنے والا ہے۔

اور تقسیم رزق کا جو معنی خدا کی ذات سے مختص ہے وہ بھی یہی ہے کہ علم الٰہی کے مطابق ہر شخص کے رزق کی تقسیم ہو چکی ہے۔ اور اس کا اندراج لوح محفوظ میں ہو چکا ہے۔ جس کا اجمالی اندراج لوح محو و اثبات میں بھی آ چکا ہے۔ لیکن اعمال خیر و افعال بد کے طفیل لوح محو و اثبات میں رزق کی وسعت یا تنگی کا تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے جس کی تفصیل لوح محفوظ کے مطابق وقوع پذیر ہوتی ہے بندہ اپنا رزق حلال طریقہ پر حاصل کرنے کیلئے مامور ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہر بندے کو اس کا رزق کوئی فرشتہ پہنچا جاتا ہے یا امام معصوم پہنچاتے ہوں۔ (مترجم)

جناب امیرالمومنین یعسوب الدین علیہ السلام نے فرمایا، اول الدین معرفتہ الخ[1] دین کی ابتدائی بنیاد معرفت خدا ہے۔ اور معرفت خدا کا کمال اس کی تصدیق ہے۔ اور تصدیق کا کمال اس کی توحید ہے۔ اور توحید کا کمال اس کی ذات پاک کی تنزیہہ اور اخلاص ہے اور اخلاص و تنزیہہ کا کمال یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے کیونکہ ہر صفت شہادت دیتی ہے۔ کہ وہ موصوف سے متغائر ہے اور ہر موصوف گواہی دیتا ہے کہ اسے صفت سے تغایر حاصل ہے۔ لہٰذا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو کسی صفت سے متصف قرار دیا اس نے ذات خدا کو اس کے متغایر امر سے مقارن بنا دیا اور جس شخص نے اس طرح اسے مقارن بنایا اس نے دو چیزوں کے مجموعہ کو خدا مان لیا اور جس نے ایسے مجموعہ کو خدا مانا وہ خدا کے متعلق اجزاء سے مرکب ہونے کا قائل ہو گیا۔

اور جو اجزاء سے مرکب ہونے کا قائل ہوا۔

وہ معرفت خدا سے بے بہرہ اور جاہل رہا۔

اس کے علاوہ دیگر بہت سے احادیث اس مطلب پر دلالت کرنے والے موجود ہیں۔ جن کا تذکرہ ابھی آجائے گا۔ جناب امیرالمومنین[2] کے اس کلام معجز نظام سے حضرت کا مقصود ذات خداوند عالم سے کلیتہً صفات کی نفی کرنا نہیں۔ ورنہ ذات خداوند عالم سے علم و قدرت اور بقیہ صفات الٰہیہ کی نفی کرنا جائز ہو جائے گا۔ اور یوں کہنا جائز ہو جائیگا۔

[1] نہج البلاغہ، ترجمہ حضرت علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ ج ۱ ص ۵۱ (مترجم)

کہ اللہ تعالیٰ عالم نہیں ہے۔ قادر نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز جائز نہیں کیونکہ یہ مذہب حق میں بداھتہ باطل ہے۔ اور تمام اسلامی فرقوں کے اتفاق اور اجماع کے ذریعہ فاسد ہے۔ سوائے باطنیہ اور اسماعیلیہ کے جیسا کہ ان کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ اور آیات و روایات متواترہ صفات باری تعالیٰ کے اثبات کے متعلق پر اور چھلک رہی ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ انہ علی کل شئی قدیر کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وانہ بکل شئی علیم۔ کہ وہ ہر شئی کو جاننے والا ہے۔ ولا یحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء۔ بندے اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اتنے علم کے جتنا کہ وہ خود چاہے۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ عزت قدرتہ ووسع سمعہ الاصوات۔ کہ اس کی قدرت کو ہر چیز پر غلبہ حاصل ہے۔ اور اس کا علم تمام آوازوں کو شامل اور حاوی ہے۔ لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نہ عالم ہے نہ جاہل نہ موجود ہے۔ نہ لاموجود۔ نہ قادر ہے۔ نہ عاجز، اگر ماول نہ ہو تو کفر محض ہے۔ اور خالص سفسطہ ہے۔

نیز امیرالمومنین علیہ السلام کے اس کلام حق کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ذات خداوند عالم اور اس کے صفات مفاہیم اور معانی میں اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے صفات کا حمل از قسم حمل اوّلی[1] ہو کہ جس میں موضوع اور محمول کے درمیان

[1] حمل اوّلی، موضوع اگر بعینہ محمول ہو تو اسے حمل اوّلی کہتے ہیں جیسے مثلاً

سوائے التفات کے تغایر کے کوئی تغایر نہیں ہوتا جیسا کہ اس نئے پیدا شدہ فرقے کے بعض بتکلف مہارت کا ادعاء رکھنے والے اشخاص کا خیال ہے کہ صفات پروردگار کا حمل از قبیل اوّلی ہوتا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ جب ہم کہیں کہ خدا عالم ہے۔ تو یہ ایسے ہی ہو۔ جیسے کہا جائے کہ خدا خدا ہے۔ دیگر صفات الہیہ میں بھی یہی صورت لازم آئے گی۔ کیونکہ اس تقدیر پر کلام مقصود کو ادا کرنے کے فائدے سے ساقط ہو جائے گی۔ اور ان متعدد جملوں میں سے ہر جملہ معنی جدید کا

کہا جائے "الانسان انسان" کہ انسان انسان ہے۔ اور اگر موضوع ذہن و خارج ہر دو کے اعتبار سے بعینہٖ محمول نہ ہو۔ بلکہ صرف وجود خارجی میں ہی یہ متحد ہوں تو اسے حمل شائع متعارف کہتے ہیں۔ جیسے مثلاً الانسان حیوان کہ ہر انسان حیوان ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ محکوم علیہ یعنی مسند الیہ کو موضوع کہا جاتا ہے۔ اور محکوم بہ یعنی مسند کو محکوم کہا جاتا ہے۔ اور حمل اوّلی میں ایک ہی چیز موضوع بھی ہوتی ہے۔ اور محمول بھی فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اسی ہی چیز کا تصور دو مرتبہ ہوتا ہے پہلی مرتبہ جب اس کا تصور کیا جاتا ہے۔ تو اسے موضوع بنایا جاتا ہے۔ اور دوسری مرتبہ اسی چیز کا تصور کیا جاتا ہے تو اسے محمول بنا دیا جاتا ہے چیز صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ اس کی طرف التفات اور اس کا تصور دو مرتبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حمل اوّلی میں موضوع اور محمول ذہن اور خارج دونوں میں متحد ہوتے ہیں۔ نہ ان میں ذاتی حیثیت سے تغایر ہوتا ہے۔ اور نہ ہی مفہوم کے لحاظ سے۔

(مترجم)

فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ حالانکہ اس کا بطلان واضح ہے۔

اعتراض اہل سنت کی تردید

اس مذکورہ بالا خیال فاسد کے باعث کہ اگر ذات پروردگار سے صفات کی نفی کی جائے تو پھر صفات کا حمل بر ذات باری حمل اوّلی ہو جائے گا۔ اور اس وجہ سے کلام فائدہ جدید نہیں پہنچا سکے گا اہل سنت نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے عالم حیّ اور قادر ہونے کا مفہوم خود عین ذات باری ہو تو پھر ان صفات کا حمل کرنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا اور لازم باطل ہے۔ کیونکہ ان صفات کا حمل صحیح فائدہ پہنچاتا ہے۔

نیز انہوں نے اعتراضاً کہا کہ اگر علم و قدرت سے مراد نفس ذات باری تعالیٰ ہو تو پھر علم اور قدرت دونوں کا مفہوم اور معنی ایک ہی ہو گا۔ حالانکہ یہ بدیہی طور پر باطل ہے لہٰذا ملزوم بھی مثل لازم باطل ہو گا۔

اہل سنت کے دو جلیل القدر علماء صاحب کتاب[1] مواقف و شارح

[1] :۔ المواقف صدا۴۸ تحریر ہے۔ الوجه الثانی لو کان مفهوم کونها عالماً حیاً قادراً نفس ذاته لم یفد حملها علی ذاته و کان قولنا علی طریقة الاخبار الله الواجب او العالم او القادر او

موافقؒ نے اہلسنت کے ان ہر دو اعتراضوں کے جواب میں بے شک انصاف سے کام لیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں علما نے ان ہر دو اعتراضات کا جواب یوں دیا ہے کہ ان دونوں اعتراضات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف اتنی بات ہے کہ صفات باری تعالیٰ کے مفاہیم ذات باری سے زائد اور جداگانہ ہیں ان اعتراضات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صفات باری تعالیٰ کے مصادیق ذات خداوند عالم سے

الحی الی۔ سائر الصفات بمثابة حمل الشیٔ علی نفسه واللازم باطل لان حمل هذه الصفات یفید فائدة صحیحة بخلاف قولنا ذاته ذاته واذا بطل کونها نفسا ولا مجال للجزئیة قطعا تعین الزیادة علی الذات وفیه نظر فانه لا یفید الا زیادة هذا المفهوم اعنی مفهوم العالم والقادر و نظائرهما علی مفهوم الذات ولا نزاع فی ذلك وامازیادة ماصدق علیه هذا المفهوم علی حقیقة الذات فلا یفیده هذا الدلیل نعم لو تصور ای مفهوما الوصف والذات معاً بحقیقتهما وامکن حمل احدهما ای الوصف علی الذات دون حمل الآخر ای الذات علیها حصل المطلوب وهو زیادة الوصف علی الذات لکن أنی ذلك التصور والواصل الی کنه حقیقتهما الوجه الثالث لو کان العلم نفس الذات والقدرة ایضا نفس الذات کما زعموه فکان العلم نفس

جداگانہ اور زائد ہیں۔ اور جس میں جھگڑا اور اختلاف ہے۔ وہ دوسری شق ہے پہلی شق میں جھگڑا نہیں۔ شارح مواقف کہتے ہیں اشاعرہ نے یہ دو اعتراض جو کئے ہیں ان کی وجہ کسی چیز کے مفہوم اور اس کی حقیقت میں جو فرق ہوتا ہے۔ اس کا نہ سمجھنا ہے۔

نفی صفات سے مراد تعدد مفاہیم کی ہی نفی کر دینا جیسے کہ اشاعرہ

القدرة فکان المفهوم من العلم والقدرة امرا واحدا انه ضروری البطلان وکذا الحال فی باقی الصفات التی ادعی انها عین الذات وهذا الوجه من النمط الاول ای الوجه السابق علیه والایراد یعنی انه یدل علی تغایر مفهومی العلم والقدرة ومغایرتهما للذات لا علی تغایر حقیقتهما ومغایرتهما لها والمتنازع فیه هو الثانی دون الاول فمنشأ هذین الوجهین عدم الفرق بین مفهوم الشیٔ وحقیقته فان قلت کیف یتصور کون صفة الشیٔ عین حقیقته مع ان کل واحد من الموصوف والصفة یشهد بمغایرته لصاحبه وهل هذا الا کلام مخبل لا یمکن ان یصدق به کما فی سائر القضایا المخبلة التی یمتنع التصدیق بها فلا حاجة بنا الی الاستدلال علی بطلانه قلت لیس معنی ماذکروه ان هناك ذاتا له صفة وهما متحدان حقیقة کما تخیلته بل معناه ان ذاته تعالی یترتب علیه ما یترتب علی ذات وصفة معا مثلاً ذاتك لیست کافیة فی انکشاف الاشیاء علیك بل

نے سمجھا ہے یہ درست نہیں کیونکہ اس سے تو خداوند عالم کے علم و
قدرت کی نفی لازم آتی ہے کیونکہ اس تقدیر پر تو اللّٰہ عالم واللّٰہ قادر
کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ اللہ عالم ہے۔ اور اللہ قادر ہے۔ بلکہ ان الفاظ
کا معنی یہ بنے گا کہ اللہ اللہ ہے۔ حالانکہ معتقدین مذہب وملت میں

تحتاج فی ذلک الی صفۃ العلم التی تقوم بک بخلاف ذاتہ تعالیٰ فانہ
لا یحتاج الی انکشاف الاشیاء وظہورھا علیہ الی صفۃ تقوم
بہ بل المفہومات باسرھا منکشفۃ علیہ لاجل ذاتہ فذاتہ
بھذا الاعتبار حقیقۃ العلم وکذا الحال فی القدرۃ فان ذاتہ تعالیٰ
موثرۃ بذاتہا لا بصفۃ زائدۃ علیہا کما فی ذواتنا فہی بھذا الاعتبار
حقیقۃ القدرۃ وعلی ھذا تکون۔ الذات والصفات متحدۃ
فی الحقیقۃ متغائرۃ بالاعتبار والمفہوم ومرجعہ اذا حقق
الی نفی الصفات مع حصول نتائجہا وثمراتہا من الذات
وحدھا۔

دلائل فرقہ اشاعرہ میں سے دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے عالم حی
اور قادر ہونے کا مطلب یہ ہو کہ یہ صفات اس کی بعینہ ذات ہیں، تو یہ اتحاد
لازم آئے گا کہ ان صفات کا اس کی ذات پر حمل کرنا فائدہ بخش نہ رہے گا اور
بطریقہ اخبار ہمارا یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے، یا عالم یا قادر یا حی
ہے۔ یا اور کسی اپنی صفت سے متصف ہے یہ ایسے ہی ہوگا۔ جیسے کسی شے کو
اس کے نفس پر محمول کر دیا جائے۔ اور لازم باطل ہے۔ کیونکہ ذات باری کیلئے

سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ان الفاظ کا معنی یہ نہ سمجھتا ہو کہ
اللہ تعالیٰ عالم ہے۔ اور قادر ہے۔ بلکہ ہر دین دار یہی معنی سمجھتا ہے۔
اور اسی کا یقین رکھتا ہے۔
مطلقاً نفی صفات والا اعتقاد تو باطنیہ فرقہ کے اعتقاد کی طرف
لوٹ جاتا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ نہ خدا عالم ہے نہ جاہل نہ قادر ہے نہ عاجز
کیونکہ نفی صفات والے اس اعتقاد کی بناء پر علم و قدرت وغیرہ صفات
کی کلیۃً نفی ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح کہ اہلسنت کے عقیدہ پر گرفت

ان صفات کا محمول بنانا صحیح فائدہ پہنچاتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر کہا جائے۔
"ذاتہ ذاتہ" کہ اس کی ذات اس کی ذات ہے۔ تو اس کا کوئی فائدہ حاصل
نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ صفات خداوند عالم کا عین ذات ہونا باطل ہے
اور جب ان کا نفس ذات ہونا باطل ہوا تو ان کا زائد بر ذات ہونا معین ہوا
کیونکہ اس احتمال کی تو بالکل گنجائش ہی نہیں کہ وہ صفات ذات باری کا جزء
ہوں۔"

"اشاعرہ کی یہ دلیل نقل کر کے صاحب کتاب کہتے ہیں "اس دلیل میں
نقص ہے۔ کیونکہ اس دلیل سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے۔ وہ صرف اتنا ہے کہ
صفات خداوند عالم کا مفہوم یعنی عالم قادر اور ان کی مثل دیگر صفات کا
مفہوم مفہوم ذات سے زائد اور اس سے جداگانہ ہے۔ اور اس میں کوئی جھگڑا
اور نزاع نہیں رہا۔ ان صفات کے مصداق کا مصداق ذات سے زائد اور
جداگانہ ہونا تو اس دلیل سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

کی جائے۔ تو تعدد قدما کے استحالہ سے بچنے کے لئے کہنے لگتے ہیں۔ کہ صفات خداوند عالم نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات، اسی طرح باطینہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نہ عالم ہے نہ جاہل حالانکہ ان دونوں فرقوں میں سے ہر ایک کا عقیدہ ارتفاع نقیضین کا حکم رکھتا ہے۔ اور ارتفاع النقیضین کا بطلان واضح ہے۔ نیز جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے

ان ذات اور صفت دونوں کے مفہوموں کی حقیقت کا اگر تصور کیا جائے اور ذات اور وصف میں سے ایک کا حمل یعنی وصف کا ذات پر حمل ممکن ہو اور دوسرے یعنی ذات کا حمل وصف پر ممکن نہ ہو تو پھر مقصود حاصل ہو جائے گا۔ اور وہ ہے صفت کا ذات پہ زائد ہونا، لیکن ایسا تصور ممکن نہیں کیونکہ اللہ جل شانہٗ کی حقیقت کی کنہہ کا تصور محال ہے۔

مذہب اشاعرہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر علم باری تعالیٰ عین ذاتِ باری ہو نیز قدرت خدا بھی عین ذات باری ہو جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ تو پھر لازم آئے گا کہ علم عین قدرت ہو تو پھر قدرت اور علم کا مفہوم امر واحد بن جائے گا۔ اور اس سے علم و قدرت کا اتحاد لازم آئے گا۔ حالانکہ اس کا باطل ہونا بدیہی ہے۔ اور یہی حال ہے تمام ان صفات کا جن کو ان لوگوں نے عین ذات باری قرار دیا ہے۔

الجواب، اشاعرہ کی یہ دلیل بھی دلیل سابق کی ہی مثل ہے اور اس پر بھی اعتراض اسی طرح وارد ہوتا ہے۔ جس طرح کہ سابق دلیل پہ وارد ہوتا ہے یعنی یہ دلیل بھی اسی امر پہ دلالت کرتی ہے کہ علم و قدرت کے مفاہیم میں تغائیر ہے۔ اور ان دونوں

ارشاد پاک کمال الاخلاص لہ نفی الصفات عنہ ہے مراد صفات نقل کی نفی بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مذہب حق کے ضروریات اور مسلمات بدیہیہ میں سے ہے یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کا خالق۔ ان کا رازق ان کو حیات عطا کرنے والا اور موت دینے والا محیی و ممیت ہے اور وہ ایسا حئی ہے کہ جس کے لیے موت ممکن نہیں۔

مفہوموں کو ذات باری تعالیٰ سے تغائیر حاصل ہے لیکن یہ دلیل اس امر پہ دلالت نہیں کرتی کہ علم و قدرت ہر دو کی باہم حقیقتوں میں بھی تغائیر ہے اور ان کی حقیقتیں حقیقت باری تعالیٰ کے بھی متغائیر ہیں۔ اور نزاع و جھگڑا دوسری شق میں ہے پہلی شق میں نزاع نہیں ہے لہٰذا اشاعرہ کے ان دونوں اعتراضات کی وجہ یہ ہے کہ ان کو کسی چیز کے مفہوم اور اس کی حقیقت میں جو فرق ہوتا ہے وہ سمجھ نہیں آسکا۔

"ایک اور اعتراض کا جواب" اگر آپ کہیں کہ کسی چیز کی صفت کا بعینہ وہ چیز ہونا کیسے متصور ہو سکتا ہے حالانکہ صفت اور موصوف میں سے ہر ایک دوسرے سے مغائرت رکھنے کی خود شہادت دیتا اور اس مغائیرت پہ دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا صفت کا عین موصوف ہونا ایک وہمی اور خیالی بات ہے جس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی جس طرح دیگر ان تمام باتوں کی تصدیق نہیں کی جا سکتی جو محض خیالی اور وہمی ہوتی ہیں لہٰذا اس وہمی بات کے بطلان پہ دلیل قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں"

ارشاد جنابِ امیرؑ کا صحیح معنی

جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کلام معجز نظام سے مراد اشاعرہ اور ان کی مثل دیگر فرقوں کے اوہام باطلہ کی نفی ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیات کے ذریعہ حیّ، زندگی کے ذریعہ زندہ علم کے ذریعہ عالم اور قدرت کے ذریعہ قادر ہے۔ وہ صفات خداوند عالم میں سے ہر ایک صفت کے مبدأ اور مشتق منہ کو ایک امر موجود اور ذات خداوند عالم سے زائد قرار دیتے ہیں اور ان کو وہ معانی ذات خداوند عالم میں حلول کرنے والے صفات اور

صفات حقیقیہ کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک صفت کو وہ قدیم جانتے ہیں۔

حضرت امیرؑ نے اشاعرہ کے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے چنانچہ ان کے قول کو باطل کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ عزاسمہ کی تصدیق اور توحید و اخلاص "کا کمال اس کی ذات سے صفات "زائدہ بر ذات" کی نفی کرنا ہے اور چونکہ ایسے صفات کو صفات حقیقیہ کہتے ہیں اور عرف عام اور استعمال شائع و مشہور کے لحاظ سے ان صفات کا اطلاق انہیں صفات زائدہ بر ذات باری پر کیا جاتا ہے۔ اس لیے جناب امیر علیہ السلام نے صفات کو زائدہ بر ذات باری کی قید لگانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لہٰذا وہ اسی مطلب کو سمجھانے کے لیے اس قید

"الجواب"، تو میں اس کا جواب دونگا کہ جو کچھ ان لوگوں نے کہا ہے۔ جو صفات کو عین ذات باری جانتے ہیں۔ اس کا وہ مطلب نہیں جو آپ نے سمجھا اور آپ کے خیال شریف میں آیا ہے۔ کیونکہ ان کا یہ مطلب نہیں کہ واقع میں ایک ذات اور دوسری اس کی صفت موجود ہیں اور وہ دونوں اپنی حقیقت کے لحاظ سے متحد ہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس شان کی مالک ہے کہ صرف اس ذات پر وہ اثرات مرتب ہوتے ہیں جو ممکنات میں ایک ذات اور اس کی صفت پر مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً تیری ذات تنہا انکشاف اشیاء کے لیے کافی نہیں بلکہ آپ اس میں صفت علم کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ جو صفت کہ آپ کی ذات کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ لیکن خداوند عالم کی ذات انکشاف اشیاء میں اس طرح نہیں کہ وہ ایسی صفت علم کی طرف

محتاج ہو۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو بلکہ تمام کے تمام مفہومات اس کی نفس ذات کے باعث اس پر واضح اور منکشف ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس کی ذات حقیقتہً علم ہے اور یہی حالت قدرت کی ہے۔ کیونکہ اس کی ذات گرامی بذات خود اشیاء میں موثر ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ ذات پاک کسی صفت زائدہ کے ذریعہ موثر ہو۔ جیسا کہ ہماری ذوات صفت زائدہ کے ذریعہ موثر ہو سکتی ہیں بذات خود موثر نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات اس اعتبار سے حقیقۃً القدرۃ اور عین قدرت کہلاتی ہے اور اس بنا پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے صفات حقیقت کے اعتبار سے متحد کہلاتے ہیں اور مفہوم کے لحاظ سے متغائر اور جب بنظر تحقیق دیکھا جائے تو اس بحث کی بازگشت اسی امر کی طرف ہے کہ صفات

کا اضافہ کرنے سے مستغنی اور بے نیاز تھے علمائے اعلام و فضلائے عالی مقام نے اپنی اپنی تحریروں میں اس مطلب کی تصریح فرمائی ہے اور یہ امر مذہب شیعہ میں ضرورۃً وبداہۃً ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ان صفات کی نفی ہے جو زائد بر ذات ہیں۔ ان صفات کی نفی نہیں کی جا سکتی جو عین ذات قرار دی جاتی ہے

بیان اختلاف علماء در تشخیص صفات ثبوتیہ

اگرچہ علماء کے درمیان صفات ثبوتیہ کی تشخیص میں اختلاف ہے کہ آیا صفات ثبوتیہ سے مراد اعدام ثابتہ ہیں جیسے کہ مثلاً علم سے مراد جہالت کی نفی ہے۔ اور قدرت سے مراد عجز کی نفی۔ اور اس کا سلب ہے۔ یا صفات ثبوتیہ سے مراد وہ مفاہیم وجودیہ انتزاعیہ[ع۱] ہیں جو ذاتِ خداوند عالم کی معرفت حاصل ہونے سے سمجھ میں آئے اور اس ذات گرامی سے عقلاً منتزع ہوتے ہیں۔ اور

کی تو ذاتِ خدا سے نفی ہے لیکن ان صفات کے ثمرات اور نتائج تنہا ذات خدا سے حاصل ہوتے ہیں۔

چونکہ شرح مواقف کی یہ عبارت بہت سے فوائد پر مشتمل تھی اور اس میں اس نے مسلک حق کی کافی حد تک تائید کی ہے اس لیے ہم نے باوجود عبارت کے طولانی ہونے کے اسے نقل کر کے اس کا ترجمہ سپرد قلم کر دیا ہے (مترجم)

خارج میں ان کا وجود بعینہٖ ذات باری کا وجود ہے جو کہ ان کے انتزاع کا منشاء ہے اور اکثر علمائے کرام کے کلام سے یہی احتمال ظاہر ہوتا ہے۔ یا ان سے مراد ایک مجہول الکنہ ذات کا اتصاف ہے جس کی کنہ ذات کو سمجھنے سے عقول بشریہ عاجز ہیں۔

ان مدارج کی تحقیق کتاب افاداتِ جلیلہ کے سپرد کر دی گئی ہے کیونکہ اس کتاب میں ان مباحث کا اس قدر بیان کر دیا ہے کہ جو ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی اور وافی ہے۔ لہٰذا جسے شوق ہو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے

ع ۱۔ صفات انتزاعیہ کی توضیح یہ ہے کہ صفت انتزاعیہ صفت انضمامیہ کے خلاف ہوتی ہے۔ صفت انضمامیہ وہ ہوتی ہے جو خارج میں موصوف کے ساتھ ایسے وجود سے موجود ہوتی ہے۔ جو وجود موصوف سے زائد ہوتا ہے جیسے مثلاً اسود کیونکہ سواد ایک ایسی صفت ہے جو موصوف کے ساتھ خارج میں ایسے وجود سے موجود ہوتا ہے جو اس کے موصوف یعنی جسم کے وجود پر زائد ہوتا ہے اور جسم کے ساتھ وصف سواد منضم ہوتا ہے۔ تو وہ اسود کہلاتا ہے۔ اتصاف انضمامی میں دو چیزوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ورنہ انضمام صادق ہی نہیں آ سکتا۔ اس لیے ظرف اتصاف میں صفت اور موصوف دونوں اپنے اپنے مصداق اور وجود کے ذریعہ موجود ہوتے ہیں لیکن صفت انتزاعیہ اس صفت کا نام ہے جو خارج میں وجود موصوف کے علاوہ کوئی اور وجود نہیں رکھتی۔

اور جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے یہی اور عقلیہ و نقلیہ ہر دو کا مقتضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات زائد بر ذات سے پاک و پاکیزہ اور منزہ و مبّرا ہے۔

صفات زائد بر ذات کی نفی پر دلائل عقلیہ

دلیلِ اول :- یہ ہے کہ صفات زائدہ ذات خداوند عالم کے ساتھ قائم ہوں تو لازم آتا ہے کہ ذات پاک پروردگار اپنے غیر کے ذریعہ کمال حاصل کرے حالانکہ ذات خداوند عالم کامل بالذات اور مستغنی عن الاحتیاج ہے وہ ہر قسم کے افتقار و احتیاج سے پاک اور منزہ ہے اور صفات کی زیادتی احتیاج و افتقار کو مستلزم اور موجب نقصانِ ذات ہے بخلاف اس کے کہ اس کی ذات پاک صفات حقیقیہ کے قائم مقام اور ان آثار کا مبدأ ہو کر جو اس ذات پر

ظرف اتصاف یعنی خارج میں موصوف اس شان سے موجود ہوتا ہے کہ اس کے ادراک سے ذہن انسان ایک صفت کا معنیٰ سمجھتا ہے اور موصوف اس صفت کے انتزاع اور سمجھ میں آنے کا منشا ہوتا ہے جیسے مثلاً کہا جائے السقف فوقنا چھت ہم سے فائق اور اونچا ہے۔ اس مثال میں فوقیت کا چھت کے وجود کے علاوہ کوئی وجود نہیں چھت اس کا منشائے انتزاع ہے۔ چھت کو دیکھ کر اس کے اونچا ہونے والا وصف سمجھ میں آتا ہے۔ ایسی صفت کو صفت انتزاعیہ کہا جاتا ہے۔ جو خارج میں خود موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کا منشائے انتزاع موجود

مترتب ہوتے ہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا کمال ذاتی ہوگا اور احتیاج و افتقار لازم نہیں آئے گا۔

مثلاً ممکنات اپنے علم میں صورت حاصلہ کے محتاج ہوتے ہیں کہ صورت معلومات غائبہ کا مبدأ انکشاف ہے۔ لہٰذا بندوں میں علم حقیقی صورت حاصلہ کا نام ہے اور انکشاف اس کے آثار میں سے ہے اور آدمی انکشاف کو حاصل کرنے میں اس صورت حاصلہ کا محتاج ہے اگر وہ صورت حاصل نہ ہو تو معلوم، انسان پر منکشف نہیں ہوگا۔ اور ذات خداوند عالم بذات خود انکشاف اشیاء کا مبدأ ہے لہٰذا ہر شے ازل سے اس کے لیے واضح اور ظاہر ہے۔ اور کوئی چیز اس پر مخفی اور پوشیدہ نہیں اور علم یعنی انکشاف و انجلاء میں وہ صورت کو واسطہ بنانے کی احتیاج نہیں رکھتا۔

ہوتا ہے۔ اسی منشأ انتزاع کا وجود ہی اس صفت کا وجود ہوتا ہے۔ اور وہی اس کا مصداق ہوتا ہے۔

صفات خداوند عالم صفات انتزاعیہ ہیں کیونکہ خارج میں صرف ذات خداوند عالم موجود ہے جو کہ اپنے صفات کا منشأ انتزاع ہے۔ ان صفات کا وجود ذاتِ خداوند عالم کا ہی وجود ہے۔ اور وہی ان کا مصداق ہے۔ ذات خداوند عالم کے وجود سے زائد ان کا کوئی وجود نہیں۔ ذات پاک پروردگار سے ان صفات یعنی عالم قادر وغیرہ کا انتزاع ہوتا ہے۔ اور یہی معنی ہے۔ صفات خداوند عالم کے عین ذات ہونے کا خلاصہ اینکہ صفات انضمامیہ کی ذات خداوند عالم سے نفی

اور وہ اپنے غیر کے ذریعہ کمال حاصل کرنے کی احتیاج بھی نہیں رکھتا۔ اور دیگر صفات میں بھی اللہ تعالیٰ کی یہی شان ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر صفات خداوند عالم زائد بر ذات ہوں تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یا وہ غیر اللہ کی طرف محتاج ہوں گے یا نہ، شق اول کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا اپنے غیر کی طرف محتاج ہونا لازم آتا ہے اور شق ثانی کی تقدیر پر جب کہ اپنے وجود میں اللہ جل شانہ کی طرف وہ محتاج ہوں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے لیے یا فاعل بالایجاب ہوگا، یا فاعل بالاختیار، شق اول کی صورت میں ذات پاک پروردگار کا نقص اور عیب لازم آتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک و پاکیزہ ہے۔ اور بعض اہل سنت کا یہ توہم فاسد اور باطل ہے کہ صفت کمال کا ایجاب نقص نہیں کمال ہوتا ہے۔ صفت نقص کا ایجاب نقص ہوتا ہے اس توہم کے بطلان و فساد کو شارح مواقف نے خود تسلیم کیا ہے۔

اور شق ثانی کی تقدیر پر صفات خداوند عالم کا حادث ہونا لازم آتا ہے

ہے اور صفات انتزاعیہ کا اثبات ہے لہٰذا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جن صفات کی نفی کی ہے ان سے مراد صفات انضمامیہ ہیں جو ذات موصوف پر زائد ہوتی ہیں۔ صفات انتزاعیہ مراد نہیں۔ کیونکہ صفات انتزاعیہ کے اثبات پر نہ صرف عقل دال ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث بھی ان صفات کے اثبات سے پُر اور لبریز ہیں۔ (مترجم)

(۱) ملاحظہ ہو شرح مواقف ص۵۸۲ ص۵۸۳ طبع نولکشور تحریر ہے:

اگر یہ صفات کسی چیز کی طرف محتاج نہ ہوں یعنی نہ واجب الوجود کی انہیں احتیاج ہو نہ غیر واجب کی، تو پھر واجب الوجود کا تعدد لازم آتا ہے اور یہ واضح طور پر شرک ہے۔

لکن یتجه ان یقال تاثیره تعالیٰ فی صفة القدرة مثلاً ان کان بالقدرة والاختیار لزم محذوران التسلسل فی صفاته وحدوثها وان کان بالایجاب لزم کونه موجبا بالذات فلا یکون الایجاب نقصانا فجاز ان یتصف به بالقیاس الی بعض مصنوعاته ودعویٰ ان ایجاب الصفات کمال وایجاب غیرها نقصان مشکلة

لیکن جب خداوند عالم اپنی صفات کا فاعل اور موجد ہو۔ تو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صفت قدرت میں مثلاً اس کی تاثیر اگر قدرت اور اختیار کے ساتھ ہو تو دو محال لازم آتے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی صفات میں تسلسل اور دوسرے ان صفات کا حادث ہونا "حالانکہ یہ دونوں باطل ہیں" اور اگر اس کی تاثیر بطریق ایجاب ہو تو خداوند عالم کا موجب بالذات ہونا لازم آتا ہے اور اس سے لازم آئے گا کہ ایجاب کو نقص وعیب قرار نہ دیا جائے "حالانکہ ایجاب کا نقص ہونا مسلم ہے۔" تو پھر یہ جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض مصنوعات کے اعتبار سے ایجاب کے ساتھ متصف ہو اور یہ دعویٰ مشکل ہے کہ صفات

تیسری دلیل، اگر صفات خداوند عالم کو زائد بر ذات قرار دیا جائے تو تعدادِ قدما لازم آتا ہے۔ حالانکہ قدیم ہونے کی صفت اس ذات سے مختص ہے جس کے لیے عدم محال ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ازل میں صرف اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہیں تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ نصاریٰ کو کافر قرار دیا گیا۔ کیونکہ وہ تین خداؤں کے قائل ہیں۔ اور جب تین قدما کو ماننے والے کافر قرار پائے۔ تو افسوس صد افسوس۔ ان کے لیے ہے کہ جو آٹھ ایسی صفات کے قدیم ہونے کے قائل ہیں جن کو وہ ذات خداوند عالم پر زائد مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نفی صفات کے تمام دلائل صفات انضمامیہ کے ساتھ مختص ہیں۔ کہ جو ذات باری تعالیٰ کے وجود پر زائد ہوں۔ صفات انتزاعیہ اور ان کی مانند صفات کی نفی پر یہ دلائل قائم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا صفات خداوند عالم انضمامیہ نہیں انتزاعیہ ہیں جن کو عین ذات کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نفی صفات زائدہ بر ذات کے دلائل نقلیہ

دلائل نقلیہ میں سے پہلی دلیل حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطبہ ہے جس کی ایک روایت گزر چکی ہے۔ اور دوسری

کا ایجاب کمال ہوتا ہے غیر صفات کا ایجاب نقص و عیب ہوتا ہے۔ صفت علم کے لحاظ سے بھی اسی طرح استحالات لازم آتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے لہٰذا حدوث علم باری اور جہل خداوند عالم لازم آتا ہے۔ (مترجم)

روایت یہ ہے۔ اول عبادة اللہ معرفته و توحیده و نظام توحیده نفی الصفات عنه جل عن ان تحله الصفات بشهادة العقول ان کل ما احله الصفات فهو مصنوع و شهادة العقول انه جل جلاله صانع لیس بمصنوع۔

یعنی اول عبادات خدا اس کی معرفت ہے اور اس کو یکتا و یگانہ سمجھنا ہے اور اس کی توحید و یگانگت کا دار و مدار اور کمال اس سے صفات زائدہ بر ذات کی نفی کرنا ہے۔ وہ اس سے بلند و بالا ہے کہ صفات اس کی ذات میں حلول کریں اور وہ ان صفات کا محل ہو کیونکہ تمام عقلاء کی عقلیں یہ شہادت دیتی ہیں کہ جس چیز میں صفات حلول کریں وہ مصنوع اور مخلوق ہوتی ہے حالانکہ تمام عقلیں یہ بھی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ صانع اور خالق ہے مصنوع اور مخلوق نہیں۔

یہ عبارت شریفہ جس طرح کہ صفات کی نفی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان صفات سے مراد وہ صفات ہیں جن کی شان ہے حلول کرنا ہے اور حلول ایسے اعراض کا حصہ ہے۔ جو کہ فی الواقع موجود ہوتے ہیں۔ اور ان کا وجود معروض کے وجود پر زائد ہوتا ہے۔ حلول ان صفات کی شان سے نہیں ہے۔ جو کہ انضمامیہ نہیں انتزاعیہ ہوں۔ کہ جن کا وجود بعینہ ان کے منشأ انتزاع کا وجود ہوتا ہے اور نہ ہی حلول ان صفات کی شان ہے۔ جو کہ صفات انتزاعیہ کی مانند ہوں۔

کتاب توحید میں حسین۔ بن خالد سے مروی ہے کہا کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے عالم ہے

قادر، حیّ۔ قدیم۔ سمیع اور بصیر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسول! ایک قوم ایسی موجود ہے جو کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے علم کے ذریعہ عالم اور قدرت کے ذریعہ قادر۔ حیات کے ذریعہ حیّ۔ قدم کے ذریعہ قدیم۔ سمع کے ذریعہ سمیع اور بصر کے ذریعہ بصیر ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ جو شخص اس قول کا قائل ہو اور اس عقیدہ کا معتقد ہو وہ خداوند عالم کے ساتھ دیگر خدا قرار دینے والا ہے اسے ہماری ولایت سے کوئی حصہ حاصل نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے بذات خود عالم قادر، سمیع اور بصیر ہے۔ یہ مشرک لوگ جو کچھ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا اور برتر ہے۔

کتاب الاحتجاج طبرسیؒ میں محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے صفت قدیم کے متعلق فرمایا کہ وہ واحد و یکتا ہے وہ ہر ایک سے بے نیاز اور ہر شخص اس کا نیاز مند ہے وہ ذات بسیط رکھنے والا ہے۔ وہ چند مختلف معانی کا مجموعہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میری جان حضور پر قربان "اہل عراق کی ایک قوم کہتی ہے کہ وہ جس چیز کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ دوسری چیز کے ذریعہ سنتا ہے اور جس چیز کے ذریعہ

۱: حسین بن خالد کی یہ روایت الاحتجاج طبرسی صـ۲۲۵ پر ملاحظہ ہو۔ نیز اصول الکافی ج ۱ صـ۱۱۹ کتاب التوحید باب آخر من باب صفات الذات حدیث ۱

۲: روایت محمد مسلم کے لیے ملاحظہ ہو الاحتجاج صـ۱۷۶

سنتا ہے اس کے غیر کے ذریعہ دیکھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا یہ لوگ جھوٹے اور ملحد ہیں۔ انھوں نے اللہ جل شانہ کو مخلوق سے مشابہت دے رکھی ہے۔ اللہ جل شانہ پاک ہے یعنی سمیع اور بصیر ہے کہ وہ جس چیز کے ذریعہ سنتا ہے اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے۔ اور جس چیز کے ذریعہ دیکھتا ہے اسی کے ذریعہ سنتا بھی ہے راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ وہ تو کہتے ہیں کہ وہ اسی صورت پر بصیر ہے جس کو کہ ہم اپنی عقل کے مطابق سمجھتے اور دیکھتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے ہماری سمجھ میں تو وہی آسکتا ہے۔ جو صفت مخلوق سے متصف ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔

یہ امر از خود ظاہر ہے کہ جب صفات حقیقیہ عین ذات ہوں کہ جو صفات اعتباریہ ہوں جن کا منشأ انتزاع نفس ذات ہو تو صادق آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اسی چیز کے ذریعہ سنتا ہے جس کے ذریعہ وہ دیکھتا بھی ہے یعنی وہ اپنی ذات ہی کے ذریعہ سنتا بھی ہے اور بذات خود ہی دیکھتا بھی ہے کیونکہ اس کی ذات ہی تمام صفات کا مبدأ ہے۔ اور تعدد مفاہیم کی نفی ایسی ذات سے ہرگز متصور نہیں ہو سکتی۔ اور آنحضرت کے الفاظ احدی المعنی "لیس بمعان کثیرہ" سے مراد تعدد مفاہیم کی نفی نہیں ہے بلکہ صفات زائدہ انضمامیہ کی نفی مراد ہے۔ اور ان صفات پر "معانی" کا اطلاق عام اور شائع ہے نیز حضرت صادق آل محمد علیہم السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ الغیر

۱: اصول الکافی ج ۱ صـ۵۰ اکتاب التوحید باب حدوث العالم المحدث حدیث ۶

کسی عضو یا کسی آلہ کے سمیع اور بصیر ہے۔ وہ بذات خود سنتا بھی ہے اور بذات خود
دیکھتا بھی ہے۔

ان تینوں روایات میں سے ہر ایک کے ذریعہ یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ حضرت
جناب امیرؑ کے کلام میں جن صفات کی نفی مقصود ہے۔ وہ صفات حقیقیہ انضمامیہ
ہیں۔ "ہر قسم کے صفات کی نفی مقصود نہیں ہے کیونکہ جناب امیر سمیع بصیر، قدرت اور
علم کو ہمیشہ ذات خدا کے لیے ثابت فرماتے تھے۔ اور آلات اعضاً و جوارح اور
ایسے امور" یعنی ایسے صفات" کی حضرت ہمیشہ نفی کرتے تھے۔ جو وجود ذات پر
زائد وجود کے ذریعہ موجود ہوں اور اس میں شک نہیں کہ صفات زائدہ موجودہ
کا خدا کی ذات کے لیے قائل ہونا تعدد قدما کو مستلزم ہے۔ حالانکہ یہ شرک ہے
اور اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف محتاج ہونے کو مستلزم ہے لہٰذا ان صفات کی نفی
لازم ہے۔ لیکن علم اور قدرت اور ان صفات کا استحقاق اور ان کی صلاحیت
کہ جو صفات انضمامیہ نہیں بلکہ انتزاعیہ اور اضافیہ ہیں۔ اور نفس ذاتِ خدا
ان کے انتزاع کا منشأ اور ان کا مبدا ہے۔ ان صفات اور ان کے استحقاق کی
نفی کسی بھی طرح نہیں کی جا سکتی۔ ان کی نفی ضروریات دین حق کے منافی اور
خلاف ہے اور اسی وجہ سے اللہ جل شانہٗ کے صفات ذات کو عین ذات
کہتے ہیں کہ خود وہ ذات پاک بغیر کسی امر زائد کے دخیل ہونے کے اپنے ان صفات
کا منشا ہے۔ اور خود ذات پاک ہی صفات حقیقیہ کے قائم مقام ہے اس وجہ
سے اس کے صفات کو عین ذات نہیں کہتے کہ اس کے صفات کے مفاہیم میں
اختلاف نہیں۔ کیونکہ مفاہیم کا اختلاف تو ایسا یقینی ہے کہ وہ بدیہیات اولیہ

میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ
بے شک اللہ جل شانہٗ ایسا علم ہے کہ جس میں جہالت کو کوئی راہ نہیں مل سکتی۔
اور وہ ایسی زندگی ہے کہ جس میں موت کا امکان نہیں۔ اور ایسا نور ہے جس میں تاریکی
کا کوئی نام و نشان نہیں یعنی اس کا وجود پاک بذات خود ظاہر ہے اور دیگر تمام
اشیاء کے وجود کا باعث ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس مسئلہ کی توضیح کے لیے تمثیل کے طور پر کہا
ہے کہ دیگر ہر شئے اپنے روشن ہونے میں روشنی کی محتاج ہے۔ لیکن خود روشنی
اپنے روشن ہونے میں کسی دوسری روشنی کی محتاج نہیں بلکہ وہ بذات خود روشن
ہے مثلاً انسان اس وقت تک روشن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ روشنی اس
کے ساتھ اتصال پذیر نہ ہو نیز انسان جب تک قوت نہ رکھتا ہو۔ پتھر وغیرہ کسی
چیز کو اٹھا نہیں سکتا۔ کیونکہ روشنی اور قوت انسان کے جسم کے علاوہ ایک چیز ہے
اگر انسان بیمار ہو جائے۔ اور طاقت اس کی زائل ہو جائے۔ تو پتھر وغیرہ کو اگر اٹھانا
چاہے اٹھا نہیں سکتا۔ علیٰ ھذا القیاس روشنی کو اگر اپنے ساتھ نہ رکھے کسی
چیز کو روشن نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس طرح نہیں کہ وہ روشنی اور
قوت کی محتاج ہو۔ بلکہ قوت و قدرت اور نورانیت اس کی عین ذات ہے کبھی
اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ اسی باب سے ہے وہ ارشاد پاک جو حضرت امام محمد باقر
علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ ازل سے ہمارے رب کی یہ شان ہے کہ علم اس
وقت بھی اس کی عین ذات تھی۔ جب کہ اس کی ذات کے علاوہ کوئی معلوم موجود
نہ تھا۔ اور سمع اس وقت بھی اس کے لیے عین ذات تھی۔ جب کہ کوئی مسموع موجود

متحقق نہ تھا۔ اور بصر اس وقت بھی اس کی عین ذات تھی۔ جب کہ کوئی مبصور نہ تھا اور قدرت اس وقت بھی اس کی عین ذات تھی جب کہ کوئی مقدور نہ تھا۔

اس قسم کی عبارتیں کلام حکماً اور محاورات عقلاً میں بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ صورت جسمیہ بذاتِ خود اتصال پذیر ہے بلکہ عین اتصال ہے اور ہیولیٰ عین قوت اور نفس استعداد ہے لہٰذا جن لوگوں نے امیر مو کے ارشاد پاک "کمال الاخلاص نفی الصفات عنہ" سے اختلاف معانی و مفاہیم کی نفی سمجھی ہے یہ ان کی جہالت کے باعث ہے۔ اور آئمہ انام اور علماً اعلام کے کلام عالی مقام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا کس قدر تعجب ہے اس قوم سے کہ بات تک سمجھنے کی ان میں صلاحیت نہیں ہے۔

ابتداء کلام برائے ازالہ اوہام

اور ان لوگوں کا توہم فاسد اور باطل ہے جنہوں نے یہ وہم کیا ہے کہ اگر مفاہیم مختلفہ کو ذات باری عزاسمہ سے منتزع قرار دیا جائے تو ذاتِ باری کا مرکب ہونا لازم آتا ہے۔ اور ان کے وہم کے بطلان و فساد کی وجہ یہ ہے کہ اضافات اور انتزاعیات ذاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت سے خارج ہیں۔ لہٰذا مفہوم کے لحاظ سے ان کا متعدد ہونا یہ حقیقت خداوند عالم میں داخل نہیں۔ اس لیے یہ تعدد ترکیب کو ہرگز مستلزم نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت جناب امیر کا یہ جملہ من وصفہ فقد قرنہ الخ "کہ جس نے خداوند عالم کو صفات انضمامیہ سے متصف کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر خدا کو ملایا اور جس نے دو کے مجموعہ کو خدا مانا۔ اس نے خدا

کو اجزاً والا اور مرکب تسلیم کر لیا۔ اور جس نے اجزاً والا مانا وہ جہالت کا شکار ہو گیا اور معرفت سے خالی رہا۔

اور ساتھ اس جملے کے حضرت کا یہ فقرہ "لشہادۃ کل صفۃ الخ" کہ ہر صفت انضمامیہ گواہی دیتی ہے کہ وہ موصوف کا غیر ہے اور ہر موصوف گواہی دیتا ہے کہ وہ صفت انضمامیہ کا غیر ہے۔ یہ دونوں جملے صراحتہً اس مطلب کو واضح کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں ترکیب ممکن نہیں بلکہ ترکیب اس اعتبار سے لازم آتی ہے کہ ذات خداوند عالم کو وصف انضمامی سے متصف قرار دیا جائے حالانکہ وہ اس ترکیب سے پاک و پاکیزہ اور منزہ و مبرّا ہے ورنہ تو صرف صفت قدیم کے باعث کہ جو خداوند عالم کی صفت مختصہ ہے۔ خداوند عالم کی ترکیب اور اشتراک و قابل تجزیہ ہونا لازم آجائے گا۔

دوسری وجہ کی توضیح

اللہ کہ جو معبود حقیقی ہے وہ ایسی ذات پاک ہے جو کہ جامع جمیع کمالات و منجمع جمیع صفات ہے اور اس کے یہ صفات و کمالات صفات حقیقیہ انضمامیہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صفات انتزاعیہ ہیں۔ کیونکہ اگر صفات حقیقیہ ہوں تو ان کا ذات پاک پروردگار سے منضم اور مقترن ہونا یعنی اس کا ان سے متصف ہونا ہی معبود حقیقی کے مرکب ہونے کو مستلزم ہوگا۔ حالانکہ اس کی ذات پاک ترکیب کے نقص سے پاک ہے۔ رہا اعتبارات اور اضافات کا تعدد تو وہ ایسا واضح امر ہے کہ اس کا انکار بدیہیات اولیہ کا انکار ہے اور فلاسفہ نے اپنے اس موجود

مخصوص[1] "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" کے تحت جو زعم باطل قائم کیا ہے۔ کہ تعدد اعتبارات ذات باری کے لیے درست نہیں ہو سکتا۔ محقق طوسی علیہ الرحمۃ نے اس کے متعلق فصول میں تصریح فرمائی ہے کہ فلاسفہ کی تقریر بالخصوص اس مزعومہ میں ظاہری طور پر ناقص اور کمزور ہے اور ایسا کیونکر نہ ہو جب کہ مسبوق بالعدم نہ ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو قدیم کہتے ہیں اور تمام اشیاء کے اس کے ہاں منکشف ہونے اور کسی چیز کے مخفی نہ ہونے کے اعتبار سے اسے عالم اور قدرت و توانائی رکھنے کے اعتبار سے اسے قادر کہتے ہیں۔

اور یہ سب کچھ اس سے واضح اور روشن ہے کہ وہ خود اثبات علم میں کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ عالم نہ ہو تو العیاذ باللہ جاہل ہوگا۔ اور اثبات قدرت کے سلسلہ میں کہتے ہیں اگر قادر نہ ہو تو عاجز ہوگا۔ اور اثبات قدم کے لیے کہتے ہیں کہ اگر قدیم نہ ہو تو حادث ہوگا۔ اور ان صفات میں سے ہر ایک کا مفہوم دوسرے سے جداگانہ ہے۔ تو پھر ان کے یہ سب اقوال کس طرح صحیح قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس قاعدے کے مطابق کہ ہر شے اپنی ضد کے ذریعے پہچانی جاتی ہے ان مفہومات کا متعدد ہونا واضح ہے اور ان سب کی نفی ذات پاک پروردگار کے محض معطل ہو جانے اور تمام صفات کے ابطال کا باعث ہے حالانکہ یہ محال ہے لہٰذا جس شخص نے حمل اولی اور اتحاد مفہوم کا دعویٰ کیا ہے۔ اس

---

[1] ایک چیز سے ایک ہی شے صادر ہو سکتی ہے اور فلاسفہ کا یہ ایک بنیادی غلط نظریہ ہے جو دیگر ان کے بہت نظریات کے غلط ہو جانے کا باعث ہے۔ (مترجم)

کا دعویٰ ظاہری طور پر باطل ہے۔

صفات سلبیہ میں سے تیسری صفت، نفی ترکیب

تیسری صفت سلبیہ نفی ترکیب ہے اور جسمیت اور صورت اس کے افراد میں سے فرد اظہر ہے لہٰذا نفی ترکیب نفی جسمیت و صورت کو مستلزم ہے واضح باد کہ ترکیب چند قسموں پر متصور ہو سکتی ہے۔ قسم اول ان اجزاء سے مرکب ہونا جو کہ خارج میں موجود ہوں جیسے کہ مثلاً تخت یا پلنگ اجزاء چوبی اور ہیئات خاصہ سے مرکب ہوتا ہے اور جسم انسان اور حیوان اجزاء ظاہرہ اعضاء و جوارح یعنی سر۔ گردن۔ ہاتھ پاؤں۔ گوشت پوست اور ہڈی سے اور اجزاء غیر ظاہرہ جیسے اربعہ عناصر مٹی۔ ہوا۔ پانی اور آگ سے اور بنا بر فلاسفہ کے قول مشہور کے ہیولیٰ، صورت جسمیہ اور صورت نوعیہ سے مرکب ہے۔

ترکیب کی دوسری قسم:۔ اجزاء وہمیہ تخیلیہ سے مرکب ہوتا ہے کہ جو ایک ایسی شے کو فرض کرنے پر مبنی ہے جو اس قسم کے توہم کی صلاحیت رکھتی ہو یعنی وہ انتزاع صحیح کا متقاضی ہو سکتی ہو جیسے مثلاً جسم سطح اور خط ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک متصل واحد ہے لیکن قوت واہمہ ان کے اجزاء میں سے بعض خاص کو دوسرے اجزاء سے تمیز دے سکتی ہے۔ اور یہ اجزاء اگرچہ بالفعل نہیں بالقوہ موجود ہیں لیکن قوت سے فعلیت کی طرف ان کا منتقل ہونا ان کی ذات کے پیش نظر ممکن ہے۔

ترکیب کی تیسری قسم:۔ اجزاء عقلیہ سے مرکب ہونا ہے اور اس کی

دو قسمیں ہیں۔ نوع اول یہ ہے کہ حکم عقل کے ذریعہ اجزاء قرار دیئے جائیں اور تقسیم وہمیہ اور اس معنی میں تقسیم عقلیہ کے درمیان خارج میں فرق یہی ہے کہ پہلی تقسیم یعنی وہمیہ جزئیہ ہوتی ہے کیونکہ قوت وہم کا کام ہی معانی جزئیہ کا تصور کرنا ہے۔ اور دوسری تقسیم کلیہ ہوتی ہے کیونکہ عقل کلیات کا ادراک کرتی ہے لہٰذا اگر یہ حکم لگایا جائے کہ فلاں جسم معین اس نصف معین اور اس نصف سے مرکب ہے تو یہ تقسیم وہمیہ ہوگی اور اگر یہ حکم لگایا جائے کہ ہر جسم دو نصفوں سے مرکب ہوتا ہے تو یہ تقسیم فرضیہ عقلیہ ہوگی۔

اجزاء عقلیہ سے جو مرکب ہوتا ہے اس کی دوسری قسم اجزاء ذہنیہ سے مرکب ہوتا ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ نفس ذات سے عقل کی مدد سے چند مفاہیم انتزاع کریں۔ اور ان کے منشاء انتزاع کو ان مفاہیم سے مرکب قرار دیں۔ جیسے مثلاً جنس اور فصل کے مفاہیم ہیں کہ نوع کو ان سے مرکب کہتے ہیں۔

ترکیب پہلی تینوں قسموں کے لحاظ سے تمام اہل مذاہب کے ہاں متفقہ طور پر ذات باری تعالیٰ کے لیے ممکن نہیں ہو سکتی۔ سوائے ان لوگوں کے جو ذات پاک پروردگار کی جسمیت کے قائل ہیں یا دوسرے بعض لوگ جو ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں عنقریب نفی جسمیت کے بیان میں ان لوگوں کے عقیدہ کی تفصیل آجائے گی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسا مرکب نہیں ہے کہ جو اجزاء خارجیہ یا وہمیہ یا عقلیہ رکھتا ہو کیونکہ یہ نقل و عقل کے ذریعہ ثابت ہے۔

نفی ترکیب پر دلائل عقلیہ

دلیل اول اینکہ اگر معاذ اللہ تو تعالیٰ مرکب ہو تو اجزاء کی طرف محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ کل وجزء باہم متغائر ہوتے ہیں اور کل کا متحقق ہونا تمام اجزاء کے تحقق کی فرع ہے اور جو چیز اپنے موجود ہونے میں غیر کی محتاج ہو وہ یقیناً ممکن ہوتی ہے لہٰذا اگر ممکن ہو تو اجزاء کی طرف محتاج ہوگا۔ لہٰذا واجب الوجود نہیں ممکن الوجود ہوگا۔ اور ہر ممکن علت کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ اور یہ امر مرتبہ وجوب وجود کے منافی ہے۔

دلیل دوم اگر اجزاء رکھتا ہو تو ان اجزاء میں سے ہر ایک یا ممکن ہوگا یا واجب اگر سارے کے سارے اجزاء واجب ہوں تو تعدد وجبا لازم آئے گا۔ جو کہ حتماً باطل ہے اور اگر سب کے سب ممکن ہوں تو ان اجزاء کے مجموعہ کا امکان لازم آئے گا اور یہ بھی باطل ہے۔

نفی ترکیب کے دلائل نقلیہ

دلائل نقلیہ بکثرت نصوص ہیں جن کے منجملہ ایک حضرت جناب امیر علیہ السلام کا گزشتہ ارشاد ہے۔ من جزأہ فقد جہلہ ..جس نے اللہ تعالیٰ کو اجزاء سے مرکب قرار دیا وہ اس کی ذات والاصفات کی معرفت سے بے بہرہ اور جاہل رہا۔

۲۔ انہیں نصوص میں سے حضرت ہی کا فرمان ہے کہ وہ احدی المعنی ہے

ہے اس کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات منقسم نہیں ہو سکتی۔ نہ وجود میں نہ عقل میں اور نہ ہی وہم میں بے شک ہمارے پروردگار کی یہی شان ہے۔

۳۔ نیز حضرت صادق[۱] آل محمد علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کل ذات کے ذریعہ سمیع ہے لیکن نہ بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کی کل ذات اجزا رکھنے والی ہے جس طرح کہ بعض اوقات اکبر کو اصغر کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور بعض اوقات اکبر اسے کہا جاتا ہے جس سے کوئی بڑا نہ ہو۔ اس طرح کل بعض اوقات جز کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور بعض اوقات کل کا اطلاق ایسی ذات پر ہوتا ہے جو کہ بایں ہمہ معنی مجرد ہو کر کوئی امر خارج اس کے ساتھ منضم نہ ہوا۔

۴۔ انہیں نصوص میں سے حضرت جواد علیہ السلام کا ارشاد پاک ہے اور وہ ذات پاک ہے کہ اختلاف اور ترکیب ائتلاف اس کی شان کے لائق نہیں سوائے اس کے نہیں کہ مختلف اور متفق وہ چیز ہو سکتی ہے جو اجزا رکھنے والی ہو۔ اور اس ذات پاک کے حق میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ قلیل ہے یا کثیر وہ ذات پاک قدیم بالذات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے اجزا رکھنے والی ہے اور تقسیم قبول کرنے والی ہے۔ اور ذات خداوند عالم بسیط اور یکتا ہے۔ وہ متجزی نہیں ہو سکتا۔ اس کی ذات کے متعلق قلت و کثرت کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہر وہ شے جو اس طرح قلیل و کثیر ہو سکتی ہے وہ مخلوق ہے۔

---

[۱]۔ اصول الکافی ج ۱ ص ۱۸۰ کتاب التوحید باب اطلاق القول حدیث ۲

خالق نہیں۔ وہ خالق کی طرف احتیاج رکھنے والی ہے۔

الی غیر ذلک من الادلۃ

اللہ تعالیٰ کے متعلق اجزا عقلیہ اصطلاحیہ کی بحث

اللہ تعالیٰ کے متعلق ان اجزا عقلیہ ثانویہ کی نفی اور اثبات میں متکلمین کے مابین اختلاف ہے جن کو ذاتیات اور اجزا ذہنیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اکثر متکلمین اس خیال کے باعث ان کی نفی کرتے ہیں کہ اجزا ذہنیہ اجزا خارجیہ کو مستلزم ہوتے ہیں اور اس تصور پر ان کا منتفی ہونا ان دلائل کے باعث واضح ہے جن کا بیان گزر چکا ہے۔ اور کچھ متکلمین ان اجزا کو ممکن اور جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ امر یقینی نہیں کہ اجزا ذہنیہ اجزا خارجیہ کو مستلزم ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اجزا ذہنیہ جن پر حکما کی اصطلاح قائم ہوتی ہے وہ نہ اجزا حقیقیہ ہیں اور نہ اجزا حقیقیہ کو مستلزم اس لیے محل بحث ان کے اجزا ہونے کی نفی ہے لہٰذا یہ لوگ خداوند عالم کی ترکیب کی نفی اجزا اصطلاحیہ کے اجزا ہونے کی نفی کے ذریعہ کرتے ہیں ان کا یہ مقصد نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات اجزا کرتے ہیں۔ تعالی اللہ من ذلک علواً کبیرا۔ باوجودیکہ عرضیات اور ذاتیات میں تمیز مشکل ہے۔ جیسے کہ بڑے بڑے حکما نے خود اعتراف کیا ہے اور اس امر کے لیے ان کا مضبوط ضابطہ نہیں ہے۔ جس پر بھروسہ کیا جا سکے۔

بہرحال جو صورت بھی ہو ذات باری تعالیٰ سے مفاہیم متعدد کے منتزع

ہونے کے استحالہ کی مطلقاً نفی اگرچہ بذریعہ اضافات ہی ہو مجال انکار نہیں کیونکہ
اس کی ذات واحدہ بسیطہ سے مفاہیم متعددہ کا انتزاع، اس تقدیر پر بھی تمام
اہل عقل کے ہاں مسلمات میں سے ہے جب کہ کسی اعتبار سے اس کی ذات پاک
میں ترکیب کا شائبہ تک نہ ہو۔ کیونکہ وجوب، وجود، قدم اور امتناع عدم نفس
ذات باری سے منتزع ہوتے ہیں۔ بنا بر مذہب حق امامیہ بلکہ نزد محققین حکماً
بھی تمام صفات ثبوتیہ اس کی ذات پاک سے منتزع ہوتے ہیں جیسا کہ آپ جان
چکے ہیں کہ ان کا منشأ انتزاع نفس ذات باری ہے اور ان کو اجزا واجب نہیں
کہا جا سکتا۔ ایسے مفہومات کا تعدد مستلزم ترکیب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کا منشأ ذات
حق تعالیٰ ہے۔ کہ جو بسیط مطلق ہے اور وجود اور اس کا تشخص عین ذات ہے پاک ہے
لہٰذا وہ پاک پروردگار حقیقت نہیں رکھتا، چہ جائیکہ اس کے اجزا متحققہ ہوں اور
اس قسم کے مفہومات انتزاعیہ کی نفی علمائے اعلام میں سے کسی کے کلام سے
مستفاد نہیں ہوتی۔

ہاں فلاسفہ اپنے قول فاسدہ ان الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد
میں اس مبالغہ کے مرتکب ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سوائے ایک چیز کے دیگر کسی چیز
کا مصدر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ اگر وہ ذات پاک دو چیزوں کا
مصدر ہو تو ایک چیز کا مصدر رہنا دوسری چیز کے مصدر ہونے کے متغایر ہو گا لہٰذا
اس ذات پاک کے لیے جہات کا تعدد لازم آئے گا۔ جو تعدد اجزا کا باعث ہو گا۔
اور فلاسفہ کے اس خیال خام کا فساد اور بطلان ایک ناقد بصیر پر مخفی اور پوشیدہ
نہیں ہے۔ محقق علیہ الرحمۃ نے فصول میں فرمایا ہے کہ اس دعویٰ پر فلاسفہ کا ہر

شبہہ انتہائی رکیک اور ناقص ہے اور محقق نے جو کچھ افادہ فرمایا وہ واضح
ہے مستور نہیں۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے نور عطا نہ کیا ہو بے شک وہ نور
سے خالی ہوتا ہے۔

صفات سلبیہ میں سے چوتھی صفت، جسمیت اور صورت کی نفی

چوتھی صفت سلبیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور صورت سے پاک اور جوہر
و عرض ہونے سے مبرا و منزہ ہے کیونکہ جسم اس جوہر کا نام ہے جو طول و
عرض اور عمق رکھتا ہو اور صورت ایک عرض خاص یعنی شکل محدود کا نام ہے
اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان دونوں سے پاک و پاکیزہ ہے۔

جوہر و عرض دونوں ممکن الوجود کی اقسام میں سے ہیں لہٰذا جوہر اس ماہیت
اور حقیقت کلیہ رکھنے والی ممکن شئے کا نام ہے جو بذات خود قائم ہو اور اللہ جل
شانہٗ ممکن نہیں واجب الوجود ہے لہٰذا وہ ذات اقدس نہ جوہر ہو سکتا ہے اور
نہ عرض۔

اگر جوہر کے معنی میں امکان اور حقیقت کلیہ کی قید کو ملحوظ نہ کریں جیسا کہ مشہور
ہے کہ کہتے ہیں کہ جوہر اس موجود کا نام ہے جو بذات خود قائم ہو تو پھر معنوی حیثیت
سے تو ذات پاک پروردگار پر جوہر کا اطلاق صحیح ہو گا۔ لیکن شرعی حیثیت سے جوہر
کا اطلاق خداوند عالم پر مناسب نہ ہو گا۔ کیونکہ اسمائے الٰہیہ توقیفیہ ہیں پیغمبر اسلام
سے جو الفاظ اس ذات کردگار کے لیے منقول نہ ہوئے ہوں ان کا اطلاق اس
ذات پر اس کی شان میں درست نہیں۔

اگرچہ سابق مسئلہ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کا ہونا بھی باطل ہے اور صورت کا ہونا بھی باطل۔ نہ اس کے لیے جسم ممکن ہے نہ صورت۔ لیکن باطل فرقوں کی تردید کو موکد کرنے اور ان کی تشنیع کے لیے عرض کیا جاتا ہے۔ کہ وہ جسم وصورت سے پاک و پاکیزہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ جسمیت وصورت کی نفی بالخصوص قرآن کریم میں وارد ہے چنانچہ ارشاد پروردگار ہے لیس کمثلہ شیئ کہ اس کی مثل کوئی شئے نہیں۔ کیونکہ اگر وہ جسم رکھتا ہو تو پھر تمام اجسام جسم ہوتے ہیں اس کی مثل ہو جائیں گے۔ اور اگر صورت رکھتا ہو تو پھر تمام اجسام صورت والا ہونے میں اس کی مثل قرار پائیں گے۔ تو پھر العیاذ باللہ "لیس کمثلہ شیئ" کا جملہ اس کی شان میں صحیح نہ ہوگا۔ مع اس کے دوسرا استحالہ یہ لازم آتا ہے کہ صورت اجسام کے عوارض مختصہ میں سے ہے۔ کہ جو مستلزم ترکیب ہے:

وتعالیٰ اللہ عن ذٰلک علواً کبیراً۔

حدیث پاک خبر سید عبدالعظیم حسنی میں وارد ہوا ہے کہ وہ ذات نہ جسم ہے نہ صورت، نہ عرض ہے نہ جوہر بلکہ وہ تمام جسموں کا بنانے والا اور ساری صورتوں کو صورت بنانے والا ہے وہ تمام جواہر و عوارض کا خالق ہے۔ سید موصوف نے فرمایا کہ میں نے اپنے اعتقادات کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے ان کو پسند فرمایا۔

کافی شریف[1] میں حضرت محمد بن یعقوب کلینی اعلی اللہ مقامہ نے اپنے

---

[1]: اصول کافی کتاب التوحید باب النہی عن الجسم والصورۃ حدیث ۲ ج ۱ ص ۱۹۰

اسناد کے ذریعہ حمزہ بن محمد سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابوالحسن امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں لکھ کر جسم اور صورت کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے لکھا کہ پاک ہے وہ ذات کہ جس کی مثل کوئی شئے نہیں اور نہ ہی وہ جسم رکھتا ہے نہ صورت۔

نیز اصول[1] کافی میں ہی محمد بن حکیم سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت ابوابراہیم حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں ہشام ابن سالم جوالیقی کے اس قول کو بیان کیا کہ خداوند عالم جسم رکھتا ہے۔ تو حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شئے نہیں اور اس شخص کے قول سے زیادہ فحش اور قبیح امر کیا ہے جو تمام اشیاء کے خالق کو جسم و صورت سے متصف کرے یا اس کے لیے خلقت یا حد بندی یا صورت یا کوئی عضو قرار دے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا وہ ذات پروردگار ان تمام چیزوں سے انتہائی طور پر پاک و پاکیزہ ہے۔

نیز صاحب[2] کافی رحمہ اللہ نے اپنے اسناد کے ساتھ محمد بن فرخ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابوالحسن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی،

---

[1]. اصول الکافی کتاب التوحید باب النہی عن الجسم والصورۃ حدیث ۷ و مرسل محمد بن ابی عبداللہ ج ۱ ص ۱۹۱

[2]. اصول الکافی کتاب التوحید باب النہی عن الجسم والصورۃ حدیث وھو حدیث مرفوع ج ۱ ص ۱۹۱

خدمت میں لکھا کہ ہشام ابن حکم اور ہشام بن سالم کے اس قول کے متعلق سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ جسم اور صورت رکھتا ہے۔ تو حضرت نے جواباً تحریر کیا کہ حیرت متحیرین کو اپنے سے دور کیجئے۔ اور شر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت طلب کیجئے مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح ہر دو ہشامین سمجھے ہیں یا حضرت کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ہر دو ہشامین کا قول نہیں ہے تقدیر اول کی بنا پر امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے ہشامین کا یہ اعتقاد تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ جسم وصورت رکھتا ہے کیونکہ امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے قبل ان کے اعتقادات فاسد تھے۔ اور آئمہ علیہم السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کی برکت سے ان کے یہ تمام نقائص دور ہو گئے۔ اور دوسری تقدیر کی بنا پر اس روایت کے ذریعہ ہر دو ہشامین کی برأت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا احتمال ہو سکتا ہے کہ مخالفین مذہب حق نے بغض وعناد کے باعث ہشامین کے متعلق اس قول باطل کے قائل ہونے کو ہوا دی اور مشہور کیا ہو کیونکہ ہشامین میں سے ہر ایک کی جلالت قدر اس سے بلند تر ہے کہ وہ اس قسم کے باطل اقوال کے قائل ہو جائیں۔

جناب والد ماجد طاب ثراہ نے اپنی کتاب صوارم میں ارشاد فرمایا کہ شہرستانی باوجودیکہ اہلسنت کے فضلاء میں سے ہے ہشام کی برأت کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ہشام بن حکم وہ شخصیت ہے جو اصول عقائد میں گہرائی تک پہنچنے والے ہیں۔ لہٰذا یہ ہرگز ممکن نہیں کہ جو الزامات معتزلہ پر قائم ہوتے ہیں ان سے وہ غافل ہو کیونکہ ایک شخص جن الزامات کو اپنے خصم پر عائد کرتا

ہے ان سے وہ خود یقیناً بیزار ہوتا ہے اور جو امر خالق کو مخلوق سے مشابہت رکھنے کو ظاہر کرے اس سے ہشام حتماً بری اور بیزار ہے۔ الیٰ آخرہٖ قال الشہرستانی

اللہ تعالیٰ کے جسم وصورت سے پاک وپاکیزہ اور منزہ ومبرّیٰ ہونے کے متعلق اس قسم کے بکثرت احادیث وارد ہوئے ہیں کہ جن کا احصاء واستقصاء باعث تطویل ہے۔ یہ مسئلہ اس طور پر ضروریات دین ومذہب میں سے ہے کہ وہ شخص بھی جانتا اور اس سے واقف ہے جو مذہب حق کی ادنیٰ معرفت رکھنے والا ہے اور طریقہ حق سے تھوڑی سی شناسائی رکھنے والا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ اس مطلب کا انکار اصل شریعت اور مذہب سے انکار کو مستلزم ہے۔ اور اس عقیدہ کا شریعت میں ثابت ہونا بداہتہً اس پر واضح اور عیاں ہے۔

اہل سنت کا ایک گروہ۔ جو کہ اس امت میں مخلوق کے ساتھ خالق کے مشابہ ہونے کے قائل ہیں۔ وہ خداوند عالم کا جسم ہونے کے قائل ہیں اور اس مقام پر وہ کئی ایک خرافات کے قائل ہوئے ہیں چونکہ ان کے مزید مزخرفات میں سے بعض کا تذکرہ ان کی حماقت اور سفاہت کی مزید وضاحت اور ظہور کا باعث ہے لہٰذا اگر ان کا ایک حصہ بیان کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا واضح باد کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ:۔

اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے۔ اور اس کا جسم اس کے اپنے ہاتھ کی بالشت کے لحاظ سے چھ چھ بالشت عرش کی چاروں طرف سے اس طرح زیادہ رہتا ہے کہ عرش پر بیٹھنے کے وقت اس کا جسم عرش کے چاروں طرف چھ چھ بالشت

عرش سے باہر رہتا ہے اور شب جمعہ گدھے پر سوار ہو کر نازل ہوتا ہے اور صبح تک ندا کرتا رہتا ہے کہ میرے بندوں میں سے کوئی ہے جو توبہ کرے اور گناہوں سے استغفار و زاری کرے تاکہ میں اس کی توبہ کو قبول کروں۔

بعض ان میں سے کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ اس قدر رویا کہ اس کی دونوں آنکھیں آشوب زدہ ہو گئیں اور ملائکہ اس کی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوئے۔ بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ خداوند عالم ایک کبیر السن انسان کی صورت میں ہے اس کے سفید بال سیاہ بالوں کے ساتھ سر میں بھی اور داڑھی میں بھی باہم مخلوط ہیں۔ ان کے اس قسم کے خرافات بکثرت ہیں سب کا ذکر باعث تطویل و املال ہے یہ اقوال اہل سنت میں سے حنابلہ" امام احمد بن حنبل رح کے مریدوں" مجسمہ اور مشبہہ کے ہیں۔ تعجب ہے کہ اہل سنت اپنے خانگی امور کی طرف نگاہ نہیں کرتے۔ اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے اور ہشامین پر طعن و تشنیع کرتے ہیں حالانکہ ہشامین کی طرف جو اقوال منسوب کیے گئے ہیں ان کے متعلق ان کا قائل ہونا ثابت نہیں ہے۔ اور اگر ہو بھی تاہم ان دونوں کا ان اقوال سے بری ہونا یقینی ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔

لیکن اہلسنت اپنے اہل مذہب ان فرقوں کی برأت ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان فرقوں کے یہ اقوال انتہائی طور پر مشہور ہو چکے ہیں بلکہ بقیہ اہل سنت کہ جو اپنے آپ کو ان فاسد اعتقادات سے بری جانتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جسمیت سے اپنی برأت کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا سکتے کیونکہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے اور اس قسم کے دوسرے اعتقادات فاسدہ کے قائل

ہیں اگرچہ کہ ظاہراً اعتقادات مذکورہ بالا سے انکار کرتے ہیں

اہلسنت کا فرقہ مشبہہ:۔ کہ جو خالق کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے۔ وہ آیات متشابہات اور اپنی روایات مختلقہ کے ذریعہ اپنے اس اعتقاد باطل کی بنیادوں کو محکم کرتا ہے۔ لہٰذا ان کا جسمیت سے برأت کا خیال امر محال ہے۔ ؎

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

مشبہہ کے استدلال کا بطلان اور فساد ایک عاقل خبیر پر واضح اور ظاہر ہے احتجاج طبرسی میں عہ ابراہیم بن ابی محمود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اے فرزند رسول! حضور اس روایت کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں جو لوگ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ روزانہ شب کے آخری تہائی حصہ میں آسمان سے دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔ تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے روایت کو محرف اور متغیر کر دیا۔ بخدا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہیں فرمایا۔ آنحضرتؐ نے تو یوں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ روزانہ شب کے آخری تہائی حصہ میں اور شب جمعہ کو اول شب سے آسمان کی طرف ایک فرشتہ نازل کرتا ہے اور اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ ندا دینے پر مامور کرتا ہے جو اللہ

عہ متن روایت کے الفاظ یہ ہیں ملاحظہ ہو۔ الاحتجاج للطبرسی ص ۲۲۵ طبع قدیم بیان احتجاجات الامام علی بن موسی الرضا علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ عن ابراهیم بن محمود قال قلت للرضا ما تقول فی الحدیث

کی طرف سے ندا کرتا رہتا ہے کہ آیا کوئی سوال کنندہ ہے جسے میں عطا کروں؟ آیا کوئی توبہ کنندہ ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ آیا کوئی طلب مغفرت کرنے والا ہے کہ میں اسے مغفرت عطا کروں؟ اے خیر کے طلب کرنے والے آگے آ۔ اور متوجہ ہو جا۔ اے طالب شر اپنے قصد ارادہ کو ترک کر دیجئے۔ یہ فرشتہ صبح تک ندا کرتا رہتا ہے، جب صبح ہو جاتی ہے تو وہ ملکوت سماوات کی طرف واپس چلا جاتا ہے

حسین بن خالد نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے کہا کہ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ! آپ اس روایت کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں

الذی یرویه الناس عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان الله ینزل کل لیلة الی السماء الدنیا فقال لعن الله المحرفین عن مواضعه والله ما قال رسول الله کذلك انما قال صلی الله علیه وآله وسلم ان الله ینزل ملکا الی السماء کل لیلة فی الثلث الاخیر ولیلة الجمعة فی اول اللیل فیامره فینادی هل من سائل فاعطیه وهل من تائب فاتوب الیه وهل من مستغفر فاغفرله یاطالب الخیر اقبل ویاطالب الشر اقصر فلا یزال ینادی بهذا حتی یطلع الفجر فاذا طلع الفجر عاد الی محله من ملکوت السماء وحدثنی بذالك ابی عن جدی عن آبائه عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم (مترجم)

ے متن روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں ملاحظہ ہوں: الاحتجاج طبرسی

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے کہ ان لوگوں نے حدیث کے ابتدائی حصہ کو ساقط کر کے لوگوں پر معنی فرمان رسالتمآبؐ کو مشتبہ کر دیا۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو ایسے شخصوں سے گزر ہوا جو ایک دوسرے کو دشنام دہی کر رہے تھے۔ اور گالی گلوچ دے رہے تھے تو حضرت نے ایک سے سنا کہ دوسرے کو کہہ رہا تھا۔ کہ خدا برا کرے تیری صورت کا اور ہر اس شخص کی صورت کا کہ جو تیرے مشابہ ہو۔ تو حضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ اے بندۂ خدا اس قسم کا کلمہ اپنے بھائی کے حق میں نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی صورت میں پیدا کیا تھا۔ انتہی محصل الروایۃ

اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حدیث خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم نے آدمی کو حضرت آدمؑ کی صورت پر پیدا کیا ہے اس تقدیر پر ضمیر حضرت آدمؑ کی طرف لوٹے گی اور پہلی روایت پر کی بنا پر ضمیر مخاطب سب کنندہ کی طرف لوٹے گی اور ہر دو تقدیر پر خداوند عالم کی طرف

ص۲۲۵ طبع قدیم عن الحسین بن خالد قال قلت للرضا یا ابن رسول الله ان الناس یقولون ان رسول الله قال ان الله خلق آدم علیه السلام علی صورته فقال قاتلهم الله لقد حذفوا اول الحدیث ان رسول الله مر برجلین یتسابان فسمع احدهما یقول قبح الله وجهك ووجه من یشبهك فقال له صلی الله علیه وآله وسلم یا عبد الله لاتقل هذا لاخیك فان الله خلق آدم علی صورته. (مترجم)

ضمیر نہیں لوٹتی۔ جیسا کہ مشبہہ فرقہ گمان کرتا ہے لہٰذا دونوں تقادیر کی بنا پر یہ حدیث
اس مطلب سے خارج ہو جائے گی جس کے متعلق مشبہہ اسے لے جانا چاہتے ہیں اور جس
سے متعلق ہم بحث کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس گروہ سے اپنی پناہ
اور حفاظت میں رکھے کہ جو اللہ جل شانہ کو مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دیتے اور
اس پاک پروردگار کو ایسے عیوب و نقائص کی طرف نسبت دیتے ہیں
جس تشبیہ اور جن نقائص سے وہ پاک اور پاکیزہ و منزہ اور مبرا ہے قاتلہم اللہ
انی یؤفکون اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

صفات سلبیہ میں سے پانچویں قسم نفی مکان و جہت !

پانچویں صفت سلبیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ مکان رکھتا ہے۔ اور نہ جہت اور
نہ ہی زمانہ اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب امور جسمیت اور امکان کے لوازم
میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات جسمیت و امکان سے بالاتر اور بلند ہے کیونکہ
عقل و نقل کے ذریعہ ان کا بطلان ثابت ہے

شیخ صدوق علیہ الرحمتہ نے کتاب توحید میں اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن مہران
سے روایت کی ہے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا
کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خداوند عالم کسی مکان میں ہو تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ
وہ کسی مکان میں ہو اور اگر اس طرح ہو تو پھر وہ حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ جو
مکان میں موجود ہوتا ہے وہ مکان کی طرف محتاج ہوتا ہے اور احتیاج حوادث
کی صفات میں سے ہے قدیم کے صفات میں سے نہیں۔

جناب والد ماجد اعلی اللہ مقامہ و اعلی دار الکرامہ نے اس حدیث کو نقل
کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث جس طرح کہ دلیل نقلی ہے اسی طرح دلیل عقلی
پر بھی مشتمل ہے اور بظاہر اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہر وہ شے جس کا کسی مکان میں ہونا
تصور کیا جائے عقل سلیم اس کے متعلق فیصلہ کرتی ہے کہ بغیر مکان کے وہ موجود ہو
نہیں سکتی لہٰذا وہ مکان کی محتاج ہوگی اور محتاج ہونا امکان اور حدوث کی دلیل ہے

نیز دوسرے مقام پر والد ماجد اعلی اللہ مقامہ نے دلیل عقلی کو دوسرے عنوان سے
بیان فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بداہت عقل حاکم ہے کہ مکان میں ہونا جسمیت کے
لوازم میں سے ہے۔ اور خداوند عالم کے لیے جسمیت کا ہونا باطل اور محال ہے

واضح ہو کہ مکان کے دو مشہور و معروف معنی ہیں جو شخص ان دونوں کی طرف
رجوع کرے۔ اس پر مذکورہ بالا دعویٰ واضح اور ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ مکان کا
ایک معنی ہے۔ جسم حاوی کی سطح باطن جو کہ جسم محوی کی سطح ظاہر سے ملاصق اور
ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور مکان کا دوسرا معنی ہے وہ بعد جو کہ مادہ سے مجرد ہو مکان
کا پہلا معنی مقتضی ہے کہ مکان رکھنے والی شے سطح رکھنے والی ہوتی ہے اور
دوسرا معنی چاہتا ہے کہ مکان رکھنے والی چیز کے لیے ابعاد ثلاثہ "طول عرض اور
عمق" ہوں کہ جو مکان کے ابعاد کے ساتھ منطبق ہونے والے ہوں اور ظاہر ہے
کہ سطح بھی اور ابعاد ثلاثہ بھی جسمیت کے لوازم میں سے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ
کے لیے جسمیت کا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ تو جسمیت کے لوازم کا بھی اس کے
لیے ثابت ہونا محال اور ناممکن ہے۔ یہ تو ہیں اللہ تعالیٰ کے مکانی نہ ہونے
اور لامکان ہونے کے دلائل۔

رہا یہ امر کہ اللہ تعالیٰ کا کسی جہت میں ہونا بھی محال ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے کسی جہت میں ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ شے اس جہت تک پہنچی ہوئی ہو یا اس کے قریب پہنچ چکی ہو اور یہ معنی بھی جسمیت و مکان کے لوازم میں سے ہے اور مکان کو مستلزم ہے کیونکہ جو چیز مکان نہ رکھتی ہو اس کا کسی چیز کے قریب ہونا یا اس سے بعید ہونا متصور ہی نہیں ہو سکتا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے[1] امالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ مکان سے متصف ہو سکتا ہے نہ زمانہ سے اور نہ حرکت سے نہ انتقال مکانی سے اور نہ سکون سے بلکہ وہ ذات پاک زمان و مکان اور انتقال و حرکت و سکون کو پیدا کرنے والی اور ان کی خالق ہے۔ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ کہ ظالم جو کچھ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے انتہائی طور پر بلند و برتر ہے۔

---

[1] اصل روایت کا متن حسب ذیل ہے ملاحظہ ہو۔ سفینۃ البحار ج ۲ صفحہ ۴۹۹ بروایت امالی تحریر ہے۔

عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان اللہ تبارک وتعالی لا یوصف بزمان ولا مکان ولا حرکۃ ولا انتقال ولا سکون بل ھو خالق الزمان والمکان والحرکۃ والسکون والانتقال، تعالی عما یقول الظالمون علواً کبیرا (مترجم)

شیخ مفید[2] علیہ الرحمۃ نے کتاب الارشاد میں روایت کی ہے کہ علمائے یہود میں سے ایک شخص حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اس امت کے پیغمبر کے خلیفہ ہیں ابوبکر نے کہا کہ ہاں یہودی عالم نے کہا کہ میں نے توریت میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ خلفائے انبیاء ان کی امتوں کے تمام افراد سے زیادہ علم رکھنے والے ہوتے

---

[2] متن روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں کتاب الارشاد للشیخ المفید صفحہ ۹۶ تحریر ہے

وجاءت الروایۃ ان بعض احبار الیہود جاء الی ابی بکر فقال انت خلیفۃ نبی ھذہ الامۃ فقال لہ نعم فقال انا نجد فی التوراۃ ان خلفاء الانبیاء اعلم اممھم فاخبرنی عن اللہ تعالی این ھو فی السماء ام فی الارض فقال ابوبکر ھو فی السماء علی العرش۔ فقال الیہودی فاری الارض خالیۃ منہ واراہ علی ھذا القول فی مکان دون مکان فقال لہ ابوبکر ھذا کلام الزنادقۃ اغرب عنی والا قتلتک فولی الحبر متعجبا یستہزئ بالاسلام فاستقبلہ امیر المومنین علیہ السلام فقال یا یہودی قد عرفت ما سئلت عنہ وما اجبت بہ وانا نقول ان اللہ عز وجل این الاین فلا این لہ وجل ان یحویہ مکان وھو فی کل مکان بغیر مماسۃ ولا مجاورۃ یحیط علما بما فیھا ولا یخلو شئ منھا من تدبیرہ وانی مخبرک بما جاء فی کتاب من کتبکم یصدق ما ذکرتہ لک فان عرفتہ اتومن بہ فقال الیہودی نعم قال الستم تجدون فی بعض کتبکم ان موسی بن عمران کان ذات یوم جالسا اذ جاءہ ملک من المشرق

ہیں لہٰذا بتائیے کہ خدا آسمان میں ہے یا زمین میں؟

ابوبکر نے سادہ لوح ہونے کے باعث کہا کہ وہ آسمان میں عرش پر ہے یہودی نے کہا کہ اس کا معنی تو یہ ہے کہ اس وقت زمین اس سے خالی ہے آپ کے اس قول کی بنا پر تو خداوند عالم ایک مکان میں ہے اور دوسرے مکان میں نہیں ہے ابوبکر نے کہا کہ یہ تو زندیقوں اور بے دینوں کی طرح آپ گفتگو کر رہے

فقال له موسى من اين اقبلت قال من عند الله عز وجل ثم جائه ملك من المغرب فقال له من اين جئت فقال من عند الله عز وجل ثم جائه ملك . فقال قد جئتك من السماء السابعة من عند الله عز وجل وجائه ملك آخر فقال له قد جئتك من الارض السفلى السابعة من عند الله عز وجل فقال موسى سبحان من لا يخلو منه مكان ولا يكون الى مكان اقرب من مكان فقال اليهودي اشهد ان هذا هو الحق وانك احق بمكان نبيك ممن استولى عليه (مترجم)

عه ابوبکر کا یہ جواب اس کی دلیل ہے کہ ابوبکر کو معرفت خداوند عالم کا شرف حاصل نہ تھا اس کے خیال میں خداوند عالم مکان رکھنے والی ہستی تھی وہ لامکان نہیں تھی اس لیے اس نے یہ جواب دیا کہ وہ عرش پر آسمان میں ہے۔ حالانکہ اس پر اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ عرش آسمان اور مکان تو حادث اور

ہیں میرے پاس سے دور ہو جائیے ورنہ تجھے قتل کر دوں گا۔

چنانچہ یہودی تعجب کرتا ہوا اور اسلام کا تمسخر اڑاتا ہوا لوٹ پڑا۔ راستے میں اسے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی حضرت نے فرمایا کہ اے یہودی مجھے تیرے سوال کا بھی علم ہے اور تجھے جو جواب ملا ہے اس کا بھی مجھے علم ہے۔ لو سنو میں تمہیں صحیح جواب دیتا ہوں۔ "ہم مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکان کا خالق ہے لہٰذا اس کا کوئی مکان نہیں وہ اس سے برتر ہے کہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرے۔ وہ ہر مکان میں موجود ہے مگر نہ بایں معنی کہ اس مکان کے ساتھ مماس اور ملا ہوا ہے اور اس کا مجاور ہے بلکہ وہ بایں معنی ہر مکان میں موجود ہے۔ کہ اس کا علم تمام ان اشیا کو احاطہ کیے ہوئے ہے جو ہر مکان میں موجود ہیں۔ اور کوئی مکان اس کی تدبیر سے خالی نہیں ہے اور میں تمہیں اس کے متعلق اسکی خبر دیتا ہوں۔ جو کچھ تمہاری کتابوں میں وارد ہوا ہے اور وہ اس کی بھی تصدیق کرتا ہے جو میں نے تجھے کہا ہے لہٰذا بتائیے کہ جو کچھ میں تمہیں تمہاری کتابوں

ہیں جو نہ ہونے کے بعد پیدا ہوتے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا۔ اور جب خدا نے ان کو پیدا نہیں کیا تھا تو اس وقت یقیناً وہ لامکاں تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسی ہستی ہے جسے اپنے موجود ہونے میں مکان کی احتیاج نہیں وہ تو مکان کو بھی پیدا کرنے والا ہے جیسے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک لامکاں ہے اور ابوبکر کو اس کا بھی پتہ نہیں تو معلوم ہوا کہ ابوبکر خلافت رسول کا اہل نہیں تھا بلکہ علی ابن ابی طالب اسکے اہل تھے (مترجم)

سے بتانا چاہتا ہوں۔ اگر وہ ٹھیک ہو اور میری تصدیق کرے اور تمہیں اس کا پتہ بھی چل جائے تو کیا ایمان لے آؤ گے؟ یہودی نے اقرار کیا کہ ہاں ایمان لے آؤں گا۔ تو فرمایا کہ کیا تم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھا ہوا نہیں پاتے۔ کہ ایک دن حضرت موسیٰ بن عمران علی نبینا وآلہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مقام پر بیٹھے تھے کہ اچانک ایک فرشتہ مشرق کی جانب سے آیا حضرت موسیٰؑ نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ فرشتے نے جواباً کہا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے۔ اس کے بعد ایک اور فرشتہ مغرب کی جانب سے آیا، حضرت موسیٰؑ نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ جل شانہ کے پاس سے آرہا ہوں۔ اس کے بعد تیسرا فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں ساتویں آسمان سے آرہا ہوں اللہ تعالیٰ کے پاس سے! اسی وقت اس کے بعد ایک چوتھا فرشتہ حاضر ہوا اور کہا کہ میں زمین کے ساتویں طبقہ سے خداوند عالم کے پاس سے آرہا ہوں تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ خداوند عالم کہ جس سے کوئی مکان خالی نہیں ہے۔ اور کسی مکان کے وہ دوسرے مکان کی نسبت قریب تر نہیں ہے۔ یہودی عالم نے فوراً کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حق یہی ہے اور خلافت پیغمبر کے آپ اس شخص کی نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ جو اس پر متمکن ہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حنابلہ اور مشبہ جو کچھ کہتے ہیں کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے یہ ابوبکر کے کلام سے ماخوذ ہے کہ جس نے اپنے وصف کو اس یہودی بے چارہ کی گردن پر تھوپ دیا تھا۔

مخفی نہ رہے کہ جب عوام کے قلوب اور اوہام جسمیت مکانیت اور اس قسم کے دیگر امور کی اللہ تعالیٰ سے نفی پر مطلع ہوتے ہیں کہ جو امور محسوسات کے لوازم

اور ان کے مالوفات کے عوارض میں سے ہیں۔ تو اکثر و بیشتر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نفسانی خیالات اور شیطانی وساوس ان پر غلبہ پا لیتے ہیں حتیٰ کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ایسی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہو سکتی جو ان لوازم و عوارض سے پاک اور خالی ہو لہٰذا ان اوہام کو رفع کرنے اور ایسے توہمات کی بیخ کنی کرنے کے لیے ہم نے رسالہ وسیلۃ النجاۃ میں ذکر کیا ہے۔ کہ ایک عاقل لبیب کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے نفس کی طرف رجوع کرے اور غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے چند حواس عطا فرمائے ہیں کہ جن کے ذریعہ وہ مختلف محسوسات کا ادراک کرتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ ہر امر محسوس کو وہ ہر حاسہ کے ذریعہ ادراک کر سکتا ہو۔ ذرا غور تو کیجئے کہ ہر قسم کے رنگوں، سرخ، سفید، زرد، سبز وغیرہ کو بھی اور ان کی مثل دیگر اشیا، مرتبہ شکلوں وغیرہ کو بھی آپ اپنی چشم کی بینائی سے ادراک کرتے ہیں اور اگر آپ چاہیں کہ آپ چکھنے اور مس کرنے وغیرہ کے دیگر حواس کے ذریعہ ان مذکورہ اشیا مبصرات کا بھی ادراک کریں۔ تو ان حواس سے ان کا آپ ہرگز ادراک نہیں کر سکیں گے یہی وجہ ہے کہ ایک مادر زاد اندھا اگر چاہے کہ رنگوں کے اقسام و انواع کا ادراک کرے تو جتنی بھی کوشش کرے کہ لوگ اسے سمجھائیں مگر اس کی سمجھ میں نہ آسکے گا۔ اور وہ ان کا ادراک نہیں کر سکے گا، اور اس کے دل میں ان رنگوں کی حقیقت کے متعلق جو خیالات پیدا ہوں گے وہ رنگ کی حقیقت واقعیہ پر ہرگز منطبق نہیں ہوں گے کیونکہ ان مبصورات کا ادراک حاسۂ البصر کے احساس میں منحصر ہے کہ جو حاسہ اس اندھے کے پاس ہے نہیں۔ لہٰذا وہ ان مبصورات کے ادراک کے لیے جس قدر زیادہ سوچ و بچار اور غور و خوض کو عمل میں لائے وہ

ان کا ادراک ہرگز نہیں کرسکے گا اور اس کی حیرت اور زیادہ ہوتی جائے گی ہمارے نفوس و عقول ناقصہ کی یہی کیفیت ہے۔ کیونکہ ذات پاک پروردگار کو ادراک کرنے والی کوئی قوت ہم نہیں رکھتے۔ اس لیے ذات خداوند عالم کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک کرنے کے لیے غور و خوض کی زیادتی حیرت و پریشانی کے زیادہ ہوجانے کا باعث ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جو کچھ دلائل قطعیہ کا مقتضیٰ ہے لوگ اسی کے مطابق اعتقاد رکھیں اور اپنی عقل و فہم کے ناقص اور قاصر ہونے کا اعتراف کریں۔ اور جس امر کے سمجھنے کی عقل میں طاقت اور قدرت نہیں اس کے سمجھنے اور اسے ادراک کرنے کی زحمت اور تکلیف سے لئے باز رہیں۔ کیونکہ اس میں ہلاکت اور خسران کا خطرہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابوالحسن امام رضا علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ کے اوصاف کے متعلق بیان فرمایا کہ حواس کے ذریعہ اس کا ادراک ممکن نہیں اور کسی چیز پر اسے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ تو ایک بے دین نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ جب حواس کے ذریعہ اس کا ادراک نہیں ہوسکتا تو پھر وہ موجودات کی فہرست میں کیسے داخل ہوسکتا ہے؟ تو امام عالی مقام علیہ الوف التحیۃ والسلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تیری حالت قابل افسوس ہے جب کہ تیرے حواس اس ذات احدیت کو ادراک کرنے سے عاجز ثابت ہوئے تو تو نے یہ گمان بد قائم کرلیا کہ

ؑ ۔ اصول الکافی ج ۱ ص ۱۳۴ ص ۱۳۵ ، کتاب التوحید باب حدوث العالم و اثبات المحدث ، حدیث ۳

تیرا کوئی پیدا کرنے والا پروردگار ہے ہی نہیں مگر ہم نے جب اس کی ذات پاک کو پایہ ادراک حواس سے بلند پایا تو ہم اس کی ربوبیت اور اس کے پروردگار ہونے پر ایمان لے آئے۔ نیز اس پر ایمان لے آئے کہ وہ اپنی پیدا کردہ تمام اشیاء سے جداگانہ شان رکھنے والا ہے۔ اگر وہ ان کی مثل ہوتا تو مخلوقات سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور اس کی مثل ہوتی۔

مختصر اینکہ جو کچھ بیان کیا جاچکا ہے اس سے واضح اور ظاہر ہوگیا ہے کہ ذات خداوندی عالم نہ جسم ہے نہ جسمانی، نہ مکانی ہے نہ زمانی۔ نہ وہ کسی جہت میں ہے۔ اور نہ ہی وہ قابل حرکت و سکون اور یہ سارے حقائق دین و ملت کی ضروریات میں سے ہیں اور جب کوئی امر دلائل قطعیہ، عقلیہ اور نقلیہ کے ذریعہ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اور پھر شرع شریف میں کوئی کلام ایسا وارد ہو کہ جو بظاہر اس امر قطعی کے منافی ہو تو اس کی تاویل کرنا چاہیئے۔ اور معانی حسنہ کی طرف اسے راجع کرنا چاہیئے۔ یہ طریقہ مخالف و موالف فریقین کے ہاں مسلمات میں سے ہے اور عقل و نقل کے مطابق ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اقتضائے مصالح کے پیش نظر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام مجازات و استعارات کا طریقہ اختیار فرماتے ہیں جو کہ کلام عرب میں عمومی طور پر مروج و شائع ہے۔ بلکہ یہ تمام زبانوں اور عبارات میں مروج ہے اور آزمائش و اختیار خلق کے لیے قرائن حالیہ اور علامات مقالیہ پر بھروسہ اور اعتماد کرکے معنی غیر موضوع لہ کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اختیار کرتے اور اپنے محاورات و ملفوظات میں ایسے معانی مراد لیتے ہیں جن کے لیے الفاظ کی وضع نہیں ہوتی۔ اور وہ معانی ظاہر وضع کے خلاف ہوتے ہیں اور جب کہ معنی مراد ظاہر ہو اور بندوں پر اتمام

حجت ہو چکی ہو تو پھر اس سے خلاف موضوع لہ مراد لینے میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔
لیکن جن لوگوں پر شیطانی وسوسوں کا غلبہ ہوتا ہے ان کا پاؤں مقام آزمائش میں صراط مستقیم سے لغزش کھا جاتا ہے اور بمفاد آیہ وافیۃ الہدایۃ ؎ فالذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔ اپنی قلبی کجی کے باعث وہ معنی مراد لے کر چاہ ضلالت میں گر جاتے ہیں جو شارع علیہ الرحمۃ نے مراد نہیں لیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک "ید اللہ فوق ایدیہم" اور ارشاد پاک "الرحمٰن علی العرش استویٰ"
اسی باب سے ہیں کیونکہ اگرچہ ان الفاظ کا اصل وضع کے لحاظ سے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ اور اہل عالم پر رحمت کرنے والا عرش پر مستولی ہے۔ فرقہ مشبہ اور مجسمہ اس قسم کے آیات و احادیث کے ظاہری موضوع لہ معنی کے پیش نظر خداوند عالم کے لیے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا و جوارح اور عرش پر بیٹھنا وغیرہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ سابق گزر چکا ہے و تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان چیزوں سے بہت بلند اور برتر ہے۔
لیکن ایک دیندار اور عقلمند شخص ان صحیح معانی کو سمجھ لیتا ہے جو ایسے مقامات

؎ پ۳ آل عمران آیت نمبر ۷۔ کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ فتنہ پروری کی غرض سے اور اپنے مقصد کے مطابق تاویل کر لینے کی خاطر ان آیات کی اتباع کرتے ہیں جو آیات محکمات نہیں متشابہات میں سے ہوتی ہے (مترجم)

پر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مراد لیے ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ استعارات اور تشبیہات محاورات کلام میں عام اور شائع ہیں اور ایسے مقامات پر اس امر کے قرائن واضحہ اور جلیہ عقلیہ و نقلیہ قائم ہیں کہ ظاہری لغوی معنی مراد نہیں ہے جیسے مثلاً کہتے ہیں علی علیہ السلام شیر خدا ہیں یا دست خدا ہیں یا زبان خدا لیکن یہ معنی مراد نہیں کہ علی علیہ السلام در حقیقت شیر ہیں یا ہاتھ ہیں بلکہ تشبیہہ و استعارہ کے طور پر اسد اللہ بھی ہیں اور ید اللہ بھی جیسے مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کی زبان ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اپنے موکل کی مرضی کے مطابق کہتا ہے اور اس کا کلام اس کے ہاں پسندیدہ اور صحیح ہے
اسی طرح جس چیز کو ہم بیان کر رہے ہیں اس میں بھی حقیقت لغویہ مراد نہیں بلکہ ید اللہ فوق ایدیہم سے مراد یہ ہے کہ بیعت میں پیغمبر خدا کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کا حکم رکھتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ خدا ہاتھ رکھتا ہے کہ جو ہاتھ ان بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے کیونکہ یہ آیت بالخصوص بیعت رضوان کے متعلق نازل ہوئی اور پوری آیت اس طرح ہے۔
؎ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم
پوری آیت کے پیش نظر معنی مراد نہایت واضح ہے کہ جو بنا بر حقیقت نہیں بلکہ

؎ پ۲۶ ع۹ الفتح آیت نمبر ۱۰ بے شک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں گویا بوقت بیعت ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

بنا بر مزید توثیق و تاکید استعارہ اور تشبیہ مقصود ہے اور ایسے مجازات محاورات میں عام واقع ہوتے ہیں۔ اور "الرحمٰن علی العرش استویٰ" [1] سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور قادر ہے۔ عرش بھی اور اس کا ماتحت بھی اور مافوق بھی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب [2] ایک زندیق بے دین نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان الرحمٰن علی العرش استویٰ کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل معنی یہ ہے کہ استویٰ اس مقام پر مستولی اور غالب و قادر کے معنی میں ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے ساتھ اپنی ذات پاک کی مدح و تعریف فرمائی ہے۔ لہٰذا فی الواقع وہ استیلاً اور غلبہ کے ساتھ متصف ہے لیکن اس طرح نہیں کہ عرش اللہ تعالیٰ کی ذات کا حامل اور اس کا احاطہ کرنے والا اور اسے اٹھا رکھنے والا ہے۔ بلکہ وہ ہی تو وہ ذات ہے جس نے عرش کو اپنی جگہ میں قرار دیا اور اسے اس مقام میں مستق کیا ہے۔ انتہی۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن و حدیث میں متشابہات کا وارد ہونا کہ جو بہت سے مصالح پر مشتمل ہے۔ باعتبار ظاہر دو قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ کہ شارع علیہ الرحمۃ اکثر اوقات وہ استعارات جو محاورات کے اعتبار سے شائع ہوتے ہیں۔ اس لئے استعمال فرماتے ہیں کہ معنی مراد تمام مخلوقات پر مشتبہ نہ رہے۔ واضح ہو

---

[1] پ ۱۶ ع ۱۷ طٰہٰ آیت ۵ مترجم   [2] اصول الکافی ج ۱ صفحہ ۲۲ ح ۲۲ کتاب التوحید باب حرکۃ والانتقال حدیث ۱۹، ۲۰

جائے۔ اگرچہ بعض لوگ ان کو جہالت کی وجہ سے یا تجاہل عارفانہ کے طور پر کجروی کے باعث باطل معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن ایک منصف المزاج ہوش مند شخص سے حقیقت حال مخفی نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا جو الفاظ کہ محاورات میں شائع اور عام استعمال کے لحاظ سے ظاہراً خالق کو مخلوق کے ساتھ اور صانع کو مصنوع کے ساتھ تشبیہ دینے کے مقصد کو ادا کرتے ہیں ان الفاظ کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ آیات اور روایات متشابہہ کا منشا اور ان سے مقصد مخلوق کا امتحان کرنا اور ان کی آزمائش کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ بقیہ تمام تکالیف شرعیہ کے ذریعہ مکلفین کو آزماتا ہے کہ آیا وہ معنیٔ حق کی طرف مائل ہوتے ہیں یا سوئے اختیار کی وجہ سے اسے غیر واقعی معنی کی طرف پھیر دیتے ہیں اور یہ معاملہ امتحان شارع علیہ الرحمۃ کی نسبت مکلفین کے لیے زیادہ زینت کا باعث ہوتا ہے نہ بقیہ مخلوق کے لیے کیونکہ تکلیف دہندہ خود شارع علیہ السلام ہیں۔ اور وہ اپنے اقوال و افعال کے مصالح کو آپ خوب جانتے ہیں۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو ایسے امتحانی امور میں ان کی اقتدا کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ تشابہہ کا دفعیہ کریں۔ اور معنی مراد کی نقاب کشائی کریں نہ یہ کہ وہ الٹا اشتباہ اور الجھن کو اور زیادہ کریں۔ ہاں اگر عامۃ الاستعمال استعارات ہوں تو پھر ان کو اختیار کر سکتے ہیں مگر ایسے رکیک مجازات کا استعمال روا نہیں جن کا معنی مراد مخفی ہو کیونکہ اعزا بالجہل لازم آتا ہے اس لیے ایسے مجازات کا استعمال اصل کے لحاظ سے ممنوع ہے۔ اسی لیے دیندار صاحبان تقویٰ علماء ہمیشہ شکوک و

وشبہات کو زائل کرنے اور مقصود کو ظاہر اور واضح کرنے کے درپے رہتے ہیں اگرچہ ایسا تشابہ بشریت کے تقاضہ سے ان کے کلام میں واقع ہوجاتا ہے جس کا عمداً ارتکاب نہ کیا گیا ہو مگر تاہم یہ ایسا امر ہے جو بہت ہی شاذونادر طور پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اور تاویل کی گنجائش پھر بھی اس میں رہتی ہے لیکن جن لوگوں نے اپنی عادت ہی یہ بنائی ہے۔ کہ ظاہر الفساد کلمات کو اپنی زبان پر جاری کرتے ہیں اور پھر ان کی تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ اہل باطل کے لیے دائرۂ تاویل کو وسعت دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے کلام سے مقصد برآری کا اطمینان مرتفع اور منتفی ہوجاتا ہے ؛ حالانکہ شرع شریف میں ظاہر کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔ اور اگر شبہات ہی کثرت سے ہونے لگیں تو پھر تاویلات کی تو کوئی گنجائش ہی نہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ راستی اور صواب کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔ اور جس ضابطہ کی طرف یہاں اشارہ اور انتباہ کردیا گیا۔ آنے والے اکثر معاملات کے ساتھ اس کا تعلق ہے اس کا اس مقام پر ذکر کرنا اہم تھا لہٰذا کسی قدر اجمالاً اسے بیان کردیا گیا ہے۔

صفات سلبیہ میں سے چھٹی صفت حلول و اتحاد کی نفی

اللہ تعالیٰ کی چھٹی صفت سلبیہ یہ ہے کہ حلول و اتحاد اس کے لیے ممکن نہیں یہ امر بداہت عقل کے ذریعہ ثابت اور مذہب حق کے ضروریات میں سے ہے بکثرت نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں تمام اہل اسلام میں سے سوائے صوفیہ کے ایک چھوٹے سے گروہ کے اس مسئلہ پر کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ دلیل عقلی کے ذریعہ حلول کا ابطال اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اگر حلول سے ان

ان کی مراد حلول کا عرف خاص والا معنی ہو کہ جسے وہ اختصاص ناعتی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے حلول کنندہ کا محتاج محل ہونا لازم آتا ہے تو اس کا معنی ہے کسی چیز کا احتیاج اور افتقار کے طریقہ پر دوسری چیز میں داخل ہوجانا اور اس کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بالذات مستغنی ہے اور وہ اپنے وجود میں کسی چیز کی طرف محتاج نہیں ہوسکتا اور اگر حلول سے عرف عام والا معنی مراد لیں۔ یعنی کسی چیز کا دوسری چیز میں کسی طریقے سے داخل ہونا۔ اگرچہ کہ احتیاج و افتقار کے طور پر نہ ہو تو یہ معنی بھی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکانی نہیں وہ لامکان ہے اور وہ کسی جہت میں متحقق اور موجود نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ کسی جسم میں کس طرح حلول کرسکتا ہے؟ اور داخل ہوسکتا ہے؟ مگر صوفیہ نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے علامہ حلی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب کشف الحق میں فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جمہور مسلمین میں سے صوفیہ نے اختلاف کیا ہے انہوں نے عارفین کے بدنوں میں اللہ تعالیٰ کے حلول کو جائز اور ممکن قرار دیا ہے۔

وتعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیرا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے وہ اس سے بہت بلند اور برتر ہے وہ نہ کسی میں حلول کرسکتا ہے اور نہ کسی چیز کے ساتھ متحد ہوسکتا ہے بداہت عقل اس کا حکم لگانے والی ہے کہ دو متغایر چیزوں میں اتحاد محال ہے۔ لیکن صوفیہ اس کو جائز و ممکن قرار دیتے ہیں۔

ے ملاحظہ ہو کتاب احقاق الحق طبع ایران صہ ۳۰۔ البحث السادس فی انہ تعالیٰ لا یحل فی غیرہ و صہ ۲۹۔ البحث الخامس فی انہ تعالیٰ لا یتحد لغیرہ۔

علامہ حلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مسئلہ اتحاد میں بھی صوفیہ عامہ کی ایک جماعت نے مخالفت کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ عارفین کے بدنوں کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے ان میں سے بعض نے تو اس حد تک مبالغہ کر دیا ہے کہ کہتے ہیں کہ خدا نفس موجود ہے اور ہر موجود خدا ہے حالانکہ یہ اتحاد لا عین کفر ہے۔ انتہی مخلصہ۔

علامہ حلی علیہ الرحمۃ نے یہ آخری قول جو نقل کیا ہے اور محققین صوفیہ کے اتحاد والے قول سے جو کچھ غور و تدبر کے ذریعہ معلوم ہوا ہے یہ بعینہ ابن عربی اور ملا حیدر علی آملی کا قول ہے کہ جو کتاب جامع الاسرار و منبع الانوار کا مصنف ہے جیسا کہ ان کے کلمات میں چشم بصیرت سے نگاہ کرنے والے پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ اور تاویل کی اس میں گنجائش نہیں ہے۔ اور تشیع اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اگرچہ جناب قاضی نور اللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ کا کلام اس مقام پر اضطراب سے خالی نہیں ہے۔ قاضی صاحب قدس سرہٗ کو چونکہ ان کے متعلق حسن ظن حاصل تھا۔ اس لیے وہ ان کے کلام کی تاویل کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان کے اعتقاد فاسد میں شریک نہیں ہیں لیکن وہ کہاں تک تاویل کریں گے۔ مقولہ عقلاً ہے لن یصلح العطار ما افسد الدھر زمانہ جسے خراب کر دے عطار اس کی اصلاح ہرگز نہیں کر سکے گا۔

اس مقام پر شارح مواقف نے انصاف کیا ہے کہ جو اہل سنت کے فضلا میں سے ہے چنانچہ اس نے کہا ہے کہ میں نے صوفیہ وجودیہ میں سے ایک شخص کو دیکھا ہے۔ جو حلول اور اتحاد ہر دو عقیدوں سے انکار کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ

بیان کرتا ہے کہ یہ دونوں قول غیریت کا پتہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہم وحدت الوجود کے قائل ہیں دوئی اور غیریت کے اصلاً قائل نہیں ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس کے گھر میں دوسرا کوئی ہے ہی نہیں وہ خود ہی ہے۔

شارح مواقف نے یہ وحدت الوجود والا جو قول نقل کیا ہے یہ بعینہ ملاحیدر علی عبیدلی کا قول ہے جو اس نے ابن عربی کی اتباع میں اختیار کیا ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اتحاد اور حلول والا قول نصاریٰ اور بعض صوفیہ کا مذہب ہے لیکن صوفیہ حقہ اتحاد کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے وجود غیر کی مطلقاً نفی کر دی ہے تو پھر ہم بس صرف ایک وجود کے قائل ہیں دوسرے کسی وجود کے قائل نہیں ہیں۔ تو ہم پھر اتحاد اور حلول کے قائل کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ دونوں قول دوئی اور غیریت پر مبنی ہیں۔

جب یہ امر معلوم ہو چکا تو اب جاننا چاہیئے کہ شارح مواقف اپنے کلام سابق کے بعد کہتے ہیں یہ عذر اس گناہ سے بھی بدتر ہے اور قول وحدت وجود کا بطلان قول اہل حلول و اتحاد کے بطلان سے بھی زیادہ واضح ہے کیونکہ ان کے قول کی بنا پر حقائق امکانیہ کا واجب تعالیٰ کے ساتھ اختلاط لازم آتا ہے کہ جس کی جسارت کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کوئی ایسا شخص کر سکتا ہے جو تھوڑی بھی تمیز رکھنے والا ہو انتہی مخلص کلام۔

علامہ حلی علیہ الرحمۃ کشف الحق میں اقوال صوفیہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ان مشائخ کی طرف دیکھئے کہ جن کی زیارت کے ذریعہ اہل سنت تبرک حاصل کرتے ہیں کہ پروردگار عالم کے متعلق ان کے کیسے کیسے اعتقادات ہیں کہ کبھی

اس کے لیے حلول جائز قرار دیتے ہیں اور کبھی اتحاد کو اس کے لیے صحیح قرار دیتے ہیں۔ عبادت ان کی ناچ گانا اور تالیاں بجانا ہے۔ اور ان کا یہ حال وجد اور "حال" کی مجلسوں میں ساری مخلوقات پر واضح اور ظاہر ہے یہی تو وہ امور ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے زمانہ کفر و جاہلیت کے کفار کی مذمت اور تعبیر کی ہے چنانچہ فرمایا ہے وما كان صلوتهم عند البيت الا مكاء و تصدية [1] کہ ان کفار کی بیت اللہ کے پاس عبادت سوائے تالیاں بجانے اور سیٹیاں بجانے کے کچھ اور نہ تھی۔

اس سے بڑھ کر کوئی حماقت اور تغافل نہیں ہو سکتا کہ ایسے لوگوں کو متبرک سمجھ کر ان سے تبرک حاصل کیا جائے۔ جو ایسے طریقے سے عبادت کرتے ہیں جس عبادت پر اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کی ہو۔ [2] فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔

میں نے صوفیا کی ایک جماعت کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی مشہد مبارک اور روضۂ اقدس میں دیکھا تھا۔ جنہوں نے ایک شخص کے علاوہ نماز مغرب پڑھی مگر وہ شخص بغیر نماز بجا لانے کے یونہی بیٹھا تھا۔ ایک گھڑی بھر کے بعد وہ نماز عشا بجا لائے لیکن وہ شخص نماز عشا بھی نہ بجا لایا۔ میں نے ان میں سے بعض سے پوچھا کہ اس شخص نے نماز کیوں نہیں پڑھی تو انہوں نے کہا کہ اس کو نماز

---

[1] پ ۹ ع ۱۸ الانفال آیت ۳۵ [2] پ ۱۷ ع ۱۳ الحج آیت ۴۶ (مترجم)

کی کیا حاجت و ضرورت ہے حالانکہ خدا تک پہنچ چکا ہے اور جب واصل باللہ ہو چکا ہے۔ تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے اور خداوند عالم کے درمیان حجاب قائم کرے نماز تو بندہ اور پروردگار کے درمیان ایک حجاب ہے۔ صاحبان عقل ان لوگوں اور ان کے اعتقادات فاسدہ دربارۂ خداوند عالم اور ان کی عبادت اور ترک نماز کے متعلق ان کے تراشے ہوئے عذر کے متعلق ذرا غور فرماویں۔ باوجود ان کی اس حالت کے یہ جہال ان کو اہل کمال سے قرار دیتے ہیں اور ان کو ابدال کے منجملہ سمجھتے ہیں [1]

حضرت مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے اہل زمانہ میں سے ایک جماعت ہے جنہوں نے بدعات کو اپنا دین بنا رکھا ہے ان کے ذریعہ وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اس کا نام انہوں نے تصوف رکھا ہوا ہے الخ اور رہبانیت یعنی ترک اہل و اقارب اور مخلوق خدا کے ساتھ مل کر زندگی بسر نہ کرنے کو وہ عبادت جانتے ہیں حالانکہ پیغمبر خدا نے رہبانیت سے منع فرمایا اور نکاح کرنے۔ متعہ کرنے، مومنین کی صحبت میں بیٹھنے ان کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرنے جمعہ و جماعت میں حاضر ہونے ایک دوسرے کو ہدایت کرنے احکام دین کی تعلیم دینے۔ احکام دین کے حاصل کرنے مریضوں کی بیمار پرسی کرنے جنازۂ مومن کے ساتھ جانے مومنین کی حاجت روائی کے لیے کوشش کرنے۔ نیکی کا حکم دینے، برائی سے منع کرتے حدود الٰہیہ کو قائم کرنے

---

[1] صوفیہ کے متعلق یہ ساری عبارت احقاق الحق کے صفحات ۲۹، ۳۰ میں مرقوم ہے (مترجم)

شریعت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو ترویج دینے ان کی اشاعت کرنے وغیرہ امور پر پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تاکید سے ترغیب دلائی اور ان کے بجالانے پر مخلوقات کو آمادہ کیا۔

اور یہ رہبانیت جو انہوں نے خود ایجاد کر لی ہے اس سے ان تمام امور خیر واجبات اور مستحبات کا ترک لازم آتا ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے بہت سی عبادات ایجاد کر لی ہیں، جن کے منجملہ ہے ذکر خفی اور ذکر جلی کہ مخصوص ہیئتوں پر ان کو بجالاتے ہیں اور وہ اشعار میں وہ راگ الاپتے ہیں۔ اور گدھوں کی طرح وہ آوازیں بلند کرتے ہیں تالیاں بجاتے اور سیٹیاں بھی بجالاتے ہیں اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ ان دو طریقہ کی عبادتوں کے علاوہ کوئی ایسی عبادت ہی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں توجہ اور اعتناء کے لائق ہو اور نماز میں صرف زمین پر اس طرح سر دے مارنے پر اکتفا کرتے ہیں جس طرح کہ کوا اپنی چونچ سے زمین پر ٹھونگیں مارتا ہے اور اگر ان کو علماء دین کا خوف نہ ہوتا تو بالکل نماز کو ترک ہی کر دیتے اور صرف اسی پر ہی انہوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ اصول دین کو درہم برہم کر دیا اور وحدت الوجود کے قائل ہو گئے اور اس وحدت وجود کا جو معنی ان کے مشائخ سے سنا جاتا ہے وہ کفر محض ہے اور وہ جبر کے قائل اور عبادات و طاعات کے ساقط ہونے کے قائل ہیں اور اس قسم کے دیگر پست اور خسیس اقوال کے بھی قائل ہیں۔

لہٰذا اے برادران ایمانی! اپنے آپ کو اور اپنے ایمان کو ان شیطانوں کے وسوسہ سے بچائیے اور ان کے اس مکر و فریب سے محفوظ رہیے جس کے ذریعہ

وہ عوام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے۔

ساتویں صفت سلبیہ' وہ مرئی نہیں

جب یہ معلوم ہو چکا کہ خداوند عالم نہ جسم ہے اور نہ جسمانی اور نہ وہ مکان کا محتاج ہے نہ کسی جہت میں ہونا اس کی شان کے لائق ہے اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اوپر کی جانب ہے یا نیچے کی جانب اور نہ ہی یہ کہ وہ بجانب شمال ہے یا بجانب جنوب یا دائیں جانب کو یا بائیں جانب کو۔ یا مشرق میں ہے یا مغرب میں نہ وہ جہت رکھتا ہے نہ کسی چیز کے بالمقابل ہو سکتا ہے لہٰذا ضروری اور لازم ہے کہ دنیا اور آخرت ہر دو میں اس کا آنکھ سے دکھائی دینا محالات میں سے ہو چنانچہ ارشاد ربی ہے [۱] لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر نیز فرمایا [۲] فقد سألوا موسیٰ اکبر من ذالک فقالوا ارنا اللّٰہ جھرۃ وقال لن ترانی یہ نصوص ہیں اس مسئلہ کے متعلق اور ایک خبر دار و افکار کے علاوہ آپ کو صحیح خبر کوئی نہیں دے سکے گا۔

---

[۱] پ ۷ ع ۱۲ الانعام آیت نمبر ۱۰۳، آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے وہ بڑا باریک بین اور خبر دار ہے۔

[۲] پ ۶ ع ۲ النساء آیت نمبر ۱۵۳ بے شک انہوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز کا سوال کیا تھا، چنانچہ انہوں نے کہہ دیا ہمیں ظاہر بظاہر خدا دکھا دیجیے اور اللہ

تحت۲۔ ابوہاشم جعفری سے مروی ہے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے آیت مبارکہ "لا تدرکہ الابصار" کا معنی دریافت کیا تو فرمایا کہ قلبی خیالات و اوہام آنکھوں کی نظر سے زیادہ دقیق ہیں بعض اوقات ایسا ہو سکتا ہے کہ تو اپنے وہم کے ذریعہ سندھ ، ہند اور دیگر ان ممالک وعلاقہ جات کو پالے اور ان کا ادراک کرتا رہے کہ جن میں تو داخل ہی نہ ہوا ہو اور تو نے دیکھی ہی نہ ہو لیکن اللہ جل شانہ کی ذات والاصفات تک وہم کو بھی رسائی نہیں ہو سکتی اور جب وہم کو رسائی نہیں ہو سکتی تو نگاہ چشم تو اس سے بھی ضعیف تر ہے

الاحتجاج طبرسی علیہ الرحمۃ میں یونس بن ظبیان سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے جس کی عبادت کرتے ہو ؟ فرمایا کہ میں اس خدا کی عبادت کرنے والا نہیں جسے میں نے دیکھا نہ ہو۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے کس طرح دیکھا ہے ؟ فرمایا کہ آنکھوں نے معائنہ اور مشاہدہ کے طور پر اسے نہیں دیکھا۔ لیکن دل کی آنکھوں

نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے (مترجم) تحت۲ اصول الکافی ج ۱ ص۹۹ ، الطبع جدید مرآۃ العقول شرح اصول الکافی ج ۱ ص۱ ، متن حسب ذیل ہے۔

محمد بن ابی عبد اللہ عمن ذکرہ عن محمد بن عیسیٰ عن داود بن القاسم ابی ہاشم الجعفری قال ، قلت لابی جعفرؑ لا تدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار فقال یا ابا ہاشم اوہام القلوب ادق من ابصار العیون انت تدرک بوہمک السند والہند والبلدان التی لم تدخلہا ولا تدرکہا ببصرک و اوہام القلوب لا تدرکہ فکیف ابصار العیون (مترجم)

تحت۳ الاحتجاج ص۱۸۱ الطبع قدیم متن حدیث۔ عن یونس بن ظبیان قال

نے اسے حقائق ایمان کے ذریعہ دیکھا ہے وہ حواس کے ذریعہ ادراک نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وہ پاک پروردگار لوگوں اور انسانوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے وہ معروف ہے ۔ عارفین کو اس کی معرفت حاصل ہے لیکن مخلوق کے ساتھ تشبیہ رکھنے کے بغیر اس کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت امام علی رضا علیہ التحیۃ والثنا سے منقول ہے کہ ایک کلام طویل کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ پاک پروردگار آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

اور جب دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ذریعے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا آنکھ سے دکھائی دینا محال ہے تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ دکھائی دینے والی شے نہیں ہے۔ لہٰذا وہ آیات اور احادیث مبارکہ کہ جن کا ظاہر اس مقصد متیقن ومعلوم

دخل رجل علی أبی عبد اللہؑ فقال لہ أرأیت اللہ حین عبدتہ قال فقال لہ ما کنت أعبد شیئا لم اره قال فکیف رأیتہ قال لم تره الابصار بمشاهدة العیان ولکن رأتہ القلوب بحقائق الایمان ، لا یدرک بالحواس ولا یقاس بالناس معروف بغیر تشبیہ (مترجم)

تحت۱ اصول الکافی طبع جدید ج ۱ ص۱۳۳ و مرآۃ العقول ج ۱ ص۶۹

حدیث نمبر۳ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے۔ فہذا دلیل علی أن اللہ تعالیٰ لا یری بالعین (مترجم)

کے خلاف وہم پیدا کرے وہ ماؤل ہوں گی یا مطروح قرار پائیں گی۔ لیکن اہل سنت میں سے فرقہ اشاعرہ والے عقل سے دست بردار ہو کر قلبی کجی کے باعث بعض متشابہات سے تمسک کرتے ہوئے اور بعض موضوع روایات کی طرف استناد کرتے ہوئے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ان آنکھوں سے دکھائی دینے کے قائل ہیں جو ہر انسان کے سر میں جا گزیں ہیں اور رؤیت و دکھائی دینے کی شرائط سے انہوں نے انکار کر دیا اور سوفسطائیہ[1] سے بھی گوئے سبقت لے گئے۔ اس اجمال کی تفصیل جیسے کہ علامہ حلی علیہ الرحمتہ نے افادہ فرمایا ہے یہ ہے کہ دکھائی دینے کے لیے آٹھ چیزیں شرط ہیں۔

ایک حاسۂ بصر کا صحیح وسالم ہونا۔ دوسرے یہ کہ جو چیز دیکھی جا رہی ہے وہ دیکھنے والے کے سامنے مقابلہ میں ہو یا سامنے ہونے کا حکم رکھتی ہو جیسے آئینہ کے ذریعہ اس چیز کا سامنے ہونے کے حکم میں ہونا۔ تیسرے وہ چیز حد سے زیادہ قریب نہ ہو۔ چوتھے بہت زیادہ دور نہ ہو۔ پانچویں درمیان میں کوئی چیز حائل اور حاجب نہ ہو چھٹے دکھائی دینے والی چیز ہوا کی طرح ایسی شفاف نہ ہو کہ جو دکھائی نہ دے سکتی ہو۔ ساتویں دیکھنے والا دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور آٹھویں اندھیرا نہ ہو روشنی ہو۔

---

[1] سوفسطائیتا اس حکمت کا نام ہے جس کی بنیاد وہم پر ہے۔ سوفسطائی ع حکما کا ایک گروہ جس کی بنیاد وہم پر ہے اور حقائق کو نہیں مانتے۔ لغات فیروزی صفحہ ۳۰ سے گو۔ ف۔ گیند الخ لغات فیروزی صہ ۳۱ (مترجم)

ظاہر ہے کہ ان شرائط کے موجود اور متحقق ہونے کی صورت میں رؤیت اور دکھائی دینا ضروری اور لازم ہے ان آٹھ شرائط میں سے کسی ایک کے متحقق نہ ہونے کی صورت میں رؤیت متحقق نہیں ہو سکتی منتفی ہو جاتی ہے کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اگر بینائی میں عیب ہو تو رؤیت واقع نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر دکھائی دینے والی چیز سامنے یا بالمقابل نہ ہو تو دکھائی نہیں دے سکتی اور اگر اس کو آنکھ کے ساتھ اس طرح متصل کر دیا جائے کہ درمیان میں فاصلہ باقی نہ رہے تو نگاہ کام نہیں کر سکتی اور اگر حد سے زیادہ دور ہو یا درمیان میں کوئی چیز حائل اور مانع موجود ہو تو بھی نظر نہیں آ سکتی۔ اور اگر دیکھنے والا دیکھنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو یا چشم پوشی کرے تب بھی دکھائی نہیں دے سکتی۔ اگر دکھائی دینے والی چیز تاریکی اور اندھیرے میں ہو تو بھی قوتِ باصرہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ تا وقتیکہ روشنی حاصل نہ ہو۔ مگر اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ شرائط ضروری نہیں ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ایک نابینا شخص مثلاً اگر مشرق میں ہو تو بھی وہ ایک سیاہ چیونٹی کو دیکھ سکتا ہے جو کہ ایک ایسے ہی سیاہ پتھر پر بیٹھی ہو اور وہ پتھر رات کی تاریکی میں نقطہ مغرب میں پڑا ہوا ہو اور بکثرت حجابات اور حائل ہونے والی چیزیں درمیان میں موجود ہوں اور اس کے برعکس وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک صحیح البصر شخص کے سامنے بلند و بالا مختلف رنگ رکھنے والے پہاڑ موجود ہوں جو سر بفلک اونچے اور روشنی میں متحقق اور موجود ہوں تاہم ممکن ہے کہ وہ شخص ان پہاڑوں کو نہ دیکھ سکے گویا ان بدیہیات کے انکار سے ان کا اپنا مقصد اپنے اس فاسد عقیدہ کو صحیح قرار دینے کی کوشش ہے کہ آخرت میں اللہ تعالےٰ

کی رویت اور دیدار ہوگا۔
شاہ عبد العزیز دہلوی اپنے تحفہ میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے
مومنین آخرت میں اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور کافر و منافقین اس
نعمت سے محروم رہیں گے۔ یہی ہے اہل سنت والجماعت کا مذہب۔
انتہی کلامہ،

اہل سنت کا یہ عقیدہ کہ جس پر انہیں بڑا فخر ہے اس کی نہ کوئی دلیل
عقلی ہو سکتی ہے اور نہ ہی آیات محکمات اور احادیث میں سے کوئی دلیل نقلی عقلی
کے فقدان کی وجہ یہ ہے کہ خود حضرات اہل سنت کا امام فخر الدین رازی اہل سنت
کے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے فظهر لك من مجموع ما
کہ جو کچھ ہم نے ذکر کر دیا ہے اس کے مجموعہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی ہے کہ اس
مسئلہ میں ادلہ قوی نہیں ہیں۔

ہم کہتے ہیں حق یہ ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ بداہت عقل کے منافی ہے
جیسے کہ سابقاً واضح ہو چکا اور اس اعتقاد کا بطلان واضحات میں سے ہے
لیکن ان کے امام مذکور کا اس ہمہ دانی کے باوجود سپر انداختہ ہو کر کنایۃ کے طور پر
یہ اعتراف کرنا کہ اہل سنت کے دلائل عقلیہ ضعیف اور کمزور ہیں حالانکہ کنایہ تصریح
سے زیادہ بلیغ اور زور دار ہوتا ہے۔ ہمارے لیے ان کے ادلہ کی کمزوری کے
لیے کافی ثبوت ہے۔

رہے مسئلہ رویت میں اہل سنت کے دلائل نقلیہ جن پر اعتماد کر کے
انہوں نے مقتضائے عقل سے دستبرداری اختیار کر لی ہے ان کے منجملہ ایک

دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
جو پیغمبر مرسل تھے اپنے قول رب ارنی انظر الیک بجناب رب العزت سے
رویت کا سوال نہ کرتے کیونکہ حضرت موسیٰؑ کا حال دو صورتوں سے باہر نہیں ہو
سکتا۔ کیونکہ یا حضرت موسیٰؑ کو ان امور کا علم حاصل ہوگا جو خدا کے حق میں ممکن ہیں
اور ان کا بھی کہ جو ناممکن ہے یا ان امور کا آپ کو علم نہیں ہوگا۔ پہلی صورت پر
سوال کا عبث ہونا لازم آتا ہے اور دوسری صورت پر کلیم اللہ کا العیاذ باللہ جہل
لازم آتا ہے۔ یہ ہے ان کے استدلال کا خلاصہ اور ماحصل۔
مگر تعجب ہے کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی طرف تو نظر کرتے
ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا ہے "لن ترانی" اس کی طرف نگاہ نہیں
کرتے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ نے از خود سوال نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب ان کی قوم
نے اصرار کیا کہ حضرت موسیٰ ضرور اس کا سوال کریں۔ اور باوجود حضرت موسیٰؑ کے
سمجھانے کے انہوں نے اس پر ضد کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ کے لیے سوائے سوال
کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تو اس وقت آپ نے سوال کیا جیسا کہ حضرت
امام علی رضا علیہ السلام کے کلام عالی مقام سے اس اجمال کی تفصیل واضح
ہو جاتی ہے۔
علی بن جہم نے روایت کی ہے کہ مامون رشید نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام
کی خدمت میں عرض کیا کہ آیت کریمہ ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ
ربہ قال رب ارنی انظر الیک کیا معنی رکھتی ہے؟ کیسے ممکن ہو سکتا ہے
کہ موسیٰ کلیم اللہ اس قدر بھی نہ جانتے ہوں کہ خداوند عالم کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے

تاآنکہ نوبت بایں جا رسید کہ حضرت موسیٰ ؑ نے جناب رب العزت سے دیدار کرانے کا سوال کر لیا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا اور برتر ہے کہ آنکھوں کے ساتھ دکھائی دے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور آپ نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی کہ اللہ جل شانہ نے ان کو اپنے مکالمہ کے شرف سے سرفراز کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی ہے تو آپ کی قوم نے کہا کہ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اس امر میں آپ کی تصدیق نہیں کریں گے جب تک کہ ہم خود اپنے کانوں سے اس طرح کے کلام کو نہیں سنیں گے جس طرح کہ آپ نے سنی ہے۔ اور آپ کی قوم اس وقت سات لاکھ کی تعداد میں تھی۔ حضرت موسیٰ نے ان میں سے ۷۰ ہزار آدمیوں کا انتخاب کیا۔ پھر ان میں سے سات ہزار کا انتخاب کیا پھر ان میں سے سات سو کا اور پھر ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ اور دامن کوہ میں ان لوگوں کو چھوڑ کر خود پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے۔ اور بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ اللہ جل شانہ پھر ان کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی عرض کو شرف قبولیت حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی ہمکلامی

ے اس روایت کے لیے ملاحظہ ہو الاحتجاج الطبرسی صفحہ ۲۲

کے شرف سے نوازا۔

جب حضرت موسیٰ ؑ کی قوم نے باری تعالیٰ کے کلام کو ہر شش جہت سے سنا تو حضرت موسیٰ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ اس وقت تک ہم یقین نہیں کر سکتے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جب تک کہ ہم اسے ظاہر بظاہر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ لہٰذا یہ سب کے سب اس سوال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عتاب کا مورد ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اور اپنی جانیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں جب حضرت موسیٰ ؑ نے ان حالات کو دیکھا تو دربار رب العزت میں عرض گزار ہوئے کہ اے پروردگار جب میں تنہا واپس جاؤں گا تو بنی اسرائیل مجھ پر اعتراض اور طعنہ دیں گے اور کہیں گے کہ تو چونکہ اپنے دعوے میں سچا نہیں تھا اس لیے تو نے ان کو قتل کر دیا۔ تو اس وقت میں کیا جواب دوں گا۔ اور کون سے عذر کے ذریعہ ان سے نجات حاصل کروں گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا اور موسیٰ ؑ کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

قوم موسیٰ ؑ نے کہا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ اپنی ذات پاک کو تیرے سامنے ظاہر کرے اور پھر آپ ہمیں اس کی کیفیت کے متعلق خبر دیں تو ہمیں اس کی کمال معرفت حاصل ہو جائے گی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اے قوم! اللہ تعالیٰ کو ان سر والی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور اس کی کوئی کیفیت نہیں ہے۔ اور اس پاک پروردگار کی معرفت ان علامتوں اور نشانیوں میں منحصر ہے جن کو اس نے اپنی معرفت کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

حضرت موسیٰ کی قوم نے ان کے کلام کو گوشِ قبولیت سے سماعت نہ کیا اور اپنے سوال پر اصرار کرنے لگے حضرت موسیٰ ع نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ پروردگارا تو میری قوم کے کلام کو سن رہا ہے۔ تو اس امر کو بہتر جانتا ہے جس میں ان کی اصلاح اور بہتری ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ع کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اس کے متعلق سوال کریں جو یہ لوگ آپ سے کہتے ہیں اور اس امر کے باعث میں تجھ سے تیری قوم کی جہالت کے سبب مواخذہ نہیں کروں گا اس وقت حضرت موسیٰ ع نے کہا[1] رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین۔ بعد ازاں حضرت نے "تبت الیک" کی تفسیر میں فرمایا

---

[1] پ ۹ ع ۱۷ الاعراف آیت نمبر ۱۴۳ اور تو موسیٰ نے کہا اے پروردگار تو مجھے اپنی ذات دکھا دے تاکہ میں تیری طرف نگاہ کروں تو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن تم اس پہاڑ کی طرف نگاہ کیجئے۔ اگر وہ اپنے مقام پر قرار پکڑے رہا تو عنقریب تم مجھے دیکھ سکو گے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی۔ تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ ع بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آئے تو کہا کہ اے پروردگار بے شک تو دکھائی دے سکنے سے پاک و پاکیزہ اور بلند تر ہے میں تیرے دربار میں توبہ گار ہوتا ہوں (مترجم)

کہ میں نے اپنی قوم کی جہالت سے روگردانی کر کے اپنی اس معرفت کی طرف رجوع کیا جو مجھے تیری ذات کے متعلق حاصل ہے اور میں پہلا وہ شخص ہوں جو اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ تو دکھائی نہیں دے سکتا۔

والد ماجد اعلی اللہ مقامہ کتاب صوارم میں فرماتے ہیں کہ اس مطلب اور معنی کا قرینہ اور دلیل کہ اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے[1] "واذ قلتم یا موسیٰ الخ" کہ اس وقت کا تذکرہ کیجئے جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ع ہم تیرے لیے ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر بظاہر دیکھیں "تو پھر ایمان لائیں گے۔ اس پر بجلی کے عذاب نے آلیا حالانکہ تم دیکھ رہے تھے۔

نیز اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے "واختار موسیٰ[2] الخ" کہ حضرت موسیٰ نے ہمارے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے "کوہ طور پر لے جانے کے لیے ستر آدمیوں کو چنا۔ پھر جب ان کو زلزلہ نے آلیا تو حضرت موسیٰ ع نے عرض کیا کہ اے پروردگار اگر تو چاہتا تو پہلے ہی ان کو بھی اور مجھ کو بھی ہلاک کر دیتا" کیا اب ہمارے بے وقوفوں اور احمقوں نے جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔

نیز فرمایا کہ اس کی دلیل خداوند تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے "فقد سالوا[3]

---

[1] پ ۱ ع ۶ ۔ البقرہ آیت نمبر ۵۵ [2] پ ۹ ع ۱۹ آیت نمبر ۱۵۵ [3] پ ۶ ع ۲۲ ۔ النساء آیت نمبر ۱۵۳

موسیٰ اکبر من ذلک الخ" کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے تو اس سے بھی بڑا بے ڈھنگا سوال کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کی ذات ظاہر بظاہر دکھا دے۔"

والد گرامی کا یہ جواب نہایت ہی محکم اور پختہ ہے جو کہ واضح دلائل پر مشتمل اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی حدیث کے ذریعہ تائید یافتہ ہے۔ اور شیخ صدوق ابن بابویہ علیہ الرحمۃ اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اعلی اللہ مقامہ نے اسی جواب کو اختیار کیا ہے۔

شیخ اجل ابوالفتوح رازی اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولن نؤمن لک الآیۃ" کے تحت اس طرح فرماتے ہیں جیسا کہ ان کے متعلق منقول ہوا ہے۔ یہ فرمان الٰہی ان لوگوں کے قول کے بطلان کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ دیدار کا سوال اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی طرف سے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی ہے کہ یہ سوال ان کی طرف سے یعنی قوم موسیٰؑ کی طرف سے تھا۔ اور ان کے سوال کے لفظ "حتیٰ نری اللہ جھرۃً" کا حوالہ دے دیا ہے

دوسری دلیل یہ ہے کہ عذاب کی بجلی جو آسمان سے آئی وہ ان لوگوں پر پڑی جو سوال کرنے والے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے محفوظ اور صحیح و سالم رہے اگر موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوال کیا ہوتا تو پہلے بجلی موسیٰ پر پڑتی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں یوں فرمایا ہے یسئلک اھل الکتاب الخ" یعنی اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو

ان پر آسمان سے کتاب نازل کر دے تو موسیٰؑ سے تو اس سے بھی زیادہ بڑا بے ڈھنگا سوال انہوں نے کیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا ارنا اللہ جھرۃً کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات ظاہر بظاہر دکھا دے۔ اتھلکنا الخ کہ پروردگار جو کچھ ہم میں سے سفہا اور احمقوں نے کیا ہے اس کے باعث کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے

سبحان اللہ! بنی اسرائیل کی جس جاہل جماعت نے کمال تمنا سے اس سوال کا اصرار کیا تھا۔ انہیں تو عذاب کی بجلی نصیب ہوئی اور موسیٰؑ کو پچھ وس میں ہونے کے باعث بے ہوشی نصیب ہوئی۔ اور وہ پہاڑ کہ جو ان جاہلوں کے قدم رکھنے کا مقام تھا۔ اسے یہ حالت نصیب ہوئی کہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ معلوم ان لوگوں کے نصیب کیا ہوگا جو صدق دل سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جسموں اور رنگوں کی طرح خداوند عالم ظاہر بظاہر دیدار ہوگا۔ انتہی کلامہ

اس مقصد کی تائید میں کتب فریقین سے دیگر دلائل و براہین اور دیگر جوابات کتاب صوارم میں مذکور ہیں جسے شوق ہو اس کی طرف رجوع کرے۔

اہل سنت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کو پہاڑ کے قرار پکڑ لینے پر معلق اور موقوف کیا تھا اور پہاڑ کا استقرار فی نفسہ امر ممکن ہے اور ممکن پر جو موقوف ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ پہاڑ کا استقرار فی نفسہ ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فرمان لن ترانی کے پیش نظر اور خداوند عالم کے پہاڑ کے متعلق اس علم ازلی کے پیش نظر کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے گا وہ ممتنع اور نا ممکن ہے

اقول بعض علماء نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ پہاڑ کے ریزہ ریزہ ہونے کی

حالت میں پہاڑ کا استقرار فی نفسہٖ ممتنع اور ناممکن ہے۔ اور دیدار پروردگار جس استقرار پر موقوف تھا وہ اسی حالت کا استقرار تھا۔ لہٰذا دیدار خدا امر ممکن پر نہیں امر محال پر معلق اور موقوف ہے (مترجم)

دلائل اہلسنت میں سے ایک یہ آیت بھی ہے "وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"[1] نیز یہ آیت بھی ہے جو حق کفار میں وارد ہوئی ہے كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ[2] عبدالعزیز دہلوی کہتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ مومنین کے لیے حجاب نہیں ہوگا۔

پہلی آیت سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ لفظ "نظر" لغت عرب میں چند معنوں کے لیے آیا ہے ایک رویت جیسے کہ اہلسنت ادعا کرتے ہیں دوسرے انتظار تیسرے دیکھنے کے لیے آنکھ کے ڈھیلے کو حرکت دینا اور چونکہ دلائل عقلیہ ونقلیہ کے ذریعے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت حقیقیہ محال ہے اس لیے دیدار چشم اس جگہ مراد نہیں ہو سکتا۔ اور اس رویت کو صحیح معنوں پر محمول کرنا ممکن ہے لہٰذا محال معنی کو اختیار کرنا اور اس پر اعتماد کرنا نادانی اور حماقت ہے۔

---

[1] پ ۲۹ ع ۱۷ القیمۃ آیت ۲۲، ۲۳ کچھ چہرے اس دن ترو تازہ اور بشاش بشاش ہوں گے جو اپنے پروردگار کی نعمت کو دیکھ رہے ہوں گے (مترجم)

[2] پ ۳۰ ع ۸ آیت ۱۵ بے شک یہ لوگ اپنے پروردگار کی رحمت سے روک دیئے جائیں گے

اس اجمال کی تفصیل اور اس مقال کی توضیح یہ ہے کہ فخر الدین[1] نے لفظ "نظر" کے متعلق ان تینوں معنوں کو نقل کیا ہے اور پہلے معنی کو اس نے ترجیح دی ہے جیسے کہ مذہب اہلسنت ہے اور شاہ عبد العزیز دہلوی نے کہا ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ "نظر" "اِلٰی" کے ساتھ متعدی واقع ہوا ہے۔ اس سے رویت حقیقی اور دیدار چشم کے علاوہ دیگر کسی معنی کا احتمال نہیں رکھتا حالانکہ اس کے ثبوت کی تقدیر پر بھی یہ معنی ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ امر بدیہی ہے کہ نظر صرف وہ چیز آسکتی ہے جو جسم ہو اور صورت ومکان رکھنے والی ہو اور ایسی جہت میں ہو جو نظر کرنے والے کے سامنے اور بالمقابل ہو لہٰذا اگر دیدار چشم مراد لیں تو مذکورہ سارے لوازم ان کو اللہ تعالیٰ کے لیے تسلیم کرنا پڑیں گے جیسے کہ ان کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ ملزوم کا اپنے لوازم سے منفک اور جدا ہونا محال ہے اور لفظ "اِلٰی" کہ جو مسافت کی انتہا پر دلالت کرتا ہے۔ اس تقدیر پر وہ خداوند عالم تک مسافت کے منتہی ہونے پر دلالت کرے گا۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کا مکانی ہونا لازم آئے گا۔

علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر میں عبدالرزاق، احمد، عبدالحمید، بخاری[2] مسلم نسائی دارقطنی، اور بیہقی سے ابوہریرہ کے ذریعہ ایک طولانی روایت نقل کی ہے

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی ج ۸ ص ۲۸۴، ۲۸۵

[2] صحیح البخاری طبع مصر ج ۴ ص ۹۵ باب الصراط وصحیح مسلم باب رؤیت المومنین فی الآخرۃ ربہم بنووی شرح المسلم ج ۱ ص ۳

جس کے بعض فقرات کا حاصل مضمون یہ ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیا بروز قیامت ہم خداوند عالم کو دیکھ سکیں گے تو حضرت نے فرمایا کہ تم بروز قیامت خداوند عالم کو اس طرح دیکھو گے کہ جس طرح آفتاب اور ماہتاب کو تم اس وقت دیکھتے ہو جب کہ ان کے سامنے کوئی حجاب اور کوئی چیز حائل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تمام لوگوں کو جمع کرے گا اور ارشاد فرمائے گا کہ تم میں سے ہر شخص نے جس جس چیز کی اتباع اور پیروی کی تھی۔ اس چیز کی اقتدا میں چلو۔ لہٰذا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش کی تھی۔ وہ اپنے معبود کی پیروی اور اقتدا میں چلے گا

اس امت کے مومنین اور منافقین اپنی جگہ پر باقی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس صورت کو متغیر اور ہیئات کو تبدیل کر کے ان کے سامنے آئے گا اور کہے گا کہ میں ہوں تمہارا پروردگار، وہ اپنے پروردگار کو پہچان نہیں سکیں گے۔ لہٰذا کہیں گے نعوذ باللہ ہم تیرے شر سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ ہم اپنی جگہ پر قائم ہیں تاوقتیکہ ہمارا پروردگار ہمارے پاس آئے اور اسے پہچان لیں۔

پھر اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اس صورت میں آئے گا کہ جس سے وہ اسے پہچان لیں گے۔ وہ ان سے کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں تو وہ کہیں گے کہ بے شک تو ہی ہمارا رب اور پروردگار ہے لہٰذا وہ اس کی متابعت کریں گے۔

دوسری ایک روایت میں منقول ہے کہ خداوند عالم ایک اونچے مکان پر چڑھ کر جھانکے گا۔ اور ان سے کہے گا کہ تم کون ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم مسلمان

ہیں تو خدا کہے گا کہ تم کیا انتظار کر رہے ہو؟ تو عرض کریں گے ہم اپنے پروردگار کے منتظر ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر تم اسے دیکھو تو کیا اسے پہچان لو گے؟ تو کہیں گے کہ ہاں پہچان لیں گے۔ تو خداوند عالم فرمائے گا کس طرح پہچانو گے حالانکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں ہے؟ تو وہ عرض کریں گے کہ ہم نے اس طرح پہچانیں گے کہ وہ نظر نہیں رکھتا پھر اللہ تعالیٰ ان کے سامنے ایسی حالت میں ظاہر ہوگا کہ خوش باش اور خندہ پیشانی ہوگا۔

اور آیت کریمہ "یوم یکشف عن ساق فیدعون الی السجود"[1] کی تفسیر میں ایک دوسری روایت بخاری[2] ابن منذر، ابن مردویہ نے ابوسعید سے نقل کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں فرماتے سنا کہ ہمارا پروردگار بروز قیامت اپنی پنڈلی سے پردہ اٹھائے گا تو ہر وہ مومن مرد اور مومنہ عورت اس کے سجدہ میں گر جائے گا جس نے دنیا میں اس کی خالص عبادت کی ہوگی۔ اور جس شخص نے ریاکاری اور شہرت حاصل کرنے کے لیے اس کی اطاعت کی ہوگی

اس کی پشت اس طرح سخت

ہو جائے گی کہ سجدہ کی طرف جھک نہ سکے گا۔

---

[1] پ ۲۹ ع ۲ القلم آیت ۴۲

[2] صحیح المسلم باب رویۃ المومنین فی الآخرۃ ج ۱ ص ۱۰۴ تفسیر محمد ابن جریر طبری ج ۲۹ ص ۲۳ تفسیر نیشاپور برحاشیہ تفسیر ابن جریر ج ۲۹ ص ۲۲۔

اور مسند ابن راہویہ طبرانی دار قطنی اور دیگر لوگوں سے حاکم کی تصحیح کے ساتھ ایک طولانی حدیث منقول کی ہے جس کے بعض الفاظ کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت مسلمانوں سے پوچھے گا کہ ہر شخص اپنے معبود کی تبلیغ کے باعث اس کے پیچھے چلا گیا تم کس فکر میں ہو؟ وہ کہیں گے ہمارا ایک پروردگار ہے جسے ہم نے اس وقت تک دیکھا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر تم اسے دیکھ لو تو آیا پہچان لو گے؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس اس کی ایک علامت ہے جس کے ذریعہ اگر ہم اسے دیکھ لیں تو پہچان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ کیا علامت ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ علامت ہے پنڈلی کو ظاہر کرنا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دے گا تو وہ سب سجدے میں گر جائیں گے۔ تا آنکہ کہا کہ سبھی سب بہشت میں دروازے کی طرف چل دیں گے اور بہشت کی منازل میں ادنیٰ منزل کو دیکھیں گے تو اس کی خواہش کریں گے تو حق تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ منزل اگر تمہیں دے دی جائے تو ہو سکتا ہے کہ تم پھر کسی دوسری منزل کی خواہش اور خواستگاری کرو تو اس پر وہ خاموش ہو جائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ تو عرض کریں گے ہم نے سوال کیا تھا مگر ہمیں اب حیا لاحق ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آیا تم اس پر راضی نہیں ہو۔ کہ دنیا سے دس گنا مدتم کو عطا کر دوں۔ تو وہ کہیں گے کہ اے پروردگار کیا تو ہمارے ساتھ تمسخر اور ٹھٹھہ مخول کرتا ہے؟ عبداللہ جب اس مقام پر پہنچا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس قدر ہنسے گا کہ اس کے آخری دانت اور حلق کا لٹکا ہوا گوشت ظاہر ہو جائے گا۔

اس قسم کی روایتیں اس کتاب میں بکثرت درج ہیں ان سب روایتوں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دیدارِ خدا کی صورت میں جسمیت اور مکانیت وغیرہ لوازم رویت متحقق ہو جائیں گے۔ بلکہ جو مضحکہ خیز چیز ہے وہ یہ ہے کہ دیدار میں جو چیزیں ضروری نہیں ہیں جیسے ہنسنا اور داڑھوں اور حلق کے لٹکے ہوئے گوشت کا ظاہر ہونا بھی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ تعالی اللہ عن ذالك علواً کبیراً۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اس قسم کی چیزوں سے پاک اور پاکیزہ ہے اور اگر باوجود اپنے مشائخ معتمدین کی ان روایات کے اگر ان کو اللہ تعالیٰ کے تقدس و تنزیہ کا خیال ہو تو پھر رویت کے ادعا اور آیت کو اس معنی پر محمول کرنے سے دست کش ہو جائیں۔ اور شیعوں کے معانی حقہ کی طرف رجوع کریں۔

چونکہ ان امور کی قباحت اور جمہور کے اس مذہب مشہور کے لوازم کی خرابی اور بطلان اس قدر واضح اور روشن ہے کہ منافی بداہت کہا جا سکتا ہے اس لیے علمائے اہل سنت سے محققین ان قبائح و شنائع کے لازم و ملزوم آنے کو سوچ کر تاویل کے درپے ہو گئے ہیں حتیٰ کہ علامہ قوشجی نے رویت حقیقیہ کی نفی پر اتفاق علما کا ادعا کرتے ہوئے کہا ہے لا نزاع للنافین الخ کہ رویت کی نفی کرنے والوں کے درمیان اس امر میں تو کوئی نزاع اور جھگڑا ہی نہیں کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کا علمی کامل انکشاف مخلوق کے لیے جائز اور ممکن ہے اور نہ ہی اثبات کنندگان کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت کا آنکھ کی پتلی میں مرتسم و منطبع ہونا یا آنکھ سے نکلنے والی شعاع کا ذات پاک پروردگار سے اتصال پذیر ہونا ممتنع اور محال

ہے۔ اہل سنت کے علمائے محققین نے بالخصوص نزاع کا محل حالت اور کیفیت خاصہ کو قرار دیا ہے کہ جو رویت و دیدار کا حقیقی معنی ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ علم تام کی طرف راجع ہوتا ہے اور شیعہ جو تاویل کرتے ہیں وہ اس کے قریب ہے اسلیے اہل سنت کے امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ بے شک اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ مثبتین و نافین کا اختلاف اس میں نزاع لفظی کے قریب ہے لیکن شاہ صاحب اہل سنت کی سنت قدیمہ کو محکم پکڑے ہوئے حقیقی معنی میں رویت دیدار کے التزام کی صراحت کرتے اور اس پر فخر و مباہات کرتے ہیں اور اپنے علما محققین کی اس تمام کوشش ناکام کو تباہ اور برباد کرتے ہیں کہ جو انہوں نے اہل سنت کی پردہ پوشی کے متعلق اختیار کی تھی۔ اور بمفاد مثل مشہور ہمہ آتش در کاسہ ریزی مذہب باطل اپناتے ہوئے سوفسطائیہ کی اقتدا اور انکار بداہت کی قباحت اختیار کر کے جواب سے چشم پوشی اختیار کر لی ہے۔

ہاں تو پھر فرما دیں کہ جب دیدار حقیقی مراد لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جسم دیکھنے والے کے سامنے اور خاص جہت و مکان میں ہونے والا اقرار دیا ہے۔ جیسے کہ اہل سنت کا فرقہ مشبہہ اہل سنت کی روایات کے مطابق اس کا قائل ہوا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور جسمانیت سے مراد تنزیہہ اور پاکیزگی کا ادعا مباحث الہیات میں کس طرح کر دیا ہے البتہ شرم و حیا کا پردہ اپنے چہرے سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور جسمانیت کی تصریح نہیں کرتے۔ اور اگر علم تام بذات الہٰی حاصل ہو جانے کے ساتھ تاویل کریں تو پھر شیعوں کا کیا قصور ہے۔ حالانکہ شیعوں نے اس آیت میں یہ تاویل بھی نہیں کی ہے بلکہ دوسرے معنی مراد لیے

ہیں جو احادیث کے نصوص صریحہ اور اہل لغت کی ان تصریحات کے مطابق ہیں جو انہوں نے اس مقام پر ذکر کی ہیں۔

اول یہ کہ ناظرہ کا لفظ اس آیت میں منتظرہ کے معنی میں ہے اور "الیٰ" حرف جر ہے۔ احتجاج طبرسی میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ کی تفسیر میں حضرت نے فرمایا کہ یہ حالت اس مقام اور اس جگہ کی ہوگی کہ جب دوستان خداوند عالم حساب سے فراغت حاصل کر کے ایک نہر کی طرف جائیں گے جس کا نام حیوان ہے اس میں وہ غسل کریں گے۔ اور اس کا پانی پئیں گے۔ تو وہ ترو تازہ ہو جائیں گے۔ صورتیں ان کی نورانی ہو جائیں گی۔ ہر قسم کے میل کچیل اور کثافت ان سے دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد بہشت عنبر سرشت میں داخل ہونے کا انہیں حکم دیا جائے گا۔ تو یہ وہ مقام ہوگا جہاں وہ اپنے رب کے انتظار میں ہوں گے کہ کیسے ان کو ثواب سے سرفراز کرتا ہے۔

کتاب الاحتجاج میں ہی ہے کہ بعض لغتوں میں لفظ "ناظرۃ" "منتظرہ" کے معنی میں آیا ہے۔ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا "فناظرۃ بم یرجع المرسلون" یعنی حضرت بلقیس نے کہا کہ میں منتظر ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں کتب اہل سنت میں بھی اس کی مثل اس لفظ کی تفسیر وارد ہوئی ہے علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں کہا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابو صالح سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد

الاحتجاج طبرسی ص۲۹

وجوہ یومئذ ناظرۃ کے متعلق حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا ناضرۃ یعنی خوبصورت اور تروتازہ اور "الی ربہا ناظرۃ" کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے ثواب کی طرف منتظر ہوں گی۔

جناب علامہ فہامہ والد ماجد اعلی اللہ مقامہ اس قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد فخر الدین رازی کے کلام سے عدلیہ کی حکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بکثرت صحابہ اور تابعین نے حضرت علی علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں اس طرح روایت کی ہے کہ وہ آخرت میں بھی اسی کیفیت سے دیکھیں گے جس طرح وہ دنیا میں دیکھتے تھے۔ یعنی وہ انتظار میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کونسی نعمتیں اور کونسا احسان انہیں حاصل ہوتا ہے۔

سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ نافع الازرق نے ابن عباس سے پوچھا تو ابن عباس نے کہا کہ "ناظرہ" کا معنی یہ ہے "کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت کرامت واعزاز کا انتظار کریں گے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ کیونکہ آنکھیں اس کی ذات پاک کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ نیز سعید سے بھی اور مجاہد سے بھی روایت ہے کہ اس آیت "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ۔" کا معنی یہ ہے کہ وہ چہرے خوبصورت اور ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے پروردگار کے ثواب کی طرف منتظر ہوں گے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ امامیہ اثنا عشریہ کے طریقہ سے ان احادیث کی موید احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں لہٰذا کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ باوجود مسلمانی کے دعوی کے کلام اہل بیت اطہار کو العیاذ باللہ پس پشت ڈال دیں کہ جو اللہ تعالیٰ

کی کتاب ناطق ہیں۔ اور تمام امت کے اجماع و اتفاق کے مطابق اہل اسلام کو ان سے تمسک کرنے اور ان کی اتباع اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیات قرآن کی تفسیر میں ان کی طرف رجوع کرنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے اور حسبنا کتاب اللہ کے قائل کی تقلید کرتے ہوئے احد ثقلین یعنی اہل بیت رسول سے روگردانی اختیار کر کے بمقتضائے من تخلف عنہا ھوی اپنے آپ کو گمراہی کے سمندر میں غرق کر دیں۔ انتہی کلامہ اعلی اللہ مقامہ

اور یہ جو اہلسنت نے کہا ہے کہ لفظ "نظر" انتظار کے معنی میں ہو تو اس کا تعدیہ لفظ "الی" سے واقع نہیں ہوا ہے اس کے دفعیہ اور جواب کے لیے امام فخر الدین رازی کا کلام ہی کافی ہے کیونکہ اس نے اپنی تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ اس کے متعلق مقام تحقیق یہ ہے کہ نظر انتظار کے معنی میں از استعمال نظرتہ بغیر صلہ کے اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کہ خود کسی انسان کا انتظار مقصود ہو لیکن جب کہ کسی کے انعام، احسان اور مدد کی انتظار کا معنی مراد ہو تو پھر نظرت الیہ "الی" کے تعدیہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اس کے علاوہ کتاب صوارم کے الہیات میں دیگر شواہد و مستندات بھی موجود ہیں۔

آیت کریمہ "وجوہ یومئذ ناضرۃ الخ" کا دوسرا حل یہ ہے کہ لفظ "نظر" خواہ انتظار کے معنی میں ہو خواہ دیدار اور رویت کے معنی میں ہر دو صورت لفظ "الی" حرف جر نہیں ہے بلکہ آلا کا مفرد ہے جو کہ نعمت کا نام ہے جیسا کہ سید مرتضے علم الہدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الغرر والدرر میں بعض فضلاء سے نقل کیا ہے کہ "الی ربہا" سے مراد نعمۃ ربہا ہے یعنی وہ

چہرے اپنے پروردگار کی نعمت کے منتظر ہوں گے یا اسے دیکھنے والے ہوں گے کیونکہ آلاء نعمتیں ہوتی ہیں اس کے مفرد میں چار لغتیں ہیں۔ ۱۔ اُلاً جیسے قفاً ۲۔ اَلی جیسے رضی ۳۔ اِلیٰ جیسے معیٰ ۴۔ اُلی جیسے نحیٰ۔

والد مرحوم اعلی اللہ مقامہ نے جوہری سے نقل کیا ہے آلاء نعمتیں ہوتی ہیں اور اس کا مفرد "اَلی" ہے بالفتح اور کبھی کبھی مکسور بھی آتا ہے اور یاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے اس کی مثال معیٰ اور امعاً ہے۔ فیروز آبادی سے منقول ہے کہ آلاء نعمتوں کو کہتے ہیں۔ اس کا مفرد اَلیٌ۔ اَلوٌ۔ اَلیٌ اور اِلیٌ آیا ہے۔ ابن درید اور ابن سکیت دونوں سے مروی ہے مقصور و ممدود دونوں میں یہ ساری لغتیں وارد ہوئی ہیں اور یہ احتمال بہت واضح اور عمدہ ہے۔

مزید ارباب یہ ہے کہ فخر الدین رازی نے اس احتمال کے جواب میں یوں درفشانی کی ہے کہ "الی ربہا" میں لفظ "الی" کے حرف جر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ الف کے ساتھ "جو کہ لعبد از لام ہے" بغیر تنوین کے آیا ہے اور جو لفظ "الی" نعمت کے معنی میں ہوتا ہے۔ وہ تنوین کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے یہ احتمال تمہیں کوئی فائدہ بخش نہیں ہو سکتا۔ مگر فخر الدین رازی بے چارہ اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکا کہ "الی" بمعنی نعمت تنوین کے ساتھ اس وقت آتا ہے جب کہ یہ مضاف نہ ہو۔ لیکن آیت کریمہ "الی ربہا" میں صراحتہً اضافت موجود ہے۔ لہٰذا باوجود مضاف ہونے کے منون کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا رازی صاحب نے جو فرق ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہمارے مطلب میں کوئی خلل پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ امر انتہائی طور پر ظاہر ہے۔ لیکن رازی صاحب

کی سمجھ میں نہیں آیا۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ نے جسے نور نہ بخشا ہو وہ نور سے خالی ہی ہوتا ہے۔

تیسرا حل:۔ آیت پاک "والی ربہا ناظرہ" کا تیسرا حل یہ ہے کہ یہ مجاز حذف ہے۔ لہٰذا اصل کلام کی تقدیر اس طرح ہے "ناظرۃ الی رحمۃ ربہا وثواب ربہا" کہ وہ چہرے اپنے پروردگار کی رحمت کی طرف یا اس کے ثواب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت علامہ علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر[1] میں فرمایا ہے۔ ینظرون الی وجہ اللہ ای اُلی رحمۃ اللہ و نعمتہ قمی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اسی مجاز حذف ہی کے مطابق یہ الفاظ تحریر کیے ہیں اور جب دلیل نقلی یا عقلی حذف پر دلالت کرنے والی موجود ہو تو کسی کلمہ کو تقدیراً محذوف اور ساقط قرار دینے میں کوئی نقص و عیب لازم نہیں آتا۔ قرآن کریم میں اس کی بکثرت نظیریں موجود ہیں۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔[2] واسئل القریۃ ای اسئل اھل القریۃ[3]۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] تفسیر قمی صہ ۲۶۰ مطبوعہ ۱۳۱۵ھ طبع ایران (مترجم)

[2] : پ ۱۳ ع ۳ سورہ یوسف آیت ۸۲

[3] : مطلب یہ کہ لفظ "اسئل اور القریۃ کے درمیان لفظ "اہل" محذوف ہے گاؤں سے پوچھ لو یعنی گاؤں والوں سے پوچھ لو۔ اس حذف کی تصدیق کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۵ صہ ۵۴ تفسیر ابو السعود العمادی برحاشیہ تفسیر کبیر ج ۵ صہ ۱۹۹ تفسیر محمد ابن جریر طبری ج ۱۳ صہ ۲۳ تفسیر کشاف ج ۲ صہ ۲۷۰

وجاء ربک[1] ای امر ربک نیز ارشاد پروردگار ہے وانا ادعوکم الی العزیز الغفار ای الی توحیدہ کہ میں تمہیں عزیز غفار کی طرف یعنی اس کی توحید کی طرف بلاتا ہوں

تفسیر حسن بن محمد النیشا پوری ج۱۳ صہ۷ ۳ برحاشیہ تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر مدارک التنزیل ج۱ صہ۳۰۴ تفسیر جامع البیان بر جلالین صہ۵ ۴۹ و تفسیر جلالین صہ۱۵۱

[1] پ۳۰ ع۱۴ سورۃ الفجر آیت نمبر ۲۲ مطلب یہ کہ لفظ "جاء" اور "ربک" کے درمیان مثل "امر" محذوف ہے تیرا رب آئے گا یعنی تیرے رب کا امر آئے گا۔ اس حذف کی تصدیق کے لیے ملاحظہ ہوں کتب تفسیر علامہ نیشاپوری نظام الدین الاعرج بن محمد بن حسین القمی برحاشیہ تفسیر ابن جریر طبری ج۳۰ صہ۹۰، تفسیر کبیر فخر الدین محمد بن عمر الرازی ج۸ صہ۴۲۸ تفسیر ابی السعود العمادی برحاشیہ تفسیر کبیر رازی ج۸ صہ۴۲۶ تفسیر کشاف ج۴ صہ۲۱۱ تفسیر مدارک التنزیل ج۳ صہ۳۴۹، تفسیر جلالین ۴۹۷ اور کتب خاصہ تفسیر البیان للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن الطوسی اعلی اللہ مقامہ ج۲ صہ۷۷۲، تفسیر مجمع البیان للشیخ ابی علی فضل بن حسن الطبرسی رضوان اللہ علیہ ج۵ صہ۴۸۹۔ تفسیر البرہان مطبوعہ ۱۳۰۲ ج۲ صہ۱۹۰ تفسیر صافی للعلامۃ الفیض رحمۃ اللہ علیہ صہ۴۱۸ ترجمہ مولانا فرمان علی صہ۹۴۶ ترجمہ مولانا مقبول احمد صہ۱۱۷ (۱۲ مترجم)

[2] پ۲۴ ع۹ سورۃ المؤمن آیت نمبر ۴۲ مطلب یہ کہ لفظ "الی" اور العزیز الغفار کے درمیان لفظ "توحید" یا اسکی مثل لفظ محذوف ہے۔ اس

مگر لفظ "ربک" سے پیغمبر خدا یا آئمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد لینا یہ کلام غلات سے مشابہت رکھتا ہے غیر اللہ پر علی الاطلاق لفظ "رب" کا اطلاق نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا اطلاق کسی صحیح حدیث میں بلکہ معتبر یا غیر معتبر کسی بھی قسم کی حدیث میں نہیں دیکھا گیا لہذا میانہ روی اور حتمی صورت کو اختیار کرنا لازم ہے کہ جو صراطِ مستقیم اور بلند مرتبہ مسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الذین[1] قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور پھر وہ مسلک ائمہ ہدیٰ علیہم السلام پر استقامت پذیر ہوئے "بوقت موت" ان پر رحمت کے فرشتے نازل ہوں گے وہ ان سے کہیں گے کہ تم کوئی ڈر اور خوف نہ کرو اور نہ کوئی افسوس کرو اور جس بہشت عنبر سرشت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اس کی خوشخبری حاصل کرو۔

حضرت علامہ فیض کاشانی نے تفسیر[2] صافی میں اس آیت ان الذین

حذف کی تصدیق کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر طبری ج۲۴ صہ۴۰ تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج۷ صہ۳۲۰ تفسیر البیان ج۲ صہ۵۳۵، مجمع البیان ج۲ صہ۵۲۵ (۱۲ مترجم)

[1] پ۲۴ ع۱۸ سورہ حٰم السجدہ آیت نمبر ۳۰ (۱۲ مترجم)

[2] ملاحظہ ہو تفسیر صافی صہ۴۰۹ مطبوعہ ۱۳۱۰ھ طبع ایران تفسیر صافی میں اس مقام پر مزید لکھا ہے کہ:۔

قالوا ربنا اللہ کے متعلق تحریر کیا ہے اعترفوا بربوبیتہ و اقروا بالوحدانیۃ ثم استقاموا علیٰ مقتضاہ کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف اور اس کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اس اعتراف و اقرار کے مقتضا کے مطابق انہوں نے استقامت اختیار کی ان لوگوں پر فرشتے نازل ہوں گے اور جنت کی مذکورہ خوشخبری دیں گے اور کہیں گے کہ کوئی خوف خطرہ نہ کرو اور کوئی افسوس بھی مت کرو۔

وفی نہج البلاغہ وانی متکلم بعدۃ اللہ وحجتہ قال اللہ تعالیٰ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الآیۃ، وقد قلتم ربنا اللہ فاستقیموا علیٰ کتابہ وعلیٰ منہاج امرہ وعلی الطریقۃ الصالحۃ من عبادتہ ثم لا تمرقوا منہا ولا تبتدعوا فیہا ولا تخالفوا عنہا فان اہل المروۃ منقطع بہم عند اللہ یوم القیٰمۃ کہ نہج البلاغہ میں تحریر ہے کہ حضرت جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کے عہد اور اس کی حجت کے متعلق کلام کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الخ کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اس پر انہوں نے استقامت اختیار کی اور تم نے یہ کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا تم اس کی پاک کتاب اور اس کے فرمودہ صحیح راستہ پر اور اس کی عبادت کے بہترین طریقہ پر استقامت اختیار کرو اسے اختیار

حضرت علامہ علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر قمی میں تحریر کیا ہے کہ اس آیت کے اس جملہ "ثم استقاموا" سے مراد یہ ہے کہ وہ ولایت جناب امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں استقامت اختیار کریں گے

کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "ثم استقاموا" کے الفاظ سے مراد یکے بعد دیگرے تمام آئمہ ہدیٰ کی امامت پر استقامت اختیار کرنا ہے۔

تفسیر مجمع البیان[1] میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ لوگوں نے آپ سے "ثم استقاموا" کے الفاظ کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے بخدا اُس مسلک شیعہ اثنا عشریہ پر استقامت اختیار کرنا مراد ہے۔ کہ جس پر تم قائم ہو۔ لہٰذا اس سے مراد امام زمانہ کا مذہب اور اس کا مسلک ہے کہ جو دنیا میں صراط مستقیم ہے اور افراط و تفریط یعنی زیادتی اور کمی سے خالی ہے اور یہ استقامت بہت ہی مشکل اور دشوار امر ہے جو بھی شخص امام کے رستہ سے ہٹ کر کسی دوسری طرف دائیں یا بائیں جانب کو جائے گا وہ طریق حق اور صراط مستقیم سے خارج ہو جائے گا۔

کرنے کے بعد اس سے پھر خارج نہ ہو جاؤ۔ اور اس میں بدعات بھی ایجاد نہ کرو اور اس کی مخالفت بھی مت کرو۔ کیونکہ بروز قیامت دربار العزت میں نجات کاملہ اور مکمل کامیابی اہل مروت سے ہی مختص ہوگی، ۱۲ مترجم

[1] تفسیر مجمع البیان ج ۵ ص ۱۲ ، ۱۲ مترجم

اسی لیے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام نے فرمایا امرنا صعب مستصعب کہ ہمارا معاملہ انتہائی دشوار[1] اور مشکل ہے۔

اور اسی لیے حضرت جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ھلک فی اثنان ولا ذنب لی مبغض مفرط ومحب مفرط کہ میری وجہ سے دو قسم

---

[1] آئمہ علیہم السلام کا معاملہ دشوار اور مشکل اس لیے ہے کہ عموماً انسان تفریط یا افراط میں سے کسی ایک نقص کا شکار ہو جاتے ہیں اس لیے صراط مستقیم پر گامزن ہونے سے وہ محروم ہو جاتے ہیں۔ تفریط میں واقع ہونے والے مثلاً وہ جو جناب امیر المومنین کو رسول خدا کا بلا فصل اور اول خلیفہ نہیں مانتے ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو آپ سے بغض و عناد کو اپنا دین سمجھتے ہیں جیسے خارجی اور ناصبی اور بعض وہ ہیں جو ان کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں کیونکہ دشمن کا دوست بھی انسان کا دشمن ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ ثلاثہ سے محبت رکھتے ہیں وہ اس وجہ سے جناب امیر کے دشمن ہیں کہ وہ ثلاثہ سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور ثلاثہ جناب امیر کے دشمن تھے اور افراط میں گرفتار ہو جانے والے وہ ہیں، جو آنحضرتؑ کو یا جناب امیر علیہ السلام یا کسی امام پاک کو رب العلمین یا الٰہ العلمین قرار دیں یا جو صفات خداوند عالم سے مختص ہیں مثلاً خالق ارواح و اجسام رازق انام اور محی و ممیت ہونا معصومین علیہم السلام کے لیے ثابت کریں تو یہ سب داخل جہنم ہو جائیں گے۔ اور فرمان جناب امیر ھلک فی اثنان الخ کا مصداق بن جائیں گے کیونکہ اول صورت پر شرک فی استحقاق عبادت لازم آتا

کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک تقصیر کنندہ دشمن جو مجھے میرے شان اور مرتبہ سے گھٹاتے ہیں۔ جیسے اہلسنت کہ جنہوں نے سفینۂ اہل بیت علیہم السلام سے انحراف کیا اور اعتقادات فاسدہ اور خرافات باطلہ میں گرفتار ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں گر گئے۔ اور دوسرے وہ میری محبت کا دم بھرنے والے جنہوں نے اس محبت کے معاملے کو افراط اور غلو تک پہنچا دیا۔ جیسے وہ لوگ جو حضرات آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی ربوبیت اور ان کی الوہیت کے قائل ہو گئے یا جنہوں نے ان معصومین کے لیے وہ صفات ثابت کرنے کی کوشش کی جو خداوند عالم سے مختص ہیں۔ مگر میرا اس میں کوئی قصور نہیں کیونکہ وہ از خود اور شیطان کے گمراہ کرنے کے باعث ایسا کرتے ہیں میں نے ان کو ایسا کا حکم نہیں دیا بلکہ بڑی سختی سے منع کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے فرمایا نزلونا عن الربوبیۃ وقولوا فینا ما شئتم کہ ہم کو درجہ ربوبیت سے نیچے رکھو اور پھر جو چاہو ہمارے متعلق کہو اور جو چاہو کہو کے الفاظ سے بھی مراد یہ ہے کہ ایسے فضائل ہیں سے جو چاہو کہو۔ جو الخ

دوسری صورت پر شرک فی الافعال لازم آتا ہے اور شرک ایسا گناہ ہے کہ جو توبہ کے بغیر نہیں بخشا جائے گا۔ خداوند عالم کا ارشاد پاک ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء پ ۵ ع ۶ سورۃ النساء آیت ۴۸ کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا۔ کہ کسی کو کسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے۔ اور شرک سے پست درجہ کا گناہ جس کے لیے چاہے گا بخش دیگا لہٰذا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو افراط و تفریط سے محفوظ رکھے۔ اور محمد وآل محمد علیہم السلام کے نقش قدم و صراط مستقیم پر چلنے کی محبت اور توفیق عطا کرے اور اسی پر مومن کا خاتمہ ہو۔ بحق محمد وآل محمد علیہم السلام ۱۲ مترجم

حد افراط و تفریط تک نہ پہنچے ہوئے ہوں اور ان کی عقلی یا نقلی کوئی صحیح دلیل موجود ہو۔ جو الفاظ ذات پروردگار سے مختص ہیں۔ اور جو صفات اس کی ذات پاک سے خصوصیت رکھتے ہیں ان کا اطلاق آئمہ علیہم السلام کی ذوات مقدسہ پر جائز نہیں ہے۔

آیت پاک کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون[1] کے ذریعہ اہل سنت جو استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت اپنے مفہوم مخالفت کے اعتبار سے دلالت کرتی ہے۔ کہ مومنین اپنے پروردگار کی رویت اور دیدار سے محروم نہیں ہوں گے۔ اس استدلال کا جواب انتہائی واضح اور ظاہر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں وہ امر مذکور نہیں ہے جس سے کفار کی محجوبیت کا تعلق مقصود الٰہی ہے۔ لہٰذا جس چیز سے محجوبیت کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے آیت مجمل ہے حالانکہ مجمل آیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

ان لوگوں کو کہاں سے معلوم ہو گیا کہ جس چیز سے محجوبیت کفار کا تعلق ہے اس سے مراد رویت اور دیدار ہی ہے۔ تاکہ اس کے برعکس مومنین کے لیے رویت کا اثبات ہو سکے۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ کفار کی محجوبیت تمام جہات قرب کے اعتبار سے مقصود ہے تو پھر بھی یہ مقصود نہیں ہو سکتا۔ کہ مومنین مفہوم مخالفت کے لحاظ سے تمام جہات قرب سے محروم نہیں ہوں گے بلکہ زائد سے زائد اتنا ثابت ہو سکے گا کہ مومنین بعض مدارج قرب سے محجوب نہیں ہوں

---

[1] پ۳۰ غ سورہ التطفیف آیت نمبر۱

گے کیونکہ علم منطق کا مسئلہ مشہور ہے۔ کہ ایجاب کلی کا سلب سالبہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے[2]۔ اور ظاہر ہے کہ بعض مدارج قرب کا اثبات دیدار خداوند عالم کو مستلزم نہیں ہے۔

تعجب ہے کہ یہ حضرات ایسے واضح مسائل کو بھی نہیں سمجھ سکتے یا دیدہ دانستہ طور پر ان حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس آیت مبارکہ کے مفہوم مخالفت کو رویت اور دیدار سے رابطہ ہی کوئی نہیں۔ کیونکہ لفظ "حجب عنہ" محاورۂ عرب میں اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کسی شخص کو حاکم یا امیر کے دربار میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اسے اس سے منع کر دیا جائے لہٰذا یہ رویت اور دیدار کے منع کو مستلزم نہیں تاکہ اس کے مفہوم مخالفت سے رویت کا اثبات کیا جا سکے۔ نیز محاورہ عرب میں کہا جاتا ہے "حجب عن المیراث کہ فلاں شخص کو میراث سے محجوب کیا گیا۔ یعنی اس سے اسے روک دیا گیا اور اس مطلب کو بھی رویت کے ساتھ کوئی تعلق حاصل نہیں ہے لہٰذا اس آیت مبارکہ سے منطوقاً یا مفہوماً کفار یا مومنین کی رویت کی نفی

---

[2] کیونکہ ایجاب کلی پر جو قضیہ مشتمل ہوتا ہے اسے موجبہ کلیہ کہتے ہیں اور موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتی ہے۔ اسلئے ایجاب کلی کا سلب سالبہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور آیت مبارکہ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون موجبہ کلیہ ہے اس کے مفہوم مخالفت کا تحقق سلب ایجاب کلی کی صورت میں ہوگا اور سالبہ جزئیہ اسے لازم ہے (مترجم ۱۲)

یا اثبات کیسے کیا جا سکتا ہے؟ غرض نہ اس آیت سے کفار کی رویت کی نفی مراد لی جا سکتی ہے اور نہ پھر مفہوماً مومنین کی رویت کا اثبات کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس آیت کو رویت پروردگار سے کوئی ربط ہی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اہلسنت مفسرین کے اقوال باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ جناب مولانا شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری نے اپنی تفسیر مجمع البیان[1] میں تحریر کیا ہے کہ حسن بصری اور قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ کفار بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کی رحمت سے محجوب اور محروم ہوں گے۔ اور بعض نے یوں تفسیر کی ہے کہ کفار رحمت خدا سے ممنوع اور اس کے ثواب سے مدفوع قرار دیئے جائیں گے۔ وہ مقبولیت و رضائے پروردگار سے مشرف نہیں ہو سکیں گے۔ یہ ابو مسلم کے متعلق مروی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ثواب اور اس کے اعزاز و اکرام سے محروم رہیں گے۔ یہ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے مروی ہے:

ابن بابویہ علیہ الرحمۃ نے علی بن فضال سے روایت کی ہے کہ میں نے اس آیت مبارکہ کے معنی کے متعلق حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سوال کیا تو جناب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و الاصفات محتاج مکان[2] نہیں۔ وہ

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان ج ۵ ص ۳۵۴

[2] سبحان اللہ کیا حکیمانہ انداز میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام

وہ لامکان ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی مکان میں تشریف فرما ہو اور اس کی خدمت میں حاضر ہونے سے لوگوں کو روک دیا جائے۔ بلکہ انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے رب کے ثواب سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ ان مباحث کی تفصیل والد ماجد حضرت علام اعلی دار المقام کی کتاب مستطاب عماد الاسلام اور صوارم میں بڑے بسط اور نقض و ابرام کے ساتھ موجود ہے۔ جسے شوق ہو ان کی طرف رجوع کرے۔

آٹھویں صفت سلبیہ محل حوادث کی نفی

اللہ تعالیٰ کی آٹھویں صفت سلبیہ یہ ہے کہ وہ محل حوادث نہیں کیونکہ اگر وصف حادث اس کی ذات بابرکات کے لیے کمال ہو تو پھر اس کی ذات کا اس سے خالی ہونا محال ہوگا۔

نے سمجھایا مقصد یہ کہ اگر خداوند عالم کی رویت اور دیدار کو ممکن قرار دیا جائے تو پھر اس کی ذات والاصفات کا کسی مکان اور کسی جہت خاص میں موجود ہونا لازم آئے گا جو اس کی جسمیت کو مستلزم ہے وتعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ وہ لامکان ہے اور کسی خاص جہت میں بھی اس طرح موجود نہیں جیسے کہ ایک جسم والی چیز موجود ہوتی ہے لہٰذا آیت کا معنی وہ نہیں کیا جا سکتا جو مستلزم جسمیت ہو اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ کفار و فجار اس کے ثواب سے محروم ہوں گے۔

اور اگر وہ وصف حادث اس کی ذاتِ اقدس کے لیے عیب اور نقص ہو تو پھر اس کی نفی اللہ جل شانہ کے لیے کمال ہوگی۔ لہٰذا وہ اس وصف سے پھر متصف کیسے ہو سکے گا۔

حضرت محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ کی مصنفہ کتاب کافی شریف میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ عمرو بن عبید نے حضرت باقر العلوم سے آیت مبارکہ ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوی کا معنی دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اس آیت میں جو لفظ "غضب" وارد ہوا ہے اس سے مراد عذاب و عتاب خداوندی ہے۔ اے عمرو جو شخص گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر پذیر ہوا ہے۔ جیسا کہ انسان بوقت غضب و غصہ متغیر ہو جاتا ہے۔

حاشیہ: اصول کافی جلد ۱ صا۲۰ طبع تہران حدیث ۵ متن عربی کے الفاظ یہ ہیں۔ عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد البرقی عن محمد بن عیسی عن المشرقی حمزۃ بن المرتفع عن بعض اصحابنا قال کنت فی مجلس ابی جعفر علیہ السلام اذ دخل علیہ عمرو بن عبید فقال لہ جعلت فداک قول اللہ تبارک وتعالی ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوی ما ذلک الغضب فقال ابوجعفر ھو العقاب یا عمرو انہ من زعم ان اللہ قد زال من شئی الی شئی فقد وصفہ
۲ صفۃ مخلوق وان اللہ تعالی لا یستفزہ شئی فیغیرہ انتہی

"تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کو صفات مخلوق[ا] کے ساتھ متصف قرار دے دیا ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ کی ذات پاک ایسی نہیں ہے کہ اسے کوئی چیز حرکت میں لے آئے اور اسے متغیر کر دے۔

---

۱ فقد وصفہ صفۃ المخلوق کے الفاظ دال ہیں کہ صفات خالق اس طرح نہیں جیسے کہ مخلوق کے صفات ہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ صفات مخلوق صفات انضمامیہ ہو سکتے ہیں مگر صفات خالق جل شانہ ہمیشہ صفات انتزاعیہ ہوتے ہیں اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے صفات عین ذات ہیں اور وجہ اس کی ظاہر ہے کیونکہ صفات انتزاعیہ خارج میں بلکہ ظرف اتصاف میں اس طرح موجود نہیں ہوتے کہ وہ زائد بر ذات موصوف ہوں۔ کیونکہ خارج میں ان صفات انتزاعیہ کا موصوف موجود ہوتا ہے اور اس حیثیت میں موجود ہوتا ہے کہ اس سے صفات مذکورہ منتزع کی جاتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ خارج میں صرف ذات خداوند عالم موجود ہے اور صفات اس کے اس کی ذات سے منتزع ہوتے ہیں اسی لیے وہ اپنی صفات علم و قدرت وغیرہ میں وحدہ لاشریک ہے۔ جو شخص اس کے صفات میں کسی کو شریک قرار دے وہ مشرک فی الصفات ہوگا اور تغیر تو بہ کے بخشا نہیں جائے گا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

(مترجم)

اور ہشام بن حکم سے مروی ہے کہ ایک زندیق نے حضرت صادق آلِ محمدؑ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا خدا کے لیے رضا اور غضب ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح کہ مخلوقات میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بندوں کی رضا ایک جدید حالت کا نام

لے ملاحظہ ہو اصول کافی ج ۱ ص ۱۱۲ طبع تہران۔ اصل متن حدیث علی بن ابراھیم عن ابیہ عن العباس بن عمرو عن ھشام بن الحکم فی حدیث الزندیق الذی سأل ابا عبد اللہ علیہ السلام فکان من سوالہ ان قال لہ فلہ رضا وسخط؟ فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام نعم ولکن لیس ذٰلک علی مایوجد من المخلوقین وذٰلک ان الرضا حال تدخل علیہ فتنقلہ من حال الی حال انتھی مانقلہ المصنف العلامہ نور اللہ مرقدہ اس کے بعد بھی اس حدیث پاک کا کچھ حصہ موجود ہے حضرت جناب مصنف سید حسین علیین مکان اعلی اللہ مقامہٗ نے صرف اتنا حصہ نقل کیا ہے جتنے سے ان کے استدلال کا تعلق تھا اور جس قدر انہوں نے نقل فرما دیا اس سے ان کا مقصود ثابت ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور جسمانیت سے منزہ و مبرا ہے اس لیے وہ ایسے عوارض و حوادث کا محل نہیں ہو سکتا جن کا محل جسم ہوتا ہے۔ مخلوق کا رضا اور غضب چونکہ ایسے عوارض ہیں جو جسم کو عارض ہوتے ہیں اور اسے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف متغیر کر دیتے اور اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے رضا و غضب سے پاک ہے

ہے کہ جو ان کی طبیعت میں داخل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر پذیر ہو جاتے ہیں۔ نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا سوائے خداوند عالم کی ذات

جو اسے متغیر کر دے۔ تغیر تو اس کی ذات پاک کے لیے ممکن ہی نہیں کیونکہ تغیر موجب حدوث ہوتا ہے اور وہ ذات پاک قدیم ہے اس لیے وہ کسی بھی امر حادث کا محل نہیں ہو سکتی۔ (مترجم)

ئ۔ یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی جس حدیث پاک کا ماحصل ہے اس کے اصل متن کے لیے ملاحظہ ہو کتاب اصول الکافی ج ۱ ص ۱۲۱ طبع تہران ایران۔ اصل متن یوں ہے "حدیث ۵ احمد بن ادریس عن محمد بن عبد الجبار عن صفوان بن یحییٰ عن فضیل بن عثمان عن ابن ابی یعفور قال سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن قول اللہ عز وجل ھو الاول والآخر" وقلت اما الاول فقد عرفناہ واما الآخر فبین لنا تفسیرہ فقال انہ لیس شیء الا یبید او یتغیر او یدخلہ التغیر والزوال او ینتقل من لون الی لون ومن ھیئۃ الی ھیئۃ ومن صفۃ الی صفۃ ومن زیادۃ الی نقصان ومن نقصان الی زیادۃ الا رب العٰلمین فانہ لم یزل ولا یزال بحالۃ واحدۃ ھو الاول قبل کل شیء وھو الآخر علی مالم یزل ولا تختلف علیہ الصفات والاسماء کما تختلف علی غیرہ مثل الانسان الذی یکون ترابا مرۃ ومرۃ لحما

پاک کے دیگر جو بھی چیز موجود ہے وہ فانی اور تغیر پذیر ہونے والی ہے ہر چیز کی ذات میں بھی اور اس کی صفات میں بھی تغیر اور زوال داخل اور لاحق و عارض ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک رنگ سے دوسرے رنگ کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف اور ایک صفت سے دوسری صفت اور زیادتی سے نقصان اور اس کے برعکس انتقال پذیر ہوتی رہتی ہے مگر خداوند عالم ایسی ذات پاک ہے جو ہمیشہ ایک ہی حال پر ہے اور ایک ہی حال پر ہمیشہ رہے گا۔ وہی اول ہے جو ہر شے سے پہلے ہمیشہ سے موجود ہے اور وہی آخر ہے کہ جو ہر شے کے بعد ہمیشہ کے لیے رہے گا۔ وہ اسی حال پر ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس پر کہ اولاً موجود تھا۔ اس کے اسماؑ و صفات میں تغیر اور مختلف حالت پیدا نہیں ہو سکتی جس طرح کہ اس کے غیر کی صفات میں تغیر پیدا ہوتا ہے مثلاً انسان کہ کبھی وہ مٹی تھا اور کبھی گوشت پوست وغیرہ اور کبھی وہ بوسیدہ ہڈیاں بن جاتا ہے۔ اور جیسے مثلاً خرما کہ کبھی وہ بسر یعنی کچی کھجور کہلاتی ہے اور کبھی وہ رطب تازہ کھجور کہلاتی ہے اور کبھی تمر خشک کھجور کا نام اسے حاصل ہو جاتا ہے اس طرح ہر چیز کے اسماؑ اور صفات متغیر اور متبدل ہوتے رہتے ہیں۔

فتما د صرۃ رفاتا و رمیما کالبسر الذی یکون مرۃ بلحا و مرۃ بسرا و مرۃ رطبا و مرۃ تمرا فتبدل علیہ الاسماء والصفات واللہ عز وجل بخلاف ذلک (مترجم)

لیکن اللہ تعالیٰ کے اسماؑ اور صفات میں تغیر نہیں آسکتا۔

ہم نے اس مقام پر جو دلائل عقلیہ و نقلیہ پیش کی ہیں ان سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے صفات میں وہ تغیر محال ہے جو کہ ممکنات کی ذوات اور صفات انضمامیہ میں ہو سکتا ہے لیکن صفات فعل کے وہ تغیرات کہ جو افعالؑ کے صادر ہونے کے سبب وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ خداوند

ؑ افعال فعل کی جمع ہے اور فعل قدرت کی تاثیر کا نام ہے اور قدرت خداوند عالم چونکہ عین ذات ہے اس لیے اسے تغیر اور حدوث لاحق نہیں ہو سکتا لیکن اس کے تاثیرات کا حادث ہونا ایک واضح امر ہے کیونکہ خداوند عالم حکیم ہے اس کا ہر فعل حکمت اور مصلحت کے تابع ہوتا ہے لہٰذا جس وقت کسی چیز کا وجود قرین مصلحت و حکمت ہوتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کے موجود ہو جانے کا ارادہ فرماتا ہے اور اس کی قدرت اثر کرتی ہے تو وہ چیز فوراً موجود ہو جاتی ہے لہٰذا خداوند عالم اس کا خالق کہلاتا ہے اور اسی طرح جب کسی چیز کے فنا اور معدوم کر دینے میں مصلحت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فنا کا ارادہ فرماتا ہے اور قدرت خدا کے اثر سے وہ شے فنا ہو جاتی ہے خلاصہ یہ کہ قدرت اللہ جل شانہ اگرچہ حادث نہیں لیکن اس کے تاثیرات حادث ہیں جو ہر وقت مصالح اور حکم کے مطابق وقوع پذیر ہو رہے ہیں

اور اسی وجہ سے وہ ذات پروردگار "کل یوم ھو فی شان" کی مصداق ہے۔ لہٰذا ان تاثیرات اور افعال کی وجہ سے جن الفاظ کا

عالم کے لیے بھی ثابت ہوتے ہیں مثلاً خالق اور موجد مغنی اور معدوم کر دینے والا محیی و ممیت کیونکہ یہ امور یعنی خلق و ایجاد۔ عدام و افنا و اماتت و احیاً صفات اضافیہ اور امور اعتباریہ ہیں ان کا حادث ہونا کسی نقص کا باعث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ افعال خداوند عالم کا صدور مصالح اور حکمتوں سے وابستہ ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا ہر فعل اور ترک مصلحت اور حکمت کے موافق صادر ہوتا ہے وہ جس وقت کسی چیز کے وجود کو مطابق مصلحت پاتا ہے اسے موجود کر دیتا ہے۔ اور جب اس کے فنا اور معدوم ہو جانے میں مصلحت پاتا ہے تو اسے فنا کر دیتا ہے۔ لہٰذا جب اس نے مخلوقات کو پیدا کیا تو اس وقت بالفعل خالق ہونے کا اس پر اطلاق ہوا۔ اور جب اس نے ان کو رزق اور نعمتیں عطا کیں تو بالفعل رازق اور منعم اس پر صادق آیا اور اس اعتبار سے کہ اس نے بے جان چیزوں کو جان بخشی لفظ "محیی" اس پر صادق آیا۔ اور اس اعتبار سے کہ زندوں کو موت دیتا ہے اور انہیں مار دیتا ہے اس پر لفظ ممیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ خالق بھی ہے اور باری

اطلاق ذات خداوند عالم پر ہوتا ہے ان پر تغیر واقع ہوتا ہے اور وہ حادث ہیں۔ لیکن ان کے حادث ہونے سے ان صفات کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ جو عین ذات ہیں اور جو اس کے افعال کا سبب اور ان کی علت ہیں خلاصہ یہ کہ خداوند عالم کی قدرت اور علم میں تغیر راہ نہیں پا سکتا۔ کیونکہ وہ اس کی ذات کے صفات ہیں۔ جو عین ذات ہیں لیکن قدرت اور علم کے اپنے متعلقات

اور مصور بھی ہے۔ زندہ بھی کرتا ہے۔ موت بھی دیتا ہے اور وہ بذات خود ایسا زندہ ہے جس کے لیے موت نہیں ہے ہر روز اور ہر وقت و ہر آن میں وہ اپنی ایک نئی شان میں ہے۔

بعض اتباع شیخ احمد احسائی کے قول کا بطلان

اسی سابقہ تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ شیخ احمد احسائی کے بعض اتباع نے جو کچھ کہا ہے وہ گمان فاسد اور توہم باطل و کاسد ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل صرف ایک بے مثل و بے مثال فعل میں منحصر ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو خلق و ایجاد رزق عباد اور احیاً و اماتت بلا واسطہ اور براہ راست ذات خداوند عالم سے وابستہ ہو جائے گی اور اس سے لازم آئے گا کہ اللہ جل شانہ کی ذات محل حوادث ہو۔

شیخ احمد احسائی کے بعض اتباع کا یہ قول باطل دلالت کرتا ہے کہ ان کو معارف حقہ سے کمال درجہ کی جہالت[1] اور اجنبیت حاصل ہے اور گمان فاسد

کے ساتھ جو تعلقات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ حادث اور تغیر پذیر ہوتے ہیں اور اس سے کسی قسم کا استحالہ اور نقص لازم نہیں آتا۔ (مترجم)

[1] کمال درجہ کی جہالت اور اجنبیت شیخ احمد احسائی کے ان بعض اتباع کی اس وجہ سے ظاہر ہے کہ ان کو اتنی سمجھ نہیں آسکی کہ قدرت خداوند عالم کے تاثیرات کے حادث ہونے کے باعث اور ان میں تغیر واقع ہونے کے سبب نہ

اور استحالات ان کے اس قول ناقص وباطل پر متفرع ہوتے ہیں وہ بیان سے مستغنی ہیں عنقریب بعد کو آنے والے ابواب میں ان مفاسد میں سے بعض کا تذکرہ کر دیا جائے گا۔

احقر الوریٰ السید گلاب شاہ النقوی البخاری عفی عنہ
۲۳ اپریل ۱۹۷۴ء مطابق ۲۹ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ
بروز منگل صبح سوا دس بجے در بلدہ شیعہ میانی ملتان۔

قدرت خداوند عالم کا حادث اور متغیر ہونا لازم آتا ہے اور نہ ہی ذات خداوند کا حادث اور متغیر ہونا۔ صفات ذات الٰہی اور صفات افعال خدا کا باہمی فرق ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس حقیقت کے سمجھنے سے وہ قاصر رہے کہ وہ ذات سرمدی ازلی وابدی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اس کے وہ صفات بھی جو عین ذات ہیں اس ذات کیلئے ہمیشہ سے ہی حالت واحدہ پر بلا تغیر و بلا کم و کاست متحقق اور ثابت چلے آرہے ہیں لیکن اس ذات قدیم کے نہ افعال قدیم اور ازلی ہیں جو اسکی صفت قدرت کے طفیل وقوع پذیر ہوتے اور ہوتے رہتے ہیں اور نہ ہی وہ صفات ازلی وابدی ہو سکتے ہیں۔ جو ان افعال کے باعث ذات خداوند عالم کیلئے متحقق ہوئے۔ لہٰذا وہ ازلی عالم و قادر تو ہے ہی لیکن خالق و رازق و محیی و ممیت ازل سے بالفعل نہیں بالقوہ ہے ورنہ تو عالم دنیا کا قدیم ہونا لازم آئے گا حالانکہ قدم عالم کا بطلان اسلامی دنیا کے مسلمات اولیہ میں سے ہے (مترجم)

"شجرۂ مترجم"

۱۔ السید گلاب علی شاہ المعروف گلاب شاہ

۲ ابن

السید صفت علی شاہ المعروف صفت شاہ

۳ ابن

السید شیر علی شاہ المعروف شیر شاہ

۴ ابن

سید فتح علی شاہ المعروف فتح شاہ

۵ ابن

سید قائم علی شاہ المعروف قائم شاہ

۶ ابن

سید شاہ مراد بخش

۷ ابن

سید شاہ عبد الغفور حسین المعروف کپور شاہ

۸ ابن

سید شاہ محمد داؤد

۹ ابن

سید نوری شاہ عبد الرحمٰن

۱۰ ابن

سید شاہ عبد الوہاب

۱۱ ابن

سید شاہ قطب شیر

۱۲ ابن

سید شاہ جنید

۱۳ ابن

سید شاہ عبد الرحمٰن کبیر

۱۴ ابن

سید شاہ عبد الکریم

۱۵ ابن

سید شاہ نور الدین حسین

۱۶ ابن	۲۵ ابن
سید شاہ محمد	سید عبد اللہ
۱۷ ابن	۲۶ ابن
سید شاہ ابو سعید	سید علی اصغر
۱۸ ابن	۲۷ ابن
سید شاہ محمد غوث	سید جعفر الثانی التواب
۱۹ ابن	۲۸ ابن
سید جلال الحق والشرع والدین	الامام علی نقی علیہ السلام
شیر شاہ سرخپوش بخاری مدفون اوچ شریف	۲۹ ابن
۲۰ ابن	الامام محمد تقی علیہ السلام
سید علی	۳۰ ابن
۲۱ ابن	الامام علی رضا علیہ السلام
سید جعفر	۳۱ ابن
۲۲ ابن	الامام موسیٰ کاظم علیہ السلام
سید محمد ابو الفتح	۳۲ ابن
۲۳ ابن	الامام جعفر الصادق علیہ السلام
سید محمود اصغر	۳۳ ابن
۲۴ ابن	الامام محمد باقر علیہ السلام
سید احمد یوسف	

۳۴ ابن	۳۶ ابن
الامام علی زین العابدین علیہ السلام	ابی الائمہ امیر المومنین علی علیہ السلام
۳۵ ابن	
الامام الحسین سید الشہداء علیہ السلام	

"تذکرہ مصنف علاّ اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرام"

کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کے آخر میں جن بلند پایہ الفاظ کے ساتھ مصنف
علام کا تذکرہ موجود ہے۔ اختصاراً اسے درج کیا جاتا ہے۔ امام ہمام۔ حبر علام۔ تحریر
قمقام حجۃ الاسلام۔ شمس فلک افادات۔ بدر سمائے افاضات۔ محیط نقطۂ کرم، مرکز دائرۂ
ہمم۔ معدن کمالات انسانی۔ مخزن فواضل نفسانی۔ مہبط فیوض ربانی۔ منزل برکاتِ
سبحانی مقتدائے عادل۔ ہادیٔ کامل۔ زنگ زدای مرآت تدقیق۔ مصقل آئینۂ تحقیق
درج رفعت و اعتلا کے گوہر درخشاں۔ برج مجد و علا کے اختر تاباں، غصن
دوحۂ امامت و ولایت۔ ثمر شجرہ نبوت و رسالت۔ نور حدیقۂ افتا و اجتہاد۔ نور
صدر ہدایت و ارشاد۔ مجمع فضائل رضیہ۔ منبع شمائل مرضیہ۔ صاحب قوت
قدسیہ۔ مالک ملکات ملکیہ۔ ممہد ارکان شریعت خیر البشر۔ مشید بنیان ملت ائمہ اثنا عشر
جامع معقول و منقول۔ ہادی فروع و اصول۔ مرجع علمائے فحول۔ مؤسس فرق رسول۔
ملاذ فضلائے کاملین۔ ملجاء علمائے عاملین۔ افضل المتکلمین العلام۔ اکمل المحققین آیۃ اللہ
فی العالمین۔ فخر المتفقہین الکرام۔ خاتم المجتہدین العظام۔ ظہیر الملت والدین۔ مولانا و مولی

المحققین سید العلماء السید حسین اسکنہ اللہ بحبوحۃ جنانہ وامطر علیہ شآبیب رضوانہ۔

آپ کے علم و کمال کا جھنڈا تا بفلک بلند ہوا۔ اور آپ کے فضل و جلال کا ذکر خیر روئے زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچا۔ آپ کے مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف سے آفاق دنیا معطر ہوئے اور آپ کی تحقیقات عالیہ کی شعاعوں نے مثل آفتاب عالم تاب اطراف عالم کو روشن اور منور کیا۔ آپ کے فضائل و مناقب حد احصاء سے زیادہ ہیں۔ اور آپ کے علوم و کمالات کے بیان سے زبان عاجز ہے اور قلم قاصر۔

علماء کرام و فقہاء عظام نے اپنے تقریظات میں جن بلند پایہ الفاظ سے ان کا ذکر خیر کیا اور جن باعظمت القاب سے ان کو نوازا ہے۔ ان سے آپ کی جلالت قدر اور رفعت شان پر کافی روشنی پڑتی ہے اور ان کے علم و فضل کی بلندی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نسب شریف و تاریخ ولادت

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی اپنے جد امجد ثالث آئمہ اطہار خامس۔ اہل کساء حضرت سید الشہداء علیہ وعلی جدہ وابیہ وامہ وخیہ المعصومین الوف التحیۃ والثناء کے نام مبارک پر سید حسین ہے۔ علیین مکان لقب ہے۔ آپ اعلی حضرت آیۃ اللہ فی العالمین حجۃ اللہ علی الانام اجمعین علامہ دہر وحید عصر جناب سید دلدار علی غفرانمآب اعلی اللہ مقامہ ورفع درجاتہ فی دارالکرامۃ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا شجرۂ عالیہ چوبیسویں پشت پر عاشر آئمہ معصومین حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے اتصال پذیر ہو جاتا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت بتاریخ چودہ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ ایک ہزار دو سو گیارہ ہجری کو سرزمین لکھنؤ پر ملک ہندوستان میں واقع ہوئی۔ خورشید کمال آپ کی ولادت کا مادۂ تاریخ ہے۔ آپ اپنے چار برادران بزرگ سید محمد۔ سید علی۔ سید حسن اور سید مہدی کے بعد تولد ہوئے۔ اسوۃ المتکلمین۔ قدوۃ المجتہدین۔ اکرم الناس حضرت علامہ مفتی سید محمد عباس اعلی اللہ مقامہ اپنی کتاب اوراق الذہب میں رقمطراز ہیں کہ بعض باوثوق حضرات کا بیان ہے کہ جب آپ کے برادر بزرگ جناب سید مہدی اعلی مقامہ اپنے تین برادران سید محمد۔ سید علی اور سید حسن اعلی اللہ مقامہم کے بعد تولد ہوئے تو جناب کے والد ماجد حضرت علامہ غفرانمآب اعلی اللہ مقامہ نے حضرت جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی عالم خواب میں زیارت کی۔ امام عالی مقام علیہ التحیۃ والسلام نے حضرت علامہ غفرانمآب اعلی اللہ مقامہ سے سبب دریافت کیا کہ آپ نے اپنے فرزندان

کے نام تجویز کرنے میں جس ترتیب کو ملحوظ رکھا تھا اپنے اس چوتھے فرزند کا نام
تجویز کرتے وقت اسی ترتیب کا لحاظ کیوں نہیں کیا۔ کیونکہ ترتیب مذکورہ کا تقاضا
یہ تھا کہ چوتھے فرزند کا نام سید حسن رکھا جائے۔ نہ کہ سید مہدی۔ تو حضرت علامہ
علیہ الرحمۃ نے جواباً عرض کیا کہ میرا یہ فرزند میری زندگی کے ان ایام میں پیدا
ہوا کہ جب میں کبیر السن ہو چکا ہوں۔ قوئی ضعف پذیر ہو گئے ہیں لہٰذا اب مجھے
یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اب میرا کوئی اور فرزند تولد پذیر نہیں ہو گا اور یہ میرا
آخری فرزند ہو گا۔ اسی لئے میں نے اس کا نام قائم آل محمد علیہم السلام کے نام
پر سید مہدی تجویز کیا۔ کیونکہ قائم آل محمد سلسلہ معصومین کے آخری فرد ہیں۔

حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا کہ واقعہ اس طرح
نہیں ہے۔ جیسا آپ کو خیال ہوا بلکہ عنقریب آپ کا ایک اور پاکیزہ فرزند ہو گا۔
لہٰذا جب وہ تولد پذیر ہو تو اس کا نام میرے نام پر تجویز کیجئے گا چنانچہ جیسے
حضرت امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی تھی ایسے ہی ہوا
کہ اللہ جل شانہ نے حضرت علامہ غفران مآب علیہ الرحمہ کو بعد از سید مہدی
ایک اور فرزند عطا فرمایا جس کا نام آپ نے اپنے جد امجد حضرت امام حسین علیہ السلام
کے ارشاد پاک کے مطابق سید حسین رکھا جو [illegible] [illegible] حضرت علامہ [illegible]
ملقب بہ علیین مکان ہیں۔

بچپن اور زمانہ تعلیم کے حالات

آپ اپنے عہد طفولیت اور زمانہ بچپن میں ہمیشہ لہو و لعب اور کھیل کود سے
کنارہ کش رہے۔ ابتدائی نشو و نما کے زمانہ میں بھی آپ مسلسل تحصیل علوم و فنون میں
مصروف رہے۔ دیگر بچوں کی طرح کھیل کود وغیرہ سے کوئی محبت نہ تھی ہمیشہ اپنے اوقات
کو اکتساب کمالات میں صرف کیا آپ نے علوم و فنون کا تمام تر استفادہ اپنے والد ماجد
حضرت آیت اللہ غفران مآب اعلی اللہ مقامہ اور اپنے برادر بزرگ سلطان العلماء
حضرت سید محمد رضوان مآب رضوان اللہ علیہ سے کیا۔

آپ نے اپنے فرزند ارجمند افضل المتکلمین مخزن مدرسین عمدہ اساتذہ عظام
زبدۂ جہابذۂ کرام ممتاز العلماء جناب سید محمد تقی اعلی اللہ مقامہ کیلئے جو اجازۂ اجتہاد
تحریر فرمایا۔ اس میں آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم بھی
اور انتہائی بھی اپنے والد علام اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ سے حاصل
کی۔ اسی اثناء میں والد گرامی کی طبع اقدس کچھ عرصہ کیلئے ناساز ہو گئی تو والد ماجد
نے میرا درس برادرم بزرگ جناب سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب علیہ الرحمہ
کے سپرد کر دیا چنانچہ ایک زمانہ تک میں نے کچھ علوم حکمیہ فنون رسمیہ اور قدیمہ
علوم وغیرہ اپنے برادر بزرگ سے حاصل کئے۔ جب والد بزرگوار کو مرض سے افاقہ
حاصل ہو گیا تو پھر میرے اسباق والد گرامی کی خدمت میں عود پذیر ہو گئے۔
فرماتے ہیں کہ کتاب مرآۃ العقول کو جو عماد الاسلام فی علم الکلام کے

لقب سے ملقب ہے۔ میں نے اپنے والد گرامی کی خدمت میں پڑھا۔ یہ کتاب والد بزرگوار ہی کی تصانیف عالیہ میں سے ہے۔ نیز کتب حدیث کا ایک حصہ بھی جیسے کہ شیخ بہاء الدین عاملی علیہ الرحمہ کی شرح اربعین۔ اصول کافی وفروع کافی اور کتاب منتقی الجمان کو والد ماجد سے پڑھا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ جمیع علوم وفنون کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ہوگئے اور مدارج اجتہاد میں سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز اور کامران ہوئے۔ آپ اگرچہ عمر میں اپنے تمام بھائیوں سے چھوٹے تھے لیکن میدانِ علم وفضل میں اکثر پر فوقیت رکھتے تھے۔ اور وجہ اس کی آپ کی طبع وقاد کی جودت۔ ذہن دراک کی حدت اور تیزی تھی۔ کیونکہ آپ اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے تمام علماء زمانہ و فضلاء روزگار کے سرتاج تھے۔ آپ نے نہایت بلند پایہ تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل تصنیفات وتالیفات عالیہ کا خزانہ اہل دنیا کو عطا کیا۔

شرم وحیا کا معیارِ بلند

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز خود آنجناب کی زبان درفشاں سے سنا کہ آپ نے فرمایا۔ سات سال کی عمر تھا میں نے رسالہ تجزی فی الاجتہاد کی تصنیف شروع کی بعد ازاں حکم ظن رکعتین اولیین کے متعلق ایک رسالہ تصنیف کیا لیکن انتہائی شرم وحیا کے باعث یہ رسالجات میں کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا تھا البتہ اپنے بڑے بھائی جناب علامہ سید مہدی طاب ثراہ سے ان چیزوں کے متعلق مذاکرہ اور مکالمہ کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ وہ مجھ سے تقریباً تین

سال بڑے تھے وہ جو کچھ لکھتے تھے مجھے دکھا دیتے تھے اور میں جو کچھ لکھتا ان کی نظر سے گزار دیا کرتا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آگیا کہ والد ماجد نے مجھے اجازہ اجتہاد تحریر کر دینے کے بارے میں مجھ سے کلام فرمایا تو میں عرض گزار ہوا کہ اولاً حضور میرے ان رسالجات کو ملاحظہ فرماویں جن کو میں تاحال تصنیف کر چکا ہوں تاکہ مجھے ان کے حسن وقبح سے آگاہی حاصل ہو کہ آیا وہ حضور والا شان کی نگاہ عالی میں طرز مناسب اور معیارِ صحت وصواب کا درجہ حاصل کر سکتی ہیں یا نہیں؟

چنانچہ میری اس عرضداشت کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور میں نے اپنا تصنیف شدہ رسالہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ والد بزرگوار جب اس رسالہ کے مضامین کو سماعت فرما رہے تھے اس دوران میں انہوں نے فرمایا کہ تقریر کا اسلوب اور تحریر کا طرز اور متانت تو اس بلند معیار پر ہے جو ایک مبتدی اور نوآموز سے صادر نہیں ہو سکتا لیکن ابھی رسالہ اختتام پذیر نہ ہوا تھا کہ بزرگوارم کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور رسالہ کا ملاحظہ التوا میں پڑ گیا۔ لہٰذا برادرم معظم سلطان العلماء علامہ سید محمد رضوان مآب علیہ الرحمہ کو آنجناب والد بزرگوار نے فرمایا کہ وہ رسالہ مذکور کو ملاحظہ کریں۔ اور پھر اس کی کیفیت کے متعلق انہیں مطلع کریں۔ چنانچہ حضرت سلطان العلماء طاب ثراہ نے تعمیل حکم کرتے ہوئے رسالہ ملاحظہ فرمایا اور اسے بہت پسند فرمایا لیکن میں چونکہ اپنے تمام برادران سے خورد سال تھا لہٰذا میں نے نہ چاہا کہ میری جودت تحریر اور تبحر علمی کا حال ظاہر پذیر ہو۔ اس لئے برادرم سلطان العلماء سے اس امر کے عدم اظہار کی التجا کی۔

پدر بزرگوار کی ہدایات پر عمل

آپ اپنے والد ماجد کے ارشادات کا تاثر لیتے اور ان کے ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی ہمیشہ سعی اور کوشش کیا کرتے۔ چنانچہ آپ نے اپنے برادرزادہ جناب عمدۃ العلما سید محمد ہادی قدس سرہٗ کیلئے جو اجازۂ اجتہاد تحریر کیا تھا اس میں آپ نے یہ تذکرہ فرمایا ہے کہ پدرم بزرگوار جناب اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ ہمیشہ فاضل طلبہ کو استنباط مسائل کے بارے میں پوری کوشش صرف کرنے اور انتہائی طور پر محنت کو بروئے کار لانے کی ترغیب دلایا کرتے۔ اور بڑی تاکید کے ساتھ انہیں اس امر پر آمادہ کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میں نے ان ممالک میں علم دین کو رائج کرنے فقاہت واجتہاد کی بنیاد قائم کرنے اور علوم آئمہ اطہار کی نشر واشاعت کے متعلق بڑی کوشش سے کام لیا ہے اور علم دین کے راستوں اور رشد وہدایت کے طریقوں سے ہر قسم کے خس وخاشاک کو دور کر کے انہیں خوب واضح اور روشن کر دیا ہے۔ مگر مجھے خطرہ ہے کہ کچھ مدت گزرنے اور میرے دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد یہ آثار کہیں مٹ نہ جائیں اس لئے تمہیں بڑی توجہ۔ محنت اور جانفشانی سے کام کرنا چاہیئے۔

والد ماجد کی ان ہدایات وارشادات کے باعث میں نے ابتداً سے ہی دامن ہمت کو سمیٹے رکھا اور کمسنی کے زمانہ میں ہی مسائل دقیقہ کو حل کرنے اور تحقیقات انیقہ پر مشتمل رسائل کی تصنیف وتالیف میں معروف رہا۔ رسالہ تجزی فی الاجتہاد۔ مسئلہ

خمس در رکعتیں اخریین۔ مسئلہ تقلید اموات میرے اسی جذبے کے ثمرات ہیں۔

ان رسالہ جات میں سے بعض اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ کی خدمت اقدس میں پیش کئے آنجناب نے ملاحظہ فرما کر پسند کیا۔ تحسین سے نوازا اور فرمایا کہ یہ کلام تو ایک فاضل ماہر کے کلام کی مثل ہے۔ مبتدی اور نو آموز افراد کے کلام میں جو خامیاں پائی جاتی ہیں ان سے اس کلام کا دامن پاک ہے۔

اجازۂ روایت احادیث

آپ کا سلسلہ اجازہ روایت احادیث اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت سید دلدار علی غفران مآب اعلی اللہ مقامہ اور برادر بزرگ سلطان العلماء حضرت علامہ سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب طاب ثراہ کے واسطہ سے جناب مستطاب مستغنی عن الالقاب۔ بحر ذاخر فقیہ ماہر محقق نحریر عدیم النظیر استاد الکل فی الکل آقا محمد باقر بہبہانی طاب مرقدہ سے اتصال پذیر ہوتا ہے۔ نیز جناب سید المحققین سند المدققین رئیس الفقہا النحام لعصوب العلامہ مولانا آقا سید علی طباطبائی عطر اللہ مرقدہٗ سے اور جناب عالم عامل فاضل کامل۔ فقیہ جلیل مجتہد عدیم البدیل بحر العلوم مولانا سید محمد مہدی طباطبائی نجفی نور اللہ مرقدہ سے اور جناب علامہ فخر خاصہ وعامہ سید السادات منبع الفضل والافادات متکلم عدیم العدیل مجتہد بے بدیل مولانا محمد مہدی ہدایت اللہ موسوی اصفہانی مشہدی طاب مشہدہ وطہر مرقدہ سے اور جناب عالم نبیل فاضل جلیل فقیہ ربانی مرزا محمد

مہدی بن ابن القاسم موسوی شہرستانی سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ سے اتصال والحاق پذیر ہوتا ہے۔

مقلدین وعقیدتمندان

آپ کے زمانہ میں مومنین ممالک ہندوستان۔ دکن بنگال پنجاب اور کشمیر آپ کے کمال علم وعمل۔ جودوسخا۔ تواضع وتورع۔ تقویٰ اور عفاف کا بصدق دل اعتراف واقرار کرتے ہوئے آپ کے عقیدتمندان اور آپ کی تقلید سے مشرف تھے۔ ان علاقہ جات کے شاہان وقت بھی آپ کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے خصوصًا بادشاہ دین پناہ ثریا جاہ مصلح الدین ابوالمظفر محمد امجد علی شاہ جنت مکان (انار اللہ برہانہ) کو جناب علامہ سے انتہائی عقیدت اور کمال خلوص حاصل تھا۔ چنانچہ شاہ عالی جاہ مذکور نے از خود حضرت علامہ کے نام نامی واسم گرامی کی نقرئی مہر تیار کرائی۔ چاندی ہی کے الفاظ میں آنجناب کے درج ذیل خطابات اس پر کندہ کرائے اور آپ کی خدمت میں لے پیش کیا۔ خطابات یہ تھے۔ حامی علوم دین حامی سادات ومومنین حافظ احکام آئمہ مجتہد العصر سید العلماءؒ اور تمام دفاتر مملکت کے اہلکاروں اور محررین کے نام حکم عالی صادر ہوا کہ جناب حضرت علامہ کے اسم گرامی کو ہمیشہ انہیں القاب سے ملقب کر کے تحریر کیا جائے۔

کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی تصنیف وتالیف بھی اسی شاہ ذی جاہ کی

کی خواہش سے عمل میں لائی گئی اور حضرت علامہ کے ایما پر اس نیک بخت بادشاہ نے طلبہ علوم دین کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس میں علمائے کبار وفضلاء ذی وقار کا مناسب مشاہرہ پر بحیثیت مدرس تعینات حضرت علامہ ہی کی رائے عالی پیرائے کے مطابق عمل میں لائی گئی اور طلباء کیلئے وظائف بھی مقرر کئے گئے۔

نیز بادشاہ دین پناہ سکندر جاہ ابوالمنصور ناصرالدین سلطان عالم محمد واجد علی شاہ نور اللہ مرقدہ بھی حضرت علامہ سے برابر راہِ عقیدت وخلوص پر ہی گامزن رہے اور ہمیشہ آپ کی انتہائی تعظیم وتکریم بجالاتے رہے۔ مدرسہ عالیہ کو اسی طور پر جاری اور قائم رکھا۔

حضرت علامہ اپنے برادر بزرگ سلطان العلماءؒ اعلی اللہ مقامہ کی نگاہ میں

یہ سب حضرت علامہ کے کمالات عالیہ کے اثرات تھے اور انہیں کمالات کے پیش نظر جناب کے برادر بزرگ سلطان العلماءؒ نے جو اپنے مقام پر مجمع علوم دین مرجع سادات ومومنین محافظ احکام الہ العالمین کی شان عالی سے مشرف اور رضوان مآب کے ایسے بلند پایہ لقب سے ملقب تھے حضرت علامہ سید العلماء کو اپنی ذات والاصفات پر مقدم کر دیا تھا اور تمام امور کو ان کی رائے عالی پیرائے پر موقوف اور ان کے سپرد کر دیا تھا اور آپ کی نگاہ میں اپنے اس برادر خورد کی جو شان اور عظمت تھی اس کی عکاسی وہ الفاظ بھی کرتے ہیں جو آپ نے اپنے برادر زادہ

ممتاز العلماء حضرت علامہ سید محمد تقی اعلی اللہ مقامہ کے اجازہ کی تحریر میں حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ کی شان عالیشان میں استعمال فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کی شان میں لکھتے ہیں السمیدع الالمعی۔ والحبر اللوذعی بدیع النظر الصائب۔ والذهن الثاقب۔ عالی الکعب فی الفنون العظیم طویل الباع فی العلوم النقلیه۔ الرائع فی ریاض الاجتهاد والافادہ الکارع من حیاض احادیث الجدود السادہ۔ سید العلماء العاملین سند الفقهاء الکاملین عین الانسان وانسان العین أخی وصنوی ومهجة قلبی السید الحسین لازال قریر العین محفوظا عن اصابة العین۔

یہ الفاظ جن معنوی بلندیوں عظمتوں اور لطافتوں کے حامل ہیں انہیں ایک عربی داں ہی سمجھ سکتا ہے اور ان کی تصویر کشی کے لئے ایسی طولانی شرح درکار ہے کہ دامن وقت و قرطاس میں جس کی وسعت نہیں۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ علماء عراق و ایران کی نگاہ میں

حضرت علامہ علیین مکان اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرامہ کے ہمعصر علماء عتبات عالیات نجف اشرف و کربلائے معلّٰی وغیرہ سب آپ کے کمال فضل و اجتہاد کو تسلیم کرتے اور آپ کو بڑی عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سب کے قلوب مبارک میں آنجناب کی محبت و مودت کی کھیتیاں سرسبز اور لہلہاتی رہتی تھیں باہم خط و کتابت

اور مراسلات کے جواب لکھے جاتے تھے۔ اس کے ثبوت کیلئے عالم جلیل فاضل نبیل حضرت علامہ سید حسین الموسوی اعلی اللہ مقامہ مہتمم طباعت کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ نے تذکرۃ المصنف میں عالی جناب معلی القاب جامع منقول و معقول واقف اسرار فروع و اصول شیخ الاسلام مجتہد الانام عالیحضرت شیخ محمد حسن نجفی اعلی اللہ مقامہٗ صاحب جواہر الکلام شرح شرائع الاسلام کا ایک طولانی مکتوب مرسلہ بنام حضرت سند الفقہاء سید العلماء مولانا سید حسین علیین مکان رحمۃ اللہ و رضوانہ علیہ نقل کیا ہے جس میں شیخ صاحب مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہ نے نہایت ہی انوکھے انداز میں اور نرالے طریقے سے حضرت علامہ سید العلماء علیہ الرحمہ کی عظمت و جلالت اور فضل و کمال کی مدح سرائی فرمائی جس کے چند ایک اقتباسات سپرد قلم کئے جاتے ہیں پورے خط کو زینت قرطاس کرنے سے خوف طوالت مانع ہے۔ چنانچہ عالیجناب شیخ محمد حسن صاحب نجفی طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ حضرت علامہ کی شان والا شان میں یوں رقمطراز ہیں۔

هو الشاخص فی مرابع الاجتهاد معرسا و قائلا۔ والصادر والوارد عذب معین معتلا و ناهلا۔ الفارس ثغر الاسلام و شمس ائمته والقاموس لغة القرآن فی حدائق جوامعه والحبیب الذی تقویه کل عین والروح التی بین الجنبین۔

ذی القدر العلی سید العلماء النبیه حسین نجل العلامة السید دلدار علی اعلی الله مقامه لازالت طلائع التوفیق عاکفة علیه و محاسن الایام متصلة لدیه بالنبی و آله الطاهرین صلی الله

علیہ وعلیہم اجمعین ۔ بغرض اختصار ترجمہ ترک کیا جاتا ہے۔

تقسیم اوقات

کتاب تذکرۃ العلماء نیز ایسے معتمدین کرام کے بیان سے کہ جو حضرت علامہ کی خدمت بابرکت میں عموماً حاضر رہتے تھے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علامہ نے اپنے شب و روز کے اوقات کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا تھا کہ آپ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور طلوع صبح صادق تک نوافل شب اور اذکار وغیرہ میں مشغول رہتے۔ صبح صادق کے بعد نماز فریضہ باجماعت بجالاتے اور پھر ادعیہ و تعقیبات میں مصروف ہو جاتے۔ جب فراغت ہو جاتی تو اندرون خانہ تشریف لے جاتے اور ضروری کاغذات کا ملاحظہ فرماتے اور پھر کچھ وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرتے۔

جب کسی قدر دن بلند آجاتا تو بیرون خانہ تشریف لاتے اتنے تک بکثرت لوگ جمع ہو جاتے۔ طلبہ کرام۔ فضلاء عظام اور طالبین فتاوٰی وغیرہ کا ہجوم ہو جاتا اولاً آپ طلباء کرام کو درس دیتے جن میں سے اکثر فضلاء کبار اور علماء عالی وقار ہوتے۔ بعد ازاں ہر حاجت مند کی حاجت روائی کے لئے مناسب وقت صرف فرماتے۔ جب آفتاب عالم تاب زوال پذیر ہوتا تو نماز باجماعت کیلئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور بعد از تعقیبات نماز عصر واپس مراجعت فرما کر اپنے برادر بزرگ حضرت سلطان العلماء سید محمد قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں تشریف لے جاتے کچھ دیر وہاں توقف فرما کر پھر اپنے دولت کدہ پر واپس تشریف لاتے اور

دوبارہ تدریس طلبہ میں مشغول ہو جاتے۔ نماز مغرب دولت کدہ پر ہی باجماعت ادا کر کے استفادہ اور طلب رشد و ہدایت کرنے والوں کے لئے مجلس قائم کرتے ان کو درس دینے کے بعد افتاء مسائل میں مصروف ہو جاتے۔ کبھی کبھی تو نصف شب تک مسائل پر دستخط ثبت فرمانے میں مشغول رہتے۔

موعظہ شریفہ

آپ بالالتزام سارے سال میں بروز جمعہ۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ اور ماہ رمضان المبارک میں ہر روز نماز عصر کے بعد موعظہ فرمایا کرتے جس میں تفسیر قرآن تصحیح عقائد۔ توضیح حقائق و دقائق پر مشتمل بیانات سے حاضرین کو مستفیض فرماتے لوگ آپ کے پراز تاثیر مواعظ و نصائح سماعت کرنے کے لئے جوق در جوق جمع ہوتے اور ہدایت و رشد کے بیش قیمت موتیوں سے اپنے دامن پر کر کے واپس ہوتے۔

تصانیف و تالیفات

بکثرت تصنیفات و تالیفات آپ کے قلم حق رقم سے ظہور پذیر ہوئے جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ رسالہ تجزی فی الاجتہاد۔ یہ رسالہ آپ نے سترہ سال کی عمر میں تصنیف فرمایا۔ جیسا کہ تذکرۃ العلماء سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ رسالہ در تحقیق جواز تقلید میت و عدم آں۔

۳:۔ رسالہ مسؤ شک دربر رکعتین اولیین۔ یہ دونوں رسالے بھی آپ نے اپنی عمر کے ابتدائی دور میں تصنیف فرمائے۔

۴:۔ مناہج التدقیق و معارج التحقیق۔ یہ عدیم النظیر اور لاجواب کتاب تحقیقات دقیقہ و استدلالات انیقہ پر مشتمل ہے۔ حضرت علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنے فرزند ارجمند افضل المتقین فخر المدرسین ممتاز العلماء سید محمد تقی جنت مآب کیلئے جو اجازہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے تذکرہ فرمایا کہ کتاب مناہج التدقیق و معارج التحقیق کو میں نے نہایت عمدہ طرز و طریق پر تصنیف کیا ہے۔ اسے میں نے دلائل اور تنقیح مسائل سے پر کیا ہے اور اقوال مختلفہ کے نقض و ابرام کو ایسے منہج پر بیان کیا ہے کہ اہل حق نے اسے بہت پسند کیا۔ اس میں تدقیقات کا ایک ایسا حصہ بیان کیا کہ جو علماء اسلاف کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے لیکن بعض امراض کے عارض ہوجانے کے باعث وہ کتاب پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکی۔ انتہیٰ اس کتاب کا مقصد ثانی احکام صلوٰۃ سے متعلق ہے۔ جس میں اوقات نماز یومیہ سے لے کر سلام تک کے احکام بیان ہوئے ہیں اور یہ ایک ضخیم جلد بن گئی ہے۔

۵۔ وجیزرائق:۔ اجازہ مذکورہ میں خود حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ وجیز رائق کو میں نے بہترین اور بلند پایہ طریقہ پر تالیف کیا ہے۔ احکام طہارت کا ایک شطر وافی اس میں تحریر کر دیا ہے۔ اس کتاب کا باب الطہارت طبع ہوچکا ہے۔

۶:۔ روضۃ الاحکام:۔ حضرت علامہ نے اجازہ مذکورہ میں ہی تحریر فرمایا ہے کہ مقلدین کی ایک جماعت نے پر زور اصرار کیا تھا کہ روضۃ الاحکام کی تالیف کو

انجام دیا جائے۔ مگر میں دیگر چند رسائل متفرقہ میں مشغول ہو گیا۔ اس وجہ سے اس کتاب کے اتمام کی نوبت نہیں آسکی۔ انتہیٰ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار مقاصد پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق مسائل فقہ کے طالب کی بصیرت سے ہوتا ہے یا اصل مسائل فقہ سے۔ شق اول مقدمہ ہے۔ اور شق ثانی میں اگر نیت شرط ہو تو عبادات کہلاتے ہیں ورنہ اگر اس میں ایجاب و قبول دونوں متحقق اور موجود ہوں تو وہ عقود کہلاتے ہیں۔ اور اگر اس میں صرف ایجاب کا وجود ہو تو وہ ایقاعات کہلاتے ہیں اور اگر ایجاب و قبول میں سے کوئی بھی معتبر نہ ہو تو وہ احکام کہلاتے ہیں علم فقہ کے ارکان صرف یہی چار ہیں۔ انتہیٰ کلامہ

مقدمہ بھی اور مقصد اول بھی کہ جو احکام طہارت۔ صلوٰۃ و صوم کے بیان میں ہے یہ مطبوع ہو چکے ہیں اور مقصد چہارم بھی طبع ہو چکا ہے کہ جو بیان میراث میں ہے۔

۷:۔ رسالہ مبسوطہ در احکام میراث بعبارۃ عربی۔

۸:۔ کتاب مستی بہ حدیقۂ سلطانیہ مذکور۔ بعد ازاں اس کتاب کے ابواب کی فہرست تحریر کی ہے۔

۹:۔ رسالہ وسیلۃ النجاۃ فارسی در اصول دین تا آخر مبحث نبوت۔

۱۰:۔ رسالہ در بیان مسئلہ جلالۃ الطہارۃ

۱۱:۔ رسالہ منع از بیع مائعات نجس و متنجس۔

۱۲:۔ رسالہ طرد المعاندین در جواز لعن بر اہل نفاق۔ یہ رسالہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۱۳: حاشیہ بر ریاض المسائل مشہور بشرح کبیر بر کتاب الصوم و کتاب الخمس و کتاب الصدقہ۔

۱۴: تعلیقات بر شرح ہدایۃ الحکمۃ ملا صدرالدین شیرازی۔

۱۵: رسالہ تحقیق النسبۃ بین الحقیقۃ والمجاز۔

۱۶: تفسیر سورۂ الحمد۔ یہ نہایت ہی مبسوط تفسیر ہے۔

۱۷: تفسیر سورہ بقرہ۔ از شروع تا چند آیات۔

۱۸: تفسیر سورہ ھل أتی علی الانسان

۱۹: تفسیر سورۂ توحید۔

۲۰: تفسیر آیۃ کریمہ کنتم خیر أمۃ اخرجت للناس۔ متضمن بر نقض کلام فخر رازی۔

۲۱: المجالس المفجعۃ

۲۲: الفوائد فی تنقیح العقائد۔ ملقب بہ افادات حسینیہ۔ یہ علامہ علیہ الرحمہ کی آخری تصنیف ہے۔ جو شیخ احمد احسائی اور اس کے شاگرد سید کاظم رشتی کے اقوال کی تردید میں تحریر فرمائی۔

صاحب تذکرۃ العلماء نے مصنفات سید العلماء علیین مکان کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت علامہ کو شب و روز مسائل متفرقہ کے جوابات تحریر کرنے کا اتفاق ہوتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ بعض مسائل کی تفصیل پر بحا حقہ خامہ فرسائی فرماتے۔ لہٰذا اگر تمام مسائل کو جمع کیا جائے تو ان کی کئی ضخیم جلدیں بن جائیں گی۔ اس طرح آپ نے بذریعہ مواعظ حسنہ جن مسائل عالیہ کی تشریح

فرمائی۔ ان کا دامن بھی نہایت وسیع ہے لیکن علامہ رحمہ اللہ نے چونکہ ان چیزوں کی تدوین کا قصد نہیں فرمایا۔ اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

کتابت قرآن مجید

باوجود مشاغل کی اس کثرت اور مہمات کے آپ بعض اوقات قرآن مجید کے متن کی کتابت کا ثواب بھی حاصل کرنے کی سعی اور کوشش فرماتے رہتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ایک نسخہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے پوتے عالم عامل فاضل کامل مجتہد علی الاطلاق المشہور بین الآفاق کریم ابن کریم جناب مستطاب سید محمد ابراہیم اعلی اللہ مقامہ کے پاس موجود پایا گیا جس کا خط بہترین خط تھا اور اس کے گرداگرد حضرت علامہ ہی کے دست مبارک کے لکھے ہوئے بکثرت حواشی موجود تھے اور اس کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ قد وقع الفراغ

من کتابۃ القرآن المجید والفرقان الحمید بتائید اللہ سبحانہ وحسن توفیقہ علی ید اقل الخلیقۃ بل لاشیء فی الحقیقۃ اقل العباد عملا واکثرھم زللا ابن العلامۃ المرحوم الساکن فی جوار رحمۃ ربہ الکریم السید دلدار علی رفع اللہ درجاتہ فی جنات النعیم آلسید حسین صانہ عن کل شین ورزقہ شفاعۃ سید البشر رسول الثقلین صلی اللہ علیہ والہ وکان ذلک یوم الاحد لخمس بقین من شہر جمادی الاخرۃ سنۃ سنۃ اربعین بعد الف ومائتین من الھجرۃ النبویۃ علی

الصلوٰۃ بھا الف الف تسلیم وتحیۃ۔

تائیدات الٰہیہ وکرامات ربانیہ

صاحب تذکرۃ العلما تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علامہ نور اللہ مجدہ اعلی اللہ مقامہ تائیدات ربانیہ سے مؤید اور فیوضات یزدانیہ کا مہبط تھے۔ ورنہ باوجود مشاغل کی اس کثرت اور طبع کے نحیف اور کمزور ہونے کے ایک فرد بشر سے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسے کارنامے اس کے دست ہائے مبارک پر ظہور پذیر ہوں اور اتنی مشقتوں اور تکالیف کو برداشت کر سکے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی حد تک صفات ملائکہ سے متصف کیا تھا کیونکہ آپ خورد و نوش اور کھانے پینے کے معاملات اور راحت و آرام اور نیند وغیرہ کے سلسلہ میں بہت کم مقدار اور اقل قلیل صورت پر اکتفا فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نہایت نحیف الطبع تھے۔ قد وقامت میانہ تھا اور چہرہ مبارک پر ہر وقت نورانیت برستی رہتی تھی۔ رخ انور سے نور ساطع ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ اس کمزوری اور ضعف کی صورت میں شب و روز تصنیف و تالیف تدریس وموعظہ وحل مسائل وغیرہ میں مصروف رہنا ہی اگرچہ اپنے مقام پر ایک خارق عادت امر اور کرامت کی شان رکھتا ہے لیکن یہی نہیں اس کے علاوہ آپ سے جو کرامات صادر ہوئے لکھتے ہیں۔ ان کی تفصیل کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔

اسوۃ المتکلمین قدوۃ المجتہدین اکرم الناس مفتی سید محمد عباس قدس سرہ کتاب اوراق الذہب میں تحریر کرتے ہیں کہ لکھنؤ میں ایک سال جس باران ہو گیا بارش رک گئی۔ لوگوں نے درگاہ رب العزت میں تضرع اور زاری شروع کی حضرت

علامہ سید حسین علیین مکان اعلی اللہ مقامہ نے صحرا میں جا کر نماز استسقا با جماعت ادا کی ابھی آپ نے چادر کو حرکت نہ دی تھی کہ بارش شروع ہو گئی اور اتنی کثرت سے مینہ برسا کہ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔

وفات حسرت آیات

باوجود ضعف ناتوانی کے بطریق مذکور مشقتیں اور تکالیف برداشت کرنے کے باعث متعدد امراض وعوارض لاحق ہو گئے بالآخر روحانی صدمات اور جسمانی امراض کی تاب نہ لا سکے اور شب شنبہ سترہ ماہ صفر ۱۲۷۳ھ ندائے یا ایہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ پر صدائے لبیک بلند کر دی اور عالم قدس کو رحلت پذیر ہو گئے۔

آپ کی نماز جنازہ کے لئے اس کثرت سے لوگوں کا اجتماع اور اژدحام ہو گیا کہ لکھنؤ کی تاریخ میں اتنا اجتماع کسی کے جنازہ پر دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اب سوچنے لگے کہ کس مقام پر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ جس میں اس قدر آدمیوں کا انبوہ سما سکے۔ بالآخر تجویز کیا گیا کہ نواب آصف الدولہ کے امام باڑہ کے صحن میں نماز جنازہ ادا کی جائے جو کہ شہر لکھنؤ کی عمارتوں میں سے سب سے بڑی اور وسیع ترین عمارت ہے چنانچہ آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا سلطان العلما سید محمد رضوان مآب اعلی اللہ مقامہ نے اسی امام باڑہ آصفیہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور امام باڑہ غفران مآب میں غربی حجرہ میں اپنے والد ماجد غفران مآب رضوان اللہ علیہ کی پائنتی کی جانب مدفون کر دیئے گئے تا حال سنگ سفید کی ایک لوح اور چوب صندل کی ضریح قبر اقدس پر نصب ہے۔ مدت عمر

اکسٹھ سال دو ماہ اور تین روز ہوتی ہے۔

تقریظ و قطعات تاریخ

از رشحات قلم فیض رقم عالی جناب معلی القاب حبر علام نحریر فہام مفتی ملت بیضاء حافظ شریعت غرا اسوۃ المتکلمین قدوۃ المجتہدین اکرم الناس مفتی محمد عباس دامت ایام افاداتہ و افاضاتہ

اصل۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم گل سرسبد کلم و کلام و نور حدیقۂ دین و اسلام حمد خداوند منعام است کہ از توفیقاتش دریں ایام برکت التیام جلد امامت از حدیقۂ سلطانیہ کہ روضۂ ایمانیہ و منجملۂ تصانیف محقق علامہ و مدقق فہامہ سید العلماء و المجتہدین مشید ارکان دین مرجع الانام کافل الارامل و الایتام الشہیر فی العجم و العرب المذکور مناقبہ فی اوراق الذہب مولی النقیین المعروف فی المشرقین سمی ابی عبد اللہ الحسین مولانا السید حسین اعلی اللہ مقامہ و اکرمہ فی دار المقامہ می باشد باہتمام و مساعی جمیلہ عالی شان والا دودمان زبدۃ السادات مولوی سید حسین ایدہ اللہ بالائمۃ المصطفین در قالب طبع ریختہ شد الحق کہ این کتاب مستطاب مشتمل بر فوائد بے حساب و نادرۂ روزگار و لطافت و متانتش کالشمس فی رابعۃ النہار بر نظار آشکار و مستغنی از اظہار و طبعش موجب احیاء ذکر جناب علیین باب و باعث رضاء رب الارباب و خوشنودی آئمہ اطہار سلام اللہ علیہم ما اتصل اللیل و النہار است والحمد للہ علی نوالہ و الصلوٰۃ علی محمد و آلہ

قطعہ تاریخ بتخریج یک سال

شدہ شہرہ کتابی کہ ثواب در جز طبعش گل بخش جاودانی بد ہند در قیامت
بمصنفش چہ پرسی کہ ملک کند سلامش بفلک رسیدہ نامش بجلالت و شہامت
ز ادب نگندہ سر را قلم ز سال طبعش چہ بہار تازہ کامد لحدیقۂ امامت

قطعہ دیگر بے تعمیہ

فرح بخش است سلطانی حدیقہ ز گلہائے عبارات انیقہ
مصنف سید علامہ بود کہ بنوشت این مضامین دقیقہ
سمیش ریختہ درقالب طبع کہ از بہر شیوع است این طریقہ
جز طراز کہ در معدن نہان بود مزین گشت ہر صاحب سلیقہ
بود نام و نشان و سال طبعش کرامات مصنف فی الحقیقہ
بر آمد مصرع تاریخ طبعش بشد شائع امامت از حدیقہ ۱۳۰۴ھ

ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ چمن دین اسلام کا غنچہ اور گلہائے کلم و کلام کے ظرف کا بہترین پھول۔ منعم حقیقی خداوند عالم کا حمد و شکر ہے کہ اس بابرکت ایام میں اس کی توفیقات شامل حال ہونے کے باعث کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی جلد امامت جناب والاشان عالی خاندان زبدۃ السادات مولوی سید حسین ایدہ اللہ بتصدق آئمہ ہدی کے اہتمام اور مساعی جمیلہ سے مطبوع ہو چکی ہے کہ جو حدیقہ

سلطانیہ ایک روضۂ ایمانیہ ہے اور جناب محقق علام مدقق فہام سید العلماء والمجتہدین مشید ارکان دین۔ مرجع ہر خاص و عام کفیل بیوہ گان و ایتام شہیر عجم و عرب کہ جن کے محامد و مناقب اوراق الذہب میں مذکور اہل شرق و مغرب کے رہبر مشارق و مغارب میں شہرت یافتہ حضرت جناب امام ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام کے ہمنام ہیں یعنی جناب مولانا سید حسین اعلی اللہ مقامہ واکرم فی دار الکرامہ کے تصنیفات میں سے ہے بے شک یہ کتاب مستطاب بے شمار فوائد پر مشتمل اور نادرۂ روزگار ہے اس کی لطافت اور متانت اظہار سے مستغنی اور دیکھنے والوں کے لئے مثل الشمس فی رابعۃ النہار واضح اور آشکار ہے اس کا طبع ہو جانا جناب مصنف علام سید حسین علیین مکان کے ذکر عالی کے احیاء کا موجب اور جناب رب العزت خداوند عالم کی خوشنودی اور آئمہ اطہار علیہم السلام الی ابد الآباد کی رضا مندی کا باعث ہے۔

والحمد للہ علی نعمہ والصلوٰۃ علی محمد و آلہ

قطعۂ تاریخ بذریعہ تخریج یک سال

اس کتاب مستطاب کو انتہائی شہرت حاصل ہوئی کیونکہ اس کے طبع ہونے کا ثواب بروز قیامت زندگی جاوید کا خوشبو دار پھول عطا کیا جائے گا اس کے مصنف علام کا کیا پوچھتے ہیں اس پر تو فرشتے سلام کرتے ہیں اور اس کا نام عظمت و جلالت کے باعث آسمان تک رسائی حاصل کر چکا ہے چونکہ کتاب مذکور کی طباعت کے سال چمن امامت میں تازہ بہار آگئی ہے۔ اس لئے میرے قلم نے از روئے ادب سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

دوسرا قطعہ بغیر ابہام ترجمہ

حدیقۂ سلطانیہ اپنی عمدہ عبارتوں کے خوشنما پھولوں کے باعث فرحت بخشنے والا ہے اس کا مصنف کہ جس نے یہ مضامین دقیقہ سپرد قلم کئے ہیں۔ بے شک بہت بڑا عالم اور سید تھا۔

مصنف علام کے ہمنام دوسرے ایک سید نے اسے طبع کرایا کیونکہ کتاب کے فائدہ کو عام اور شائع کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

ہر صاحب سلیقہ اس کتاب کے طفیل سونے کے ایک ایسے گوشوارے سے مزین ہو گیا کہ جو پہلے قلب مصنف کی کان علم میں پنہاں تھا۔ اس کتاب کی طباعت اور اس کا نام و نمود در حقیقت مصنف کے کرامات میں سے ہے اس طباعت کی تاریخ کا یہ مصرع ظاہر ہوا کہ بشد شائع امامت از حدیقہ ۱۳۰۲ھ۔

جناب حضرت علامہ مفتی محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ نے جب کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی تاریخ کے متعلق مذکورہ بالا دو قطعات ارسال کئے تھے تو ساتھ ہی مفتی صاحب مرحوم نے ایک خط بھی ارسال کیا جس کی نقل حسب ذیل ہے۔

اصل

عالی مرتبت والا منزلت معدنِ لطف و محبت زادہ عطفہ بعد سلام باکرام ملتمس آنکہ الوکہ ولا دستور کہ طلوار اعنی نتیجہ انیقہ و تعلیقہ رشیقہ رسید و مسرود موفور بخشید در طبع حدیقۂ سلطانیہ کہ کتابے است عزیز الوجود بذل جہد نمودہ اند۔ از ان خیلے سر در گم دیدم انشاء اللہ اجر این ہمت و خلوص نیت از بارگاہ رب العزت

بروز قیامت خواہند یافت۔ نحیف باوجودیکہ در مکارہ و آلام و اقسام اسقام گرفتارم
و دل و دماغ حاضر بتاریخ گوئی ندارم اما باستماع این مژدهٔ روح پرور و خبر
فرحت اثر بالاستعجال دو تا قطعهٔ تاریخ انشا کردم۔ و ہمین روز تقریظ ہم تحریر
نمودم چنانکہ مصحوب این خط بملاحظہ خواہد رسید اما بسبب آنکہ در ڈاک خانہ
تعطیل بود تعویق افتاد و تاخیر رو داد فقط

السید محمد عباس عفی عنہ

از مٹیا برج کلکتہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ (خط دیگر کا متن)

جناب علامہ مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ عالی مرتبت والا منزلت مصدر
لطف و محبت سلالۃ الائمۃ المصطفین حصین عن کل شین۔ بعد سلام باکرام ملتمس آنکہ
مدتیست کہ جواب خط سامی مع تقریظ و دو تا تاریخ فارسی نگاشتم و ارسال داشتم
و خیال کردم کہ شاید نرسیده و تلف گردیده مگر پریروز از مکتوب مرغوب
مفصل معلوم شد کہ خیلے مسرور و محبور شده اید فالحمد للہ علی ذلک لکن ازین نامہ
محبت شمامہ کہ سحر سلاسل مودت خیز و عطف در آمیخت انگیز بود۔

معلوم شد کہ احباب احباب تاریخ و تقریظ عربی میخواہند بسبب کثرت مشاغل
و توارد مسائل و رسائل و ضعف و ناتوانی و نہایت بے سامانی کہ دارم چہ بگویم
و چہ نویسم بہر حال در استعجال و توزع بال یک تقریظ مع دو تا تاریخ عربی نگاشته
میفرستم اگر لطفے دران نیست حیران را۔ حاجت بیان نیست فان العذر واضح عند
ذوی الفکر الصحیح و اگر ہست خیلے عجب است و این تاریخ و تقریظ را مع اعراب و
حواشی بچاپ سپارند فقط السید محمد عباس عفی عنہ۔ از مٹیا برج کلکتہ یازدہم

جمادی الاولی ۱۳۰۴ھ۔

ترجمہ

بعد از سلام باکرام عرض ایک محبت نامہ بیکہ زر یعنی جناب والا کا
خوبیوں اور کمالات سے پُر مکتوب گرامی موصول ہو کر بکثرت مسرت اور شادمانی
کا باعث ہوا۔ کتاب عزیز الوجود حدیقۂ سلطانیہ کی طباعت کیلئے سعی بلیغ سے کام
لیا گیا ہے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ اس ہمت اور خلوص کا اجر انشاء اللہ بروز
قیامت حاصل ہوگا۔ یہ کمزور و ناتواں۔ اگرچہ گوناگوں تکالیف و آلام اور قسما قسم
کی بیماریوں اور اسقام میں مبتلا ہے۔ اور تاریخ گوئی کیلئے دل و دماغ حاضر نہیں۔
تاہم اس روح افزا خوشخبری اور مسرت آور خبر کے سنتے ہی بڑی شتابی
اور عجلت سے تاریخ کے متعلق دو اور قطعات تیار کر دیئے ہیں اور اسی
روز کتاب مذکور کے متعلق تقریظ کو بھی سپرد قلم کر دیا۔ چنانچہ حضور والا
اس خط کے ساتھ ان ہر دو اشیاء کو بھی ملاحظہ فرماویں گے۔ چونکہ ڈاک
خانہ میں تعطیل تھی اس رکاوٹ کے باعث قدرے تاخیر ہو گئی فقط

السید محمد عباس عفی عنہ از مٹیا برج کلکتہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ

ترجمہ

ایک دوسرا خط بھی ارسال کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

جناب عالی مرتبہ بلند منزل۔ مہر و محبت کے مصدر برگزیدہ آئمہ
اطہار کی اولاد۔ ہر عیب سے محفوظ جناب کی خدمت میں پس از سلام و
اکرام التماس ہے کہ مدت ہوئی۔ گرامی نامہ کا جواب مع تقریظ اور دو عدد

قطعات تاریخ بزبان فارسی لکھ کر ارسال کیا تھا اور خیال ہوا کہ شاید وہ ضائع ہو گیا ہے۔ خدمت حضور میں نہیں پہنچ سکا۔ لیکن پرسوں جناب والا کے نامہ سے مفصل معلوم ہوا کہ حضور تقریظ اور قطعات مذکورہ کے باعث بہت خوش ہوئے ہیں اور جناب نے بڑی مسرت و بہجت محسوس کی ہے فالحمد للہ علی ذلک لیکن اسی نامۂ محبت شمامہ سے کہ جس کی ہر ہر سطر مودت خیز اور مہر و رافت انگیز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ احباب اطیاب کی خواہش اور تمنا ہے کہ تقریظ و تاریخ بزبان عربی تحریر کروں ضعف و ناتوانی اور انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ ساتھ کثرت مشاغل اور مسائل و رسائل کا جو توارد و تسلسل دامن گیر ہے اس کے سبب ظاہر ہے کہ کیا کہہ سکتا اور کیا لکھ سکتا ہوں؟

بہرحال پریشانی اور عجلت کی حالت میں ایک تقریظ اور دو عدد قطعات تاریخ عربی میں سپرد قلم کرکے ارسال کر رہا ہوں۔ اگر ان میں کوئی خوبی اور لطف نہ ہو تو اس کی علت اس قدر واضح ہے کہ عیاں راچہ بیان؟ کیونکہ عذر صراحتہً ظاہر ہے۔ لہذا فکر صحیح کیسے میسر آسکتا ہے۔ اور اگر یہ کسی خوبی کے حامل ہیں تو بوجہ حالات بالا کے پیش نظر یہ ایک انتہائی تعجب خیز امر ہے۔ تاریخ مذکور اور تقریظ ہر دو کو اعراب اور حواشی کے ساتھ چھاپنے کا اہتمام کیا جائے۔

السید محمد عباس عفی عنہ

از مٹیا برج کلکتہ ۱۱، جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۰۲ھ

تقریظ بزبان عربی

از جانب مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ

اعلیٰ

بشرى لكم يا معشر الشيعة الامامية قد شاع كتاب الامامة من الحديقة السلطانية للامام الهمام حجة الاسلام المقيم بمدراس الاسلام سيد العلماء الاعلام سمي سيد الشهداء عليه السلام وهو كتاب مستطاب مشتمل على مباحث دقيقة في عبائر رشيقة خلت عنها الكتب العتيقة فانعموا النظر فيه وتدبروا ما في مطاويه ومحاديه فانه الدين القويم والصراط المستقيم. فاستندوا اليه واعتمدوا عليه واتبعت هذا التقريظ بتاريخين في القريض احدهما خال عن التكلف والتوطئة وثانيهما وان اشتمل على التعمية لكونه ناقصا محتاجا الى التتميم بتعبير ابعد حروف الجحيم لكنه لاشعاره بالمصنف والمصنف والسلالة وايمائه الى الطبع ارغب وارفق بالطبع مع ان مثل هذه التعمية الجديدة لطيف لذيذ لما فيها من الخفاء والايهام والتشحيذ

قطعۂ تاریخ

طوبى لسلطان الحدائق اذ ‏ ‏ ‏ ‏ فيض جرى من سيد العلماء

باب الامامة شيدت اركانه	بيراع حبر ذي يد بيضاء
هو في حديقة جنة ورياضه	مخضرة الاغصان في الغبراء
قد ضل ناس كالغلاة وغيرهم	في كل واد كاتم الاحبار
يا طالب الحق ارخ طبعه	الحق باب حديقة غلباء
قد كان مكتوبا ومكتوما	فبالطبع اجتلى كالليلة التمرار
فقلت اقصى الجهد في تاريخه	شاعت حديقة اخهر الاغبار

۱۳۰۱
۳
۱۳۰۴ھ

ملہ: قوله باب حديقة غلباء. غلبا باغی باشد که درختانش باہم پیوستہ باشند قوله تعالی وحدائق غلبا چونکه حدیقهٔ سلطانیه مثمر ثمرات عظام وکثیرة المباحث ومتسق النظام وگویا که باب دار السلام است این صفتها بآنکتاب خیلی مناسبت دارد وحدائق بهشت عنبر سرشت را که درین آیت مذکور است یاد می آرد ۱۲ منه ظله

ملہ: همزه اگرچه ملفوظ میشود ولکن در تاریخ محسوب نیست بلکه نزد اساتذه محققین مثل خلیل مکتوب نیست ۔ منه

ملہ: معناه اللفظی واضح واما المعنی باعتبار المعمی فهو انی نزدت فی التاریخ عدد حرف الجیم فان الاقصی معناه الاصل جمعه الاقاصی فی مقابلة الادانی واقصی اللفظ اعلاه ای الحرف الاول منه کما ان ادنی اللفظ معناه حرفه الاخیر ولذا ارخ مغلوبیة الروم بقوله تعالی غلبت الروم فی ادنی

الارض وهو الضاد فاقصی لفظ الجهد الجیم وبذلها فی التاریخ حرف عدد حانیه ۔ ۱۲ ۔ منه ظله العالی

ترجمہ

اے شیعہ امامیہ! تمہیں خوشخبری ہو کہ حدیقہ سلطانیہ کی کتاب الامامۃ شائع ہو چکی ہے جو امام ہمام حجۃ الاسلام مقیم جنت "دار السلام" سید العلماء الاعلام حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے ہم نام یعنی آقائے سید حسین علیین مکان اعلی اللہ مقامہ کی تصنیف ہے اور وہ ایسی پاکیزہ کتاب ہے جو دقیق بحثوں، پیاری عبارتوں فصیح اور سلیس الفاظ میں عمدہ نکات اور ایسی پختہ و علم تحقیقات پر مشتمل ہے کہ جن سے کتب اسلامی خالی تھیں لہذا اس میں غور و خوض کے ذریعہ تمہیں داد فکر دینا چاہیئے اور اس کے مضامین و مفاہیم کے متعلق خوب سوچ و بچار اور حسن تدبر سے کام لینا چاہیئے کیونکہ یہ کتاب دین قویم اور صراط مستقیم ہے۔ لہذا اس پر اعتماد اور بھروسہ کر کے اس کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرنیکا شرف حاصل کیجئے۔

اس تقریظ کے بعد میں نے بذریعہ کلام منظوم اس کی تاریخ کے دو عدد قطعات سپرد قلم کئے ہیں جن میں سے ایک تو تکلف اور تعمیہ سے خالی ہے اور دوسرا اگرچہ ایک اغلاق اور تعمیہ پر مشتمل ہے کیونکہ وہ ناقص ہونے کے باعث عدد حرف جیم کو تاریخ میں شمار کرنے کی طرف احتیاج رکھتا تھا لیکن یہ تاریخ طبیعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہے کیونکہ یہ مصنف کتاب کے خاندان اور کتاب کی لوگوں کی طباعت کی طرف اشارہ کرتا ہے علاوہ ازیں اس قسم کا اغلاق اور چیستان ہونے کی صورت بطرز جدید زیادہ لطیف اور لذیذ شمار ہوتی ہے کیونکہ اس

میں خفا ابہام اور تشبیہ کی چاشنی موجود ہے۔

ترجمہ قطعہ تاریخ

سلطان الحدائق کو خوشخبری نصیب ہو کہ سید العلماء کی طرف سے فیض جاری ہوا ہے۔ ایک عالم تحریر کے قلم سے کہ جو دید غفار رکھنے والا ہے باب امامت کی بنیادیں استحکام پذیر ہو گئی ہیں۔ وہ خود جنت فردوس میں سکونت پذیر ہے مگر اس کے صفات عالیہ کے باغات روئے زمین پر سبز اور شاداب ہیں۔ غالیوں وغیرہ کے ایسے لوگ بے شک تاریک وادیوں میں بھٹک گئے ہیں اے طالب حق طباعت کتاب مذکور کی تاریخ بیان کر دو۔ بے شک وہ سرسبز جنت کا دروازہ ہے ایک زمانہ میں گو وہ لکھی جا چکی تھی لیکن عدم طباعت کے باعث پردہ پوشش تھی۔ اب طباعت کے ذریعہ وہ چاندنی رات کی طرح روشن ہو گئی ہے۔ اس کی تاریخ کے بیان میں میں نے اپنی پوری کوشش صرف کی کہ اعلم علماء اخیر غفار کی کتاب حدیقہ شائع ہو گئی۔

۱۳۰۶
۳
۱۳۰۳

۱؎ غلباء۔ اس باغ کا وصف ہے جس کے درخت سرسبز اور باہم پیوست ہوں اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ وحدائق غلبا۔ چونکہ کتاب حدیقۂ سلطانیہ باعظمت ثمرات کا فائدہ دینے والی بکثرت مباحث پر مشتمل اور موزوں و مناسب نظم و نسق رکھنے والی ہے لہٰذا گویا کہ وہ دار السلام اور جنت الفردوس ہے۔ لہٰذا یہ صفت یعنی غلباء اس سے بڑی مناسبت رکھتی ہے اور بہشت عنبر سرشت

کے جو باغات اس آیت مبارکہ۔ وحدائق غلبا میں مذکور ہیں۔ یہ کتاب ان کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔

۲؎: ہمزہ اگرچہ پڑھا جاتا ہے لیکن تاریخ میں شمار نہیں ہوتا۔ بلکہ خلیل کے ایسے اساتذہ محققین کہاں یہ لکھا بھی نہیں جاتا۔

قولہ۔ بذلت اقصی الجمد الخ۔ اس کا لفظی معنی واضح ہے مگر اس کا جیسا کہ تاریخ کے لحاظ سے معنی تو وہ یہ ہے کہ میں نے تاریخ میں حرف جیم کے عدد کو زیادہ کیا ہے کیونکہ اقصی کا معنی ہے اعلیٰ۔ جیم اس کی انتہا میں ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ادنی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اقصی اللفظ سے لفظ کا اعلیٰ حرف یعنی پہلا حرف مراد ہوتا ہے جیسے کہ "ادنی اللفظ" سے لفظ کا حرف آخر مراد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مغلوبیت روم کی تاریخ آیت پاک "غلبت الروم فی ادنی الارض" سے بیان کی گئی۔ کیونکہ "الارض" کا ادنی حرف ضاد ہے لہٰذا لفظ "الجمد" کا اقصی حرف جیم ہے اور تاریخ میں اس کے بذل سے مراد اس کے عدد کو تاریخ میں شمار کرنا ہے۔ ۱۲۔ مدظلہ العالی۔

۲: تقریظ دلپذیر از رشحات خامہ فیض شمار جناب مستطاب معلی القاب فاضل کامل عامل کامل فقیہ باذل مقتدائی عادل جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول بارع علام مجتہد امام السید محمد ادام اللہ فیوضہ خلف ارشد زبدۃ الفضلاء عمدۃ العلماء المولوی السید علی شاہ رحمہ اللہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ علی نوالہ وصلی اللہ علی خیر حامدہ وعلا لہ محمد وآلہ وبعد فان الکتاب الموسوم بالحدیقۃ السلطانیۃ فی العقائد الایمانیۃ من مصنفات

السید الامام الھمام علم اعلام و حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی العالمین حجۃ اللہ البالغۃ فی الارضین و حامی حمی الدین و ماحی آثار المفسدین عماد العلماء والمجتہدین ضیاء الفقہاء والمتکلمین وسلالۃ الاخیار المصطفین مولانا سید العلماء السید حسین قدس اللہ روحہ الزکیہ کتاب شریف ومصنف منیف العثور علی العجب العجاب حتوی علی الفصل الخطاب وممیز القشر عن اللباب والخطا عن الصواب ببیانات نافعۃ للخاص والعام وتقریبات قریبۃ الی الافہام واحتجاج یقطع لسان الجاحدین وحجاج تکشف عن لجاج المعاندین وادلۃ تقصم ظہور الملحدین وترغم معاطس اعداء الدین ولا بدع ولا عجب فانہ من افادات مثل ذلک العلامۃ المہذب وجذیلھا المحکک وعذیقھا المرجب رجل الرجال وواحد الاحاد وھم اہل بیت لولاھم فی ھذہ البلاد

ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا حمد وشکر ہے۔ اللہ والوں پر اور اس کے حلال وحرام کو واضح کرنے والوں یعنی محمد وآل محمد پر اللہ تعالیٰ کا درود وسلام ہو۔ بعد از حمد وصلوٰۃ واضح یاد کہ کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ فی العقائد الایمانیہ جناب والا شان آقا سید امام ہمام۔ علم الاعلام حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی العالمین حجۃ اللہ البالغۃ فی الارضین۔

عزت دین کے حامی آثار مفسدین کو مٹانے والے عماد العلماء والمجتہدین سناد الفقہاء والمتکلمین برگزیدگان خدا آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی اولاد حضرت مولانا سید العلماء السید حسین قدس اللہ روحہ الزکیہ کی تصانیف میں سے ایک بلند مرتبہ اور عالیشان کتاب ہے۔ جو عجیب اور فیصلہ کن مضامین پر مشتمل ہے۔

اس نے باطل کو حق سے اور غلط کو صحیح سے ایسے بیانات کے ذریعہ ممتاز کر دیا ہے جو ہر خاص وعام کیلئے نافع اور مفید ہیں اور ایسے براہین قائم کئے ہیں جو ہر انسان کے لئے مطالب کے سمجھنے میں سہولت کا باعث ہیں۔ اور ایسے استدلالات پیش کئے ہیں جنہوں نے منکرین کا ناطقہ بند کر دیا ہے اور ایسے طریقہ پر حجت قائم کی ہے جس سے معاندین کی ہٹ دھرمی واشگاف ہو گئی ہے اور ایسے دلائل پیش کئے ہیں جنہوں نے ملحدین کی کمریں توڑ دی ہیں اور دشمنان دین کی ناک کو خاک میں رگڑ دیا ہے اور یہ کوئی انوکھا اور خلاف توقع امر بھی نہیں کیونکہ یہ ایسے علامہ دھر کے افادات ہیں جو اس میدان کا مانا ہوا شہسوار اور اس وادی کا ایسا بے نظیر تجربہ کار ہے کہ جو اپنی مثال آپ ہے اور یہ اس خاندان عالی کا فرد فرید ہے۔

لما قام الدین عمود ولا خضر بہ عود۔ ولھم اسوۃ فی ھذہ الحدود۔ فجدودھم خیر الجدود وادلیاء الملک الودود سلام اللہ علیہم ما فاح عود و ناح الرعود وھذا الباب الرابع من الکتاب فی امامۃ الائمۃ الاطیاب کان عزیز الوجود ولا تیسر

کہ اگر وہ ان ممالک میں نہ ہوتے تو ان دیار میں نہ دین کا ستون قائم ہوتا اور نہ ہی شجرۂ اسلام کی شاخ سرسبز ہو سکتی۔ وہ ان اطراف میں اپنے ان آباؤ اجداد کے تصدق مخلوق خدا کے ہادی ہیں جو خداوند عالم کے اولیاء ہیں ان کی ذوات مقدسہ پر تا قیام قیامت درود وسلام ہو۔

الا بعد العفص دالاستکتاب
داحدثت الیہ احناق الطلاب
فوفق اللہ السید العزیز الصفی السید
حسین الموسوی الرضوی حیث
اھتم بطبعہ واشاعتہ وبالغ فی
تصحیحہ ومقابلتہ فلاددرہ وللہ
فشکرُ عشرہ وعظم اجرہ وکتب
الفقیر الی ربہ الاسیر بذنبہ
ابوالحسن بن علی تجاوز اللہ
عن ذلاتھا بسادھتھا ودلاتھا

یہ اس کتاب کا چوتھا باب ہے۔ جو
آئمہ اطہار علیہم السلام کی امامت کے
بیان میں ہے۔ یہ کتاب انتہائی کمیاب
تھی۔ بڑی جستجو اور کوشش کے
بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھی خواہشمند
طالبین کی گردنیں اس کے متعلق ہمیشہ
دراز اور فراز رہتی تھیں اللہ تعالیٰ
نے ایک برگزیدہ ہستی جناب سید
حسین موسوی رضوی کو اس کے
متعلق موفق کر دیا کہ آپ نے اس کی
طباعت اور اشاعت کا اہتمام فرمایا
اور اس کی تصحیح اور مقابلہ کے متعلق
بڑی ہمت اور جانفشانی سے کام لیا اس
سلسلہ میں ان کے کمال کا کیا کہنا بے شک
آپ نے ایسا کارنامہ انجام دیا جو اجر
عظیم کا موجب ہے۔

یہ چند حروف سید ابوالحسن بن علی نے
سپرد قلم کئے کہ جو اپنے پروردگار کی طرف ہر
رنگ اور ہر آن میں محتاج اور اپنے

گناہوں میں گرفتار ہے اللہ تعالیٰ ان
باپ بیٹا دونوں کے گناہ اور خطائیں
بصدق آئمہ ھدیٰ معاف کرے۔

تقریظ آقائے سید ناصر حسین اعلی اللہ مقامہ کا تذکرہ

عبارت بلاغت آگیں و الفاظ دلنشیں۔ چکیدہ کلک جواہر سلک ادیب ماہر
بحر ذاخر۔ فاضل کامل۔ عالم عامل۔ مجمع معقول و منقول منبع فروع و اصول حامی
الحرمین الشریفین۔ زائر ابی عبداللہ الحسین المولوی السید ناصر حسین ادام اللہ بدوام
النیرین خلف المولوی سید مظفر حسین مرحوم و مغفور۔

آپ کی تحریر چونکہ کافی طویل ہے لہٰذا اختصاراً ذیل میں اس کے چند
اقتباسات کا تذکرہ کیا جاتا ہے بعد از تمہید آپ کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ کی
مدح سرائی میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

دریں زمان فرحت اقتران۔ بل
از محاسن و برکات ایام۔ و مکارم
و صور اعوام۔ باب چہارم از کتاب
مستطاب حدیقۂ سلطانیہ و رسائل
ایمانیہ کہ بوجہ تقالیب ادوار زمان و
فقدان انصار و اعوان بحث لب

اس مسرت و شادمانی کے زمانہ میں بلکہ
یوں کہنا چاہئے کہ زمانہ کے برکات
اور خوبیوں کے باعث کتاب مستطاب
حدیقۂ سلطانیہ و رسائل ایمانیہ کا چوتھا
باب چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔ جو
کہ قبل ازیں انقلابات زمانہ اور

طبع در نیامده و کسوت شهرت نه
پوشیده بود بجلوه گاه ظهور در آمده
قدرت ذو الجلال ملاحظه کرد نیست
که از اختیار این کتاب خش و خار ترهات
اهل خلاف بے انصاف نخل علل و نحل
ایشان کرماد اشتدت به الریح و
هبار مقالات پر تدلیسات ایشان
اوهن من بیت العنکبوت صریح
گردیده . پایه نهایۃ العقول در
مضمار طریق صبحش عارج و توصیف
ترصیعش از ناطقه زبان خارج
مینا شده کتاب است یا بحر مسجود
روض ممطور صفی تشی و جنات حور
سطورش قلائد نحور جنت دل
مضامین رشیقه برافنان الفاظش
نغز زن و بلابل دقائق شریفه
بر اغصان معانیش ترنم سنج . در
سواد خط و کتابت آب حیات و
هنگام طوفان سفینۃ النجات

فقدان اعوان و انصار کے باعث
طبع نہیں ہو سکا تھا اور لباس شہرت
سے ملبوس نہ ہو سکا تھا۔ قدرت
ذات ذو الجلال کا کرشمہ دیکھنے کے
لائق ہے کہ اس کتاب کے شہرت
حاصل کرتے ہی صاحب الملل و نحل
کے ایسے بے انصاف اہل ضلالت کے
خرافات "کرماد اشتدت به الریح"
کا مصداق بن کر اس راکھ کی طرح تباہ
اور برباد ہو گئے۔ جس کے ذرات کو
تیز آندھی اڑا لے گئی ہو اور
ان کے وہ اقوال صاف طور پر مکڑی کے جالے
سے زیادہ کمزور ثابت ہو گئے جو انہوں نے
مکر و زور کے ذریعہ تیار کیے ہوئے تھے
انتہائی بلند عقل بھی اس کتاب کے
دشوار گزار راستے میں عاجز ہے اس کے
مضامین تک اسے رسائی نہیں ہو سکتی
اور اس کی تالیف و تنظیم کے معیار کی
وصف بیان کرنے سے زبان گویائی

روشن شود که از حرعات صفوات
اهل عدوان مصون نماند . چراغی
که از اول تا آخر از گزند انفاس
ارباب استنان مامون . علم و جوهر
کمال را جانی . و جان فضل و علم را
تاب و توانی . لالی انشائش ریاحین
نادره که نرگس را از برائے مشاهدش
انتظارے و بوستان خجسته عنوانش
را بسی شرم ساری . بل از شوق
دیدارش دیده ئے نرگسها
بیدار او باشتیاق جمالش گلها
بر بستر خارها . مجموعه ستر ابکار معانی
لم یطمثهن انس قبلهم ولا جان
گنجینه پر از ذخائر کانهن الیاقوت
و المرجان . فقرات آبدارش حدائق
پر از ازهار و انوار . و سطور رنگینش
کانها جنات تجری من تحتها الانهار
هر حرف این کتاب طبع دام مرغوب
کانه حیات القلوب . هر فصلش تماشائی

عاجز ہے۔ کیا یہ کتاب ہے۔ یا علم کا
بھرپور سمندر یا باران رحمت سے سیراب
شدہ تر و تازہ باغ ہے۔ اسکے صفحات
حوران بہشت کے خوشنما چہرے ہیں اور
اس کی سطریں پر رونق گلے کے ہار ہیں
اس کے پیارے پیارے مضامین کی بلبلیں
اس کے الفاظ کی شاخوں پر نغمہ سرائی کر
رہی ہیں۔ اور گہرے اور دقیق مطالب
اپنی سریلی آوازوں سے اس کے معنی
کی خوشنما ٹہنیوں پر مترنم ہو رہے ہیں
اس کے خط اور کتابت کی سیاہی میں آب
حیات کی تاثیر ہے اور طوفان ضلالت
میں یہ کشتی نجات کا فائدہ دینے
والی ہے۔ یہ ایسی روشن شمع ہدایت
ہے کہ جو اہل عناد کے لغویات کے ضرر و نقصان
سے محفوظ ہے اور یہ ایسا جگمگاتا ہوا
چراغ ہے جو اہلسنت کے پھونکوں کے
ضرر اور نقصان سے محفوظ اور مامون
ہے علم اور جوہر کمال کی یہ کتاب جان ہے۔

فصل بہارے۔ ہر بابش باب رحمت
باری۔ سبحان اللہ این در شہوار
نادرۃ الادوار۔ نادیدۂ چشم
فلک و ناشنیدۂ گوش ملک از
تصنیفات و تالیفات سید علام سر
آمد متکلمین عظام۔ نخل بند حدیقۂ
براہین۔ چمن آرائے گلشن کشف
الحق والدین۔ المؤید من اللہ الجلیل
مشرف بتشریف علماء امتی کانبیاء
بنی اسرائیل۔ ممدوح قدسیان
اطباق خضرا می سلم النبوۃ
میان امام جبرائیل۔ واسطۂ عروج
سلالم قرب الٰہی زینت افزائی اورنگ
اوامر و نواہی و عقائد و ائمہ
ریگ فرسوث ریزندۂ قطرات علوم
بکلام مستحقین از منبع دانش و یقین
و معقول و اما السائل فلا تنہر بخشندۂ
خزائن علوم بکمال جود و سخا بسائلین
پیشوائی اہل ایمان۔ رہنمائے خلق

اور جان فضل و علم کیلئے بھرپور
طاقت اور توانائی ہے۔ اس کے ایسے
نادرۂ روزگار گل و پھول نمودار ہوئے
ہیں کہ گل نرگس کو ان کی استقرار
تھی گلستان خلوت نشانی کی آب و تاب
کو دیکھ کر اپنے مقام پر بیحد شرمسار
ہو رہے ہیں بلکہ اس کے دیدار کے شوق
کے باعث کھلے نرگس کی آنکھیں
پیوستہ کھلی اور بیدار رہیں۔
اس کے حسن و جمال کے اشتیاق میں
ہر قسم کے پھول ایسے مضطرب اور
بے چین ہیں کہ گویا کانٹوں کے بستر
پر لیٹ رہے ہیں۔ یہ ایسے اچھوتے
فصیح و بلیغ ایمانی الفاظ و معانی کا مجموعہ
ہے کہ ان تک پہلے کسی فرد انس و جن
کو رسائی نصیب نہ ہو سکی۔ یہ ایسے
بیش قیمت مطالب کا بھرپور خزانہ
ہے کہ گویا وہ یاقوت اور مرجان
ہیں اس کے پر رونق اور آب و تاب

ایقان۔ خضر راہ شریعت ھادی
طریق حقیقت۔ مؤسس ارکان
شرع نبوی۔ مشید بنیان آئین و
آداب مصطفوی۔ منصور در معرکۂ
مناظرہ۔ غالب بر جنود فلاسفہ و
اشاعرہ برآرندہ دود خیالات
فاسدہ از دماغ ہوا خواہان شوکت
عمریہ بیک شعلہ۔ انگشتی ضربت
حیدریہ۔ خامہ اش مانند صمصام
قاطع لسان منکرین امامت آئمہ
اطہار را تسلیم نماید۔ و چوں ذوالفقار
از خود زبان خود ترانۂ توصیف
لسان الحق می سراید۔ تحقیقات
مشائیان پیش افاداتش ہمچون
قیل و قال اطفال دبستان و توجیہات
اشراقیان در مقابلہ افاضاتش چون
ذرہ چراغ پیش آفتاب درخشان
ہنگام گرمی و در بازار حکمتش متاع
ہر فلسفی کاسد وقت باریدن سحاب

رکھنے والے فقرات تر و تازہ پھولوں
اور غنچوں سے پر باغات کا منظر پیش
کرتے ہیں اس کی خوبصورت اور مزین
ہر سطر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت
ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اس
کتاب کا ہر حرف اسی طرح دلربا اور
پسندیدہ ہے کہ گویا دلوں کے لئے
حیات اور روح رواں ہے اس کی
ہر فصل موسم بہار کا نقشہ پیش کرتی
ہے اور ہر باب رحمت خدا کا
دروازہ ہے۔
سبحان اللہ یہ در شہوار یگانۂ روزگار
جس کی مثل چشم فلک نے دیکھا نہیں اور
گوش ملک نے سنا نہیں ایک ایسے سید
علام کے تصنیفات و تالیفات میں
سے ہے جو بڑے بڑے با عظمت
علماء متکلمین کا سردار، باغیچۂ دلائل
و براہین کا باغبان گلشن دین و حق
کے چمن کو زینت و آرائش

مجلس آتش فتنہ انگیزی پر اخگری

حسام

عطا کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے تائید یافتہ۔ حدیث علماء امتی کا
انبیاء بنی اسرائیل کا صحیح طور پر
عزت یافتہ۔ قدسیان قبلی ملائکہ
آسمانی کا ممدوح۔ اہل زمین کے درمیان
مسلم الثبوت با کمال۔ قرب الٰہی کے
زینوں پر بلندی حاصل کرنیکا واسطہ
تخت اوامر و نواہی کی زینت افزائی
کرنے والا۔ ارشاد ربی! اما بنعمۃ
ربک فحدث کہ اپنے رب کی نعمت
کا تذکرہ کیجئے۔ اس کے مطابق منبع
دانش و یقین سے علوم عالیہ کے قطرات
کو مستحقین کے کام و دہن میں بارانی
کرنے والا۔ ارشاد الٰہی و اما السائل
فلا تنھر۔ کہ سائل کو جھڑکی نہ دیجئے۔
کے مطابق کمال جود و سخاوت سے سائلین
کو علوم کے خزانے بخشنے والا۔ اہل
ایمان کا پیشوا۔ راہ ایقان کا رہنما
راستہ شریعت کے لئے خضر صفت

راہبر۔ طریق حقیقت کا ہدایت
کنندہ۔ ارکان شرع نبوی
کا مونس۔ آداب و آئین مصطفوی
کو استحکام پذیر کرنے والا۔ میدان
مناظرہ میں منجانب اللہ نصرت یافتہ
فلاسفہ اور اشاعرہ کے لشکروں پر
غلبہ حاصل کرنے والا۔ شمشیر آتش
بار کی ایک ہی ضرب حیدری کے
ذریعہ شوکت عمری کے ہواخواہوں
کے دماغ سے خیالات فاسدہ کے
دھوئیں کو نکال باہر کرنے والا
اس کا قلم حق رقم شمشیر قاطع کیطرح
منکرین امامت آئمہ اطہار کی زبان
کو قلم کر دیتا ہے اور ذوالفقار
کی ایسی اپنی دونوں زبانوں سے
لسان الحق جناب امیرؑ کی مدح و ثنا
کے ترانے الاپتا ہے۔ مصنف علام کے
افادات عالیہ کے مقابلہ میں فلاسفہ
مشائین کی تحقیقات اطفال مکتب کی

ازاں بعد مصنف علام کی مدح میں
چند اشعار زیب قرطاس کرتے
اور پھر لکھتے ہیں۔ اعنی علامۂ روزگار
وارث آئمہ اطہار۔ مولی الثقلین
آقا سید حسین علیین مکان اعلی اللہ
مقامہ فی علیین مع آئمۃ الطاہرین
المعصومین۔

اس طرح مصنف علام کی مدح و ثنا
کرتے ہوئے۔ آخر میں ان الفاظ کے
ساتھ دعائیہ فقرہ تحریر کرتے اپنی
تقریظ دلپذیر کو ختم کر دیتے ہیں۔

قیل وقال کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور حکماء اشراقیین کی توجیہات آپ کے ارشادات
عالیہ کے سامنے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے آفتاب عالم تاب کے مقابلہ میں
ٹمٹماتے چراغ کی روشنی۔ آپ کی حکمت و دانش کے بازار گرم کے مقابلہ میں
ہر فلسفی کا کلام متاع کاسد شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کے دلائل و براہین کے
بادل جب برستے ہیں تو ہر اشعری کی فتنہ انگیزی کی آتش گل ہو جاتی
ہے۔ اس بلند پایہ شخصیت سے ہماری مراد علامہ دھر۔ وارث آئمہ اطہار
مشرق و مغرب کے سردار آقا سید حسین علیین مکان ہیں۔ اللہ تعالیٰ آئمہ
طاہرین علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ان کے مدارج کو بلندی بخشے۔

(آمین)